TIGHT BINDING BOOK

brown book

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222551
UNIVERSAL
LIBRARY

٨٩١٤ و ع ٣٠٨ و

1450

OUP—391—29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ ۳۰ ۸ Accession No. U 1450

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

ہدیہ

Checked

خیالات کا مجموعہ مخلص عزیز محمد انوار صاحب ہاشمی قادری مدیر مکتبۂ قادریہ و منیجر اخبار توحید میرٹھ کو ہدیہ دیا جاتا ہے۔

عزیز مذکور علاوہ ان نسبی خدمات علم کے جو انکے دادا مولانا محمد ہاشم علی صاحب مالک ہاشمی پریس میرٹھ نے انجام دیں اور جنکے مطبع کی خدمات دین کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ اس میں صحت کا کام کرتے تھے۔ خود اپنی ذات سے باوجود نوعمری دین و ملت کے سچے خدمتگزار ہیں۔ مکتبۂ قادریہ کی ادارت اور میری اکثر کتابوں کی اشاعت میں عرصہ دراز سے ان کی مخلصانہ مصروفیت اس استحقاق کو نمایاں کرتی ہے جسکے تقاضے سے مینے یہ کتاب انکے نام منسوب کی اور اسکے حقوق انکو ہدیہ کئے۔

اخبار توحید کی منیجری میں انہوں نے جس محنت و جانفشانی سے اخبار کی نفیس چھپائی کو عموماً اور میرے مضامین کی خوشنمائی کو خصوصاً ملحوظ رکھا اسکے لحاظ سے بھی وہ اس ہدیہ حقیر کے حقدار ہیں۔ اگرچہ اس خلوص قلبی کا صلہ جو محمد انوار صاحب کو راقم درویش کے ساتھ ہے یہ بے وجود کاغذی ہدیہ نہیں ہو سکتا لیکن رسموں کی دنیا میں دل کے تعلقات انہی امور سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اسلئے مینے بھی ان پر عمل کیا۔

مقام حجرہ درگاہ حضرت سلطان المشائخ — دعاگو

خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رض دہلی — حسن نظامی دہلوی

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء

U/450

U891.4508

غرض نقشیست کز ما باز ماند

کہ ہستی را نمی بینم بقائی

(سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ)

CHECKED 1965

فہرست مضامین کتاب انتخاب توحید

دیباچہ۔ از حضرت سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ۔	الف ۶
ریویو۔ از لسان العصر خان بہادر مولنا سید اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی۔	الف ۱۲
ریویو۔ از ترجمان حقیقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور	الف ۱۲
ریویو۔ از فخر کار توحید یمین السلطنتہ راجۂ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سابق وزیر اعظم ریاست حیدرآباد دکن	الف ۱۳

حصہ اول مشتملہ مضامین حضرت سیدی مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب

مے وحدت کا پہلا دور
راز و نیاز

کعبت سکے بیر میں آبھگوان	۱
حضرت کی دعا	۳
موسمی دعائیں	۴
آنسو بھری آنکھ کی التجا	۶
جھولی والے فقیر کی بھیک	۸

مے وحدت کا دوسرا دور
ذوق و شوق

مدنی شیام سندر کی مرلی	۱۰
آیار چھلکے دیکھیں برسات کا تماشا	۱۱
ہم ہیں بالک ایک پتا کے	۱۲
عید کی دو ماغریاں وسے تو	۱۴
اجمیر کی پہاڑ کا بولنا	۱۵
حلقۂ شغل کی قلمی تصویر خواجہ کے دربار میں	۱۶

مے وحدت کا تیسرا دور
سوز و گداز

اچھے بابل کیا لاڈلی بیٹی کو بھول گئے	۱۸
تاراج ترکی کا سر صاحب معراج کے آستانہ پر	۲۰
ٹھنڈا سانس	۲۲
پسنائٹ لوتائٹ	۲۳
کانپوری شہید کے گھر میں پہلی رات	۲۶

مے وحدت کا چوتھا دور
سر دلبراں در حدیث دیگراں

خاکی جامہ فنا کے بعد بقا	۲۹
پھولوں کے شکوے	۳۲

ہولناک کچہر	۳۳
خدائی پستول اور اسکی بو	۳۵
دوربین اور مکاشفات غیب	۳۷
گم اور اسکی نمود	۳۹
گلاب تمہارا کیکر ہمارا	۴۵
اوس	۴۷
رمضان اور سیاہ سفید ڈورے کی پہچان	۴۹
گیان کتھا	۵۰
ہردواری گنگا کے کنارے چنتامن مورتی	۵۳
مے وحدت کا پانچواں دور	
مقام عبرت	
نزع کی بیقراری	۵۴
ترک دولہا دولہن کی شہادت	۵۶
سکرات موت کی ہچکیاں	۵۹
قبر کی اشرفیاں	۶۲
بے چین مردہ	۶۴
اہل آسمان نے مجھ سے کہا	۶۵
دوسرا پان ایڈریانوپل کے شہر کی یاد میں	۶۶
بہادر شاہ کی پہلی عید رنگون میں	۶۸
مے وحدت کا چھٹا دور	
سیاست معاشرت۔ تمدن	
چمارزادہ سید کی گود میں	۷۰
روس ہوس خوں آشامی سے باز آئے	۷۱

جیبی گھڑی کی سازش	۷۳
متوالی آنکھ میری بندوق کی	۷۴
پیاسا ہندوستان اور اسکی سوکھی زبان	۷۵
چھڑکاؤ کی گاڑی	۷۵
پسینہ	۷۷
پانی کا جیل خانہ	۷۸
سوئی کی لن ترانی	۷۹
فٹ بال	۸۰
برف کا پانی	۸۱
پانی کی بغاوت	۸۱
پیاسے کے گلے پر چھری	۸۳
ایک بڑے ہندوستانی کی گرفتاری	۸۴
ایک بڑا آدمی	۸۵
پانی کا گھونٹ اور نالی کی کناری	۸۶
فقیروں کی عید	۸۷
ڈراموں کے بچے جوان	۸۹
مے وحدت کا ساتواں دور	
تعلیم و تلقین	
اللہ ایک ہے	۹۱
تاش کا اکہ	۹۲
ہیرامن طوطا	۹۳
حور کی گڑیا	۹۴
نیم کے پھول	۹۵
سگرٹ	۹۶

بن ماں باپ کا غریب بچہ	۹۷	رونے والے درخت کا ظہور	۱۰۴
یتیم	۹۸	دولھا دولہن کی میز پر	۱۰۵
گیند بلا ہو چکا	۹۹	بم کا لین دین	۱۰۵
پان کی پیک	۱۰۱	ہارڈنگ بابا سلامت	۱۰۶
مے وحدت کا آٹھواں دور		السلام علیکم	۱۰۶
سیر حوادث		مرغ کی اذان	۱۰۷
لارڈ ہارڈنگ کی ناقدری	۱۰۲	تیس راتوں کی شان	۱۰۸
انجیل کا طمانچہ	۱۰۲	**مے وحدت کا نواں دور**	
آتشی طوفان	۱۰۳	**تعبیر رویا**	
حال قال کا شہید	۱۰۳	پہلا خواب	۱۰۸
خانۂ خدا پر حملہ	۱۰۳	دوسرا خواب	۱۰۹

حصّۂ دوم۔ نامور انشاپردازوں کے منتخب مضامین

ذوقیہ حمد		از منشی سید مدد علی صاحب قادری اکبرآبادی	۱۱۲
توحیدی رباعیاں		از مولانا شفق عماد پوری	۱۱۳
جمال شاہد ستور کو عین العیون سمجھو		از بلبل کشمیر پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقی دہلوی	۱۱۴
پانچ اشارے		از یمین السلطنتہ عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر	۱۱۴
مثنوی اسرار خودی		از ترجمان حقیقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر لاہور	۱۱۵
رسالت عین وحدت		از یمین السلطنتہ مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر	۱۱۸
توحید کی مے پیتے ہیں مستان مدینہ		〃 〃 〃	۱۲۲
فقم قم یا حبیبی کم تنامی		از جناب مہجور صاحب ٹکسالی دروازہ لاہور	۱۲۳
منقبت جناب امیر علیہ السلام		از یگانۂ عصر مولانا غلام قادر صاحب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن	۱۲۴
خواجہ نبوت کا ظہ کی تصویر تھے		از شمس العلماء مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی	۱۲۵

من بداماں معین الدین حسن دستے زدم	ازمولنا غلام قادر صاحب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن	۱۲۶
ترانۂ خواجہ	ازحضرت مولانا شفق عماد پوری	۱۲۷
غریب پرور حضور خواجہ	ازمولانا وجاہت حسین صاحب صدیقی سب ایڈیٹر زمیندار لاہور	۱۳۰
دل کے اٹھارہ ٹکڑے	ازجناب سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی	۱۳۰
شہنشاہونکی پیشانیاں اجمیری چوکھٹ پر	ازمولنا سعید احمد مارہروی	۱۳۲
خواجہ کا روحانی پیام	ایک ایم۔ اے پاس پروفیسر کے قلم سے	۱۳۸
خواجہ کی سرکار میں عرض حال	ازمولانا مولوی سید نواب علی صاحب ایم۔ اے پروفیسر بڑودہ کالج	۱۴۰
خود را فروختیم چہ ارزاں فروختیم	ازمولانا غلام قادر صاحب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن	۱۴۱
کیکر کے پھول	ازمولانا شفق عماد پوری	۱۴۲
بیان اکبر	ازخان بہادر لسان العصر مولنا سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی	۱۴۳
جوتے کا سفر	ازجناب شہزادہ قدسی صاحب نظامی بھوپالی	۱۴۴
اللہ میاں کے نام خط	" " "	۱۴۵
زندگی	ازجناب ابوالآزاد صاحب خلیقی دہلوی	۱۴۷
باپ کی گود میں زخمی بچوں کا مرنا	ازدردانہ سلیمہ صاحبہ۔ بمبئی	۱۵۲
چھوڑ	ازجناب سید عزیزالدین صاحب آزاد چرتھا دلی	۱۵۵
نئی روشنی کا دلدادہ	ازجناب منشی مہدی حسن صاحب۔ کرا ے پرسرا ے پٹنہ	۱۵۶
فرانسیسی ڈیوک کا اکلوتا لاڈلا	ازجناب منشی یوسف حسن صاحب لائل پوری	۱۶۰
جانکنی کا وقت	ازجناب پنڈت سلطان حسین خالصاحب مرحوم	۱۶۳
انقلاب کی ضرورت دل میں	ازجناب حافظ فیاض احمد صاحب مخلص نکتہ چیں پانی پتی	۱۶۵
مسلم کے دل کی شورش	ازجناب مولوی عبدالخالق صاحب دہلوی	۱۶۶
صدائے عارف	ازجناب عارف میرٹھی	۱۶۸
ہلال رمضاں کا خیر مقدم	ازحضرت مولانا شفق عماد پوری	۱۶۸
طبع رواں کی عید	ازمولوی عبدالخالق صاحب خلیقی دہلوی	۱۶۹
مارواڑی عید	ازجناب مولوی سید حسن الدین صاحب خاموش سب پوسٹماسٹر کھاریچی۔ راجپوتانہ	۱۷۱
اہا ہا ہا اہو ہو ہو	ازخان بہادر مولنا سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی	۱۷۳
فہرست کتب مکتبۂ قادریہ		۱۷۴

۷۸۶ ہوالکل یامعین

دیباچہ انتخاب توحید

یا

پانچ مہینے کی آہ وبکا پر ایک نظر

(از مصور فطرت سیدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہم العالی)

سُنتے ہو مجھسے دیباچہ لکھنے کی اُسوقت فرمایش کی جاتی ہے جبکہ میں طوت سرمدی کی شنید میں مصروف ہوں۔ جبکہ میرا دل اخباری نمود کاری سے بیزار ہوگیا ہے۔ جبکہ میں اُس کتاب پر دیباچہ لکھ رہا ہوں جو دل و دماغ ذہن و فکر علم و مشاہدہ کے تعلق سے آزاد ہے۔

بھیا احسان سے کوئی کہے فطرتی کتاب کا دیباچہ ہو جانے دو۔ اس جمود کے متحرک ہونیسے مقام محمود ملتا ہے۔ مگر انکے سُنانے سے پہلے میں خود اپنے گوش صدا پرست اسیر نوا کو سُنانا چاہتا ہوں کہ صحیفۂ لاہوتی کی دیباچہ نویسی کیلئے ملکوتی اسباب کی ضرورت ہے۔ پہلے ناسوتی فرض کو انجام تک پہنچا پھر آگے بڑھ۔

مگر انصاف بھی کوئی چیز ہے میں کس شئے پر دیباچہ لکھوں۔ اس کتاب پر جسمیں میرے خیالات فکریہ ذہنیہ۔ اور تصورات بشریہ کی مورتیں ہیں۔ اور پریس ایکٹ کے

اشارہ سے۔ کنایہ سے۔ یا" اور کسی طرح" کے حکم سے ان موروں کے خط وخال چھیل دئے گئے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر ناک کان تک میں تراشیدن کا مصدر گردانا گیا ہے۔ تو لاؤ یوں لکھدوں کہ خدا پریس ایکٹ کے تیز ناخن برباد کرے۔ اسپر لارڈ ہارڈنگ کے قہر کی بجلی گرے۔ وہ شملہ کی مار میں مبتلا ہو۔ انگریز اسکو ٹھوکریں ماریں۔ ہندو مرگھٹ میں لیجائیں۔ اور مسلمان گورغریباں میں دفن کر آئیں۔

مگر میں بھی کس بھول میں ہوں۔ کسکا قانون۔ کیسی قانون دانی۔ مینے جو کچھ کہا میں جو کچھ کہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ آئندہ کہنے والا ہوں وہ کسی دوسرے کوچہ کی صدا ہے۔ یہ گوری ہستیاں ناحق ڈرتی ہیں۔ ان سے کہو آرام سے میز کرسی پر چھری کانٹا چلاؤ۔ مجذوبوں دیوانوں کی باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کہنے دو۔ جو انکے جی میں آئے کہیں۔

یہ ایک کتاب ہے جسکے موجود ہونے میں کچھ شک نہیں۔ شدید القوی نے اسکا ذخیرہ اپنے ایک بندہ کے دل میں۔ دماغ میں پیدا کیا۔ اور اسکے نحیف القوی جثہ میں حرکت ڈالی۔ تاکہ وہ ٹھٹرے ہوئے اور جمے ہوئے اجسام کو متحرک کرے۔

کیا جب ذات کی درخشانی صفاتی آفتاب ماہتاب زہرہ و مریخ مشتری وعطارد زحل وفضائے ہوائی میں ہو رہی تھی۔ جب وحیس آبی خساروں

خاکی کوہساروں اور نباتاتی گلزاروں میں اکیلی گھبرا رہی تھیں؟ نہیں بلکہ جبکہ قرآن۔ وید۔ توریت۔ انجیل۔ زبور کو انا الحق کہنے کی اجازت نہ ملی تھی جب الست بربکم کا سوال لاجواب تھا۔ جب لفظ بلے نایاب تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جبکہ وہ "خود" "بے خود" تھا۔ بود نابود تھا۔

اسوقت جبکہ وقت بھی ناپید تھا مینے ایک چیز کو دل دیا۔ میں اسپر شیدا ہوا۔ مجھکو اسنے آہ و زاری دی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اسکو

توحید

کہتے ہیں۔ واقفیت نہ تھی کہ یہ کیوں اسقدر پیاری ہے۔ میں کس غرض سے اسپر مرا جاتا ہوں .....

اور کیوں الست بربکم کے مطالبہ کا میری زبان نے بلی انت الواحد الاحد الصمد الکل جواب دیا۔ اور کیوں سب ارواح مشرکین نے جو آج مغرب میں نمایاں ہیں مجھ پر شیم شیم کے آوازے کسے۔

بائسکوپ کے بیشمار فلم بدل گئے۔ اور میں اپریل ۱۹۱۳ء کی ۱۶ تاریخ کو پھر اسی مطلوبہ حقیقی کے نام کی سمرن جپنے کیلئے ارواح سراپا کفر و طغیان کے حربوں کی نوکوں پر نمودار ہوا۔ مینے ان کی عقل و دانش کے لفظ بنا بنا کر چنے۔ اور انسے کہا۔ کیا تم سنہری بالوں اور نیلی پتلیوں کے عوض اس ابدی شعلہ رو کو دل دے سکتے ہو۔ وہ پانچ مہینہ میری بات منہ

بنا بنا کر سُنتے رہے۔ آخر اُکتا گئے۔ اور کہا "نہیں"۔
مینے قلم کو ہاتھ سے رکھدیا جسکی سیاہی خشک نہوئی تھی۔ اخباری کاغذ کو لپیٹ دیا۔ جسکی سفیدی حروف مانگتی تھی۔ مینے کہا میں اس میدان کے غافلوں کو سُنا چُکا۔ مجکو اب پھر اسی مرکز تجلی میں جانا ہی۔ جہاں جاناں ہی۔ لیکن بھیا احسان کہتے ہیں۔ پانچ مہینہ کی آہ و بکا پر ایک "نظر" درکار ہے۔ مینے ان سب کو انتخابی صدری میں دل کے پاس ٹانک دیا ہی۔ لہذا اسکے پہننے کا افتتاح یا دیباچہ تم سے ہو۔
اچھا صاحبو دیباچہ کیا۔ لفافہ پر پتہ لکھتا ہوں۔ یہ مجموعہ ہدایت ہے تقویٰ کاروں کیلئے۔ جنکا غیب پر ایمان ہے۔ جو واحد و یکتا خداوند کے آگے جُھک جاتے ہیں۔ جنکی جیب سے انکے ہم جنس حصّہ پاتے ہیں اور جو شک و شبہ اور الحاد و دہریت کی دُنیا میں آباد رہنے کے باوجود مرنے کے بعد جینے اور پرسش حساب کے قائل ہیں۔
اس کتاب میں ہر آنکھ کیلئے بینش ہے۔ ہر کان کے واسطے سُننے کی باتیں ہیں۔ اور ہر زبان انکو بول سکتی ہے۔
پانچ مہینے اخبار توحید میں جو کچھ چھپا۔ اسکا خلاصہ و انتخاب آسان کام نہ تھا۔ اور گرم رفتاریوں کو نرم نگاریاں بنانا۔ سلگتے ہوئے انگاروں میں ہاتھ ڈال کر سونے کی ڈلیاں چُننا معمولی بات نہ تھی۔ مگر دیکھتا ہوں کہ بھیا احسان

نے خوب دانش کاریاں دکھائی ہیں۔ مجکو سمیٹا ہے۔ نامہ نگاروں کو لپیٹا ہے اور ہر چیز کا ایک قاعدہ اور قرینہ بنایا ہے۔

نظم و نثر کی موزونیت ترتیب کو وہ سمجھے جو ناظم و ناثر ہو۔ یہاں تو بارہ اور بارہ چوبیس برس اس کوچہ کی ہوا نہیں لگی۔ خمار اس سے ہوا کہ بھیا نے مئے وحدت کے دور قائم کئے ہیں اور انکو شمار کی قطار میں باندھا ہے۔

کہتے ہیں یہ سیاسی مے کا دور ہے۔ یہ تمدنی شراب کا چکر ہے۔ یہ فلاں اور وہ فلاں۔ ہاں صاحب جو کچھ کیا خوب کیا۔ جو باندھتے ہو اچھا باندھتے ہو۔

اب میں کہتا ہوں اس کتاب میں میرے جسقدر لخت جگر ہیں انکو ہندوستان والوں کے جگر گوشہ بچوں تک پہنچا دو۔ یہ انہی کیلئے ہے جنکا وقت عروج آرہا ہے۔ نہ انکے لئے جنکا عروج و زوال جا رہا ہے۔ آج جنکے تم باپ ہو کل یہ دوسروں کے باپ ہونگے اور میرے اشاروں سے انکی کمر میں خدا پرستی کی پٹیاں باندھینگے اور کھینگے۔ کہنے والے نے اسیواسطے کہا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر۔ وقت کو تھام تھام کر سنایا تھا کہ مشرق مغرب کے الحاد سے بچی رہیو۔ کہ بہتری و بھلائی اقرار خدا میں ہے۔ تسلی و اطمینان دائرہ مذہب میں ہے۔

بس لوگو۔ میرا بیان بس اسیقدر ہے۔ مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ مجھے جو کچھ سنانا تھا سنا چکا۔ اپنی عقل کو سامنے لاؤ اور ہو سکے تو سب کچھ سمجھ لو۔

کیونکہ اخباری دُنیا کے سمندر سے میں نکل آیا ہوں۔ یہ جو کچھ کہا کنارے پر کھڑے ہو کر کہا۔ اب مجھکو اس رُخ کی لہروں اور موجوں میں نہ پاؤ گے۔ خدا حافظ۔ شب بخیر۔ سلام علیکم۔

حسن نظامی

۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

اس انتخاب کے متعلق بعض مبصرین کی رائیں

(۱)

ازلسان العصر وجدان الملۃ خان بہادر مولینا سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آبادی

اس مجموعہ مضامین میں بہت ایسے بیانات ہیں جو انسان کے دل کو خدا کی طرف متوجہ کریں ۔ وہ اپنے حسن آخرت کی فکر کرے اور دنیا کی غفلتوں سے بچے ۔ یہ خوبی ہے کہ بیان میں الجھن نہیں ہے ۔ اور بہت کھری زبان ہے ۔ سرسری طور پر دیکھکر میںنے یہ الفاظ لکھدئے ہیں"۔

۲۷ راکتوبر ۱۹۱۳ء اکبر از الہ آباد

(۲)

ازترجمان حقیقت پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا ۔ لاہور

زمانہ حال کے اردو لٹریچر میں خواجہ حسن نظامی کا طرز تحریر اپنی سادگی و کیفیت سوز وگداز کے اعتبار سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے بلکہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں کہ اردو لکھنے والوں میں خواجہ صاحب موصوف نے مولانا آزاد مرحوم کی طرح اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے ۔ یہ مجموعہ مضامین جسمیں خواجہ صاحب کے مضامین بھی شامل ہیں ادبی اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہے ۔

جو لوگ ادبیات کا ذوق رکھتے ہیں یا جنکا دل سوز وگداز کی لذت چشیدہ ہے وہ اس مجموعہ مضامین کے پڑھنے سے نہایت محظوظ ہونگے ۔

محمد اقبال از لاہور

۲۷ راکتوبر ۱۹۱۳ء

ریویو

از فدا کار توحید راجۂ راجایان یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شاد بہادر جی سی آئی ای سابق وزیر اعظم حضور نظام دکن

غزل

میں مست ہوں میرے لئے آرام یہی ہے　　عاشق ہوں فقط ایک کا ہاں کام یہی ہے
ملحد کوئی کہتا ہے کوئی کہتا ہے کافر　　ہر نام سے موسوم ہوں بس نام یہی ہے
واحد کا ہوں بندہ مجھے توحید سے ہے کام　　ایمان یہی ہے مرا اسلام یہی ہے
ہے زلف و رخ یار کا دن رات مجھے دھیان　　اپنا تو وظیفہ سحر و شام یہی ہے
ہے نفی و اثبات کا دن رات مجھے شغل　　آغاز یہی ہے مرا انجام یہی ہے
اسلام کے دعوے پہ یہ الحاد کی باتیں　　مومن کو وہ کافر کہے اسلام یہی ہے
دشنام سے آلودہ زباں کرتے ہیں اپنی　　بیکاروں کا اب شغل یہی کام یہی ہے
اسما و صفت میں ہے اسی ذات کا جلوہ　　عارف کیلئے مایۂ انجام یہی ہے
ساقی مئے توحید مجھے جلد پلا دے　　آسائش نیرنگئ ایام یہی ہے
کہتے ہیں جسے درد یہی میری دوا ہو　　مقصود دل عاشق ناکام یہی ہے
مسلک ہے مرا صلح موحد ہوں ازل سے　　اے شاد مرا دین یہی اسلام یہی ہے

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

میں سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانیوالا وہی ہے جسکو ہم اللہ کہتے ہیں اور مختلف زبانوں میں اسکا نام لیتے ہیں جو ایک ہی معبود اور سب کا مقصود ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اسکا ہونا ضروری ہے اور اسکا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے اور تمام صفات اسکی ذات میں موجود ہیں۔ اسکا سا کوئی نہیں نہ ہونے ہیں۔ کیونکہ ہونا اسکی ذات سے ہے وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سنتا ہے نہ کسی سننے والی چیز سے

بلکہ اپنی ذات سے ہے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے ہے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ تمام مخلوقات کا وہی خالق ہے اور تمام مخلوقات کا وہی عالم ہے سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ نہ اسکا کوئی مشابہ ہے نہ مصاحب اور نہ مددگار نہ اسکی مانند کوئی ہے نہ اسکا کوئی شریک ہے نہ وجوب وجود میں اور نہ استحقاق عبادت میں الآن کما کان لا یغیر فی ذاته وصفاته محدث الالوان والاکوان۔

فھذا اعتقادی باللہ الواحد الاحد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً احد۔

اسی کا نام توحید ہے اور اسپر اعتقاد رکھنے والا موحد صاحب دین کا یہی رکن اور ایمان کی یہی کلید ہے۔ یہی ظاہر کا کچھ باطن کا قبلہ یہی شریعت کی ابتدا اور طریقت کی جان معرفت کی پہچان حقیقت کی نردبان ہے۔ یہی ثمرۂ دنیا اور نتیجہ آخرت ہے اور اسی کی انتہائی بیسمع وبی یبصر کا فلسفہ ہے فعال صفات ذات حقیقت۔ انفسی۔ آفاقی۔ اسمائی۔ صفاتی۔ تمثیلی۔ شیونانی۔ شہودی۔ وجودی۔ تنزیہی اسی ایک ذات کے جلوے ہیں۔ ہر جلوہ میں اسی کا نور اسی نور میں عشق۔ عشق میں نار۔ نار میں سوز۔ سوز میں گداز ہے اور اسی دین میں جب سرمستی اور بیخودی ہو جاتی ہے تو بے اختیار یہ کہنا پڑتا ہے۔ ؎

نیست گشتم من ز ہستی ہائے تو　　من بروں رفتم دروں شد جائے تو

وحدہٗ لا الٰہ الا ہو

اسی نام (توحید) کی ایک کتاب میرے زیر ریویو ہے۔ اصل میں یہ کتاب اخبار توحید کے ان اچھوتے اور پاکیزہ مضامین کا مجموعہ ہے جو ہمارے محترم اور واجب التعظیم کرم فرما روحانی چمن کے ہمصفیر حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی مدظلہٗ نے اپنی جادو بیانی۔ پاکیزہ خیالی۔ انوکھی بندش وسعت نظری کا نمونہ دکھا کر اسمیں ایسی حیثیت پیدا کر دی ہے کہ آنکھوں اور دلوں پر قبضہ کر لینا اسکا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی تحریر میں درد ہے کہ دردمندوں کو تڑپا دے اور نہ صرف سوز ہے کہ خستہ جگروں کو جلا دے۔ بلکہ درد عشق کا پتا دیتا ہے۔ اور سوز آتش عشق کو چمکا دیتا ہے اور اسکے ساتھ ہی شوخی اور چلبلاپن متانت اور سنجیدگی کا پہلو لئے ہوئے دل مضطر کو تڑپا دیتا ہے اور وہ اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر کسی قسم کا نقص ہو بھی تو کوئی ہزار غور کرے مگر وہاں تک نظر پہنچ ہی نہیں سکتی۔ نہ شاید خواجہ صاحب کا یہ دعوی ہوگا اور نہ میں تسلیم کروں گا کہ وہ عیوب سے بالکل پاک ہیں اسلئے کہ بندگی کا طوق ہم دونوں کے گلوں میں پڑا ہوا ہے اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی خبر دیتا ہے اللہ اللہ۔

مگر ہم میں اور ان میں صرف فرق اسقدر ہے کہ وہ ہماری غلطیوں کو پا جاتے ہیں اور ہم انکی غلطیوں کو نہیں پاتے یہ کیفیت اس متوالے بن کی ہے جو خمخانہ وحدت کی شراب کی مستی ازلی ہے جس نشہ کو خمار نہیں۔ اور جسکی مستی ہمیشہ

زندگی اور بعد ترک وجود اور تغیر کالبد کے بھی باقی رہیگی۔
عاشق مزاج مصنف نے اپنے کلام کو پُر اثر بنانیکے لئے جو طریقہ خوشگوار مذاق کلام کا اختیار کیا ہی۔ اسکا فقرہ فقرہ ہر شخص کے دل پر نشتر کا کام کرتا ہی اور مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے مصنف کی نظر وحدت کے مناظر میں اسقدر عمیق ہی کہ جو بات لکھتا ہے وہ فطرت انسانی کے مطابق ہوتی ہی اور ایسے اندازہ سے لکھتا ہی کہ اسکا اثر براہ راست دل پر اپنی روشنی ڈالکر ہر قسم کی تحسین و تعریف کا مستحق ہوتا ہی معمولی سی معمولی روزمرہ کی باتوں سی ایسا عمدہ اور نتیجہ خیز پہلو نکالا ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ موحد مصنف کی اس طرز بیان میں یہ کوشش پائی جاتی ہی کہ جو کچھ دل میں ہو وہی دوسروں کے دل میں پڑے دل سی نکلے اور دل میں بیٹھے۔ شوخ طبیعت مصنف نے اپنی زبان دانی کی قوت و قدرت پر غیر زبان کا لفظ اگر کہیں ملا لیا ہی تو اسکی مثال بعینہ ایسی ہی جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچی کاری ہی۔ اگرچہ وہ دوسرا پتھر ہے مگر ایسا وصل ہوا ہی کہ غور سے دیکھنے پر بھی جُڑا ہوا نہیں معلوم ہوتا اسی میں سے پیدا معلوم ہوتا ہے
اس کتاب کے دو حصہ ہیں۔ حصہ اوّل میں "مے وحدت کے نو دور" اور ہر دور میں ایک سبجکٹ کا ساغر ہر ساغر میں مختلف قسم کے مضامین کی دل و دماغ کو مست کردینے والی اور خیالات کو وجد میں لانیوالی معرفت کی شراب پلائی ہی۔ حصہ دوم میں مختلف قادر الکلام شعراء کے نثر و نظم کا مجموعہ ہے جو پہلے حصہ کا نقش ثانی ہے
مثلاً حصہ اول میں "مے وحدت کا پہلا دور" اسکے نیچے راز و نیاز اور اسکے نیچے "بھگت کے بس میں آ بھگوان" کے ذیل میں لکھتے ہیں "موسےٰ کے زمانہ کا چرواہا ہوتا۔ تجھکو اپنے گھر بلاتا۔ پاؤں دباتا سر دھلاتا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا دودھ پلا۔ تو سوتا تو پنکھا جھلتا۔ تو سنتا تو گانا سناتا۔ روتا رُلاتا۔ جاتا تو روکتا۔ پیروں پڑتا۔ ہاتھ جوڑتا۔ داتا تو کہاں ہی۔ میرے من کی بپتا کے دکھیں ہار۔ مولی مولی سُن۔ اُلجھنوں میں ہوں" لکھتے لکھتے ہمہ اوست کی لفظوں میں تصویر دکھاتے ہیں کہ "پھول بھی تو۔ خار بھی تیرا۔ نور بھی تیرا۔ نار بھی تیری۔ آنکھیں میری سب کچھ تیرا۔ اور تن کے اندر ڈیرا تیرا۔ بس میں آ بھگوان"۔ اس مضمون کے خاتمے میں لکھتے ہیں۔
"سر ہے حاضر کھینچے کٹاری۔ عشق کی اگنی جتا ہماری۔ ست پکاریں۔ ست بن جائیں۔ جز کو تیاگیں۔ کل ہو جائیں یثرب پہنچیں۔ مکہ دیکھیں۔ بیچ سمندر جھنڈا گاڑیں۔ مہدی باپو گونجیں گرجیں۔ اُنکے آگے چلکر گرائیں"۔ تو ہو بس میں۔ سب ہوں بس میں۔ حسن نظامی کس کا بندا؟ وقت کٹھن ہی اٹکا پھندا۔ تیرے نام کو پرنام۔ یا ذا العزۃ والجبروت والاکرام۔ تو اگر عہد وفا باندھ کے میرا ہو جائے ✝ گورے ملکوں کے اُجالوں میں اندھیرا ہو جائے ✝
حروف کی دعا۔ الف تو آگے بڑھ اور کُن کہنے والے داتا کے سامنے ہمارا وکیل بن۔ کیونکہ تو بھی ایک دیکھتا ہی نقطہ و پہلو سے پاک ہی۔ اور ہمارا مخاطب خدا بھی وحدہ لاشریک اور غیریت سے پاکیزہ ہی۔ اس مضمون کے آخر میں

لکھتے ہیں۔ "آؤ حرفو! اخبار توحید کے قرطاس ابدی پر صف آرا ہوں۔ عین کی توپ سے غین پر گولہ باری کریں تاکہ غیر فنا ہو جائے اور وحدت کو مقام بقا حاصل ہو۔

موسمی تین دعاؤں میں۔ عبدیت کے راز و نیاز پر جس خلوص کے ساتھ بیماروں کی شفا۔ بے اولادوں کو اولاد۔ بے روزگاروں کو روزگار۔ بیقراروں کو قرار۔ امتحان دینے والوں کو کامیابی۔ مقدمہ والوں کو فتحیابی۔ مقروضوں کو سبکدوشی۔ وغیرہ کی دعا کرتے ہوئے علیگڈھ کالج۔ ندوۃ العلما۔ ہندو مسلمانوں میں اتحاد۔ لارڈ ہارڈنگ کی سلامتی۔ اخباری برادری ہیں۔ اتفاق کی خیر منانے میں جو زور طبیعت دکھایا ہے وہ ایک موحد کی روحانی نیکی اور قلبی روشنی کا پورا اور سچا جلوہ ہے۔

آنسو بھری آنکھ کی التجا۔ خواجہ اجمیر کے آستان پر جو ستائے حاجتمندوں کو آنکھ نے دیکھا ہے انکی بیقراری پر متاثر ہو کر خدا سے نہایت مؤثر الفاظ میں کامیابی کی دعا کی ہے۔

جھولی والے فقیر کی بھیک۔ رمضان المبارک کے مہینے میں معرفت میں ڈوبا ہوا ایک بندہ شب قدر کے ملنے کی آرزو نہیں کرتا۔ بلکہ خالق شب قدر کے ملنے کی آرزو کو ایسے مؤثر پیرایہ میں ادا کرتا ہے کہ عبد و معبود کے راز و نیاز کا حقیقی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس مضمون کے اخیر میں ایک فقیرانہ صدا کرتا ہے میری جھولی بھر دے۔ میرا آنچل بھر دے + تیری جنت کی خیر۔ اسکی فرحت کی خیر۔ شاخ طوبا کی خیر۔ حور حمرا کی خیر۔ ٹھنڈی نہروں کی خیر۔ اجلی لہروں کی خیر۔ تیرے جلوے کی خیر۔ دید لیلے کی خیر + میری جھولی بھر دے۔ میرا آنچل بھر دے + اس صدا میں دوزخ۔ برزخ۔ آتشیں۔ طوق۔ شعلے۔ قہر۔ طیش۔ گرز۔ کرسی۔ عرش۔ لوح۔ نقش ہستی۔ وغیرہ۔ ہر چیز کی سلامتی چاہتا ہے۔ اور راضی برضا رہنے کا ثبوت دیتا ہے۔

مے وحدت کا دوسرا دور۔ ذوق و شوق۔ مدنی شیام سُندر کی مُرلی۔

شیام نے مُرلی بجائی کس طرح۔ مچلتی گھر گھر دہائی کس طرح + ہر کی مرلی ہر کے اندر باجتی + ہر کی ہے ہر سے رسائی کس طرح

دو زلفوں والے پریتم پیارے۔ یثرب باشی۔ موہن کنھیا کی بانسری کے بہاری۔ حجازی پربت میں کھڑے ہو کر ایسی بجائی کہ جنم جنم کے دکھ کلیش ہو گئے۔ روح۔ آتما۔ جیو۔ جسم۔ سر ریسب کو سرشار و پر کیف بنا دیا" معرفت کی شراب کے متوالے مصنف کی جدت پسند طبیعت نے فنا فی الرسول کے نشہ میں۔ ہندی لفاظ کے موتیوں کا حسن بیان کو زیور پہنا کر اس مختصر مضمون کی سادگی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

آیار چلکے دیکھیں برسات کا تماشا۔ اس مضمون میں والضحی۔ واللیل۔ والرعد۔ والبرق۔ چمک۔ کڑک اور گھنگور گھٹاؤں کی قسم کھا کر برسات کے آنے کی خبر دی ہے۔ اور اپنے حقیقی معشوق کی یاد میں تماشائیان برسات کو بندۂ حرص و ہوا اسیر مجاز بتا کر پیاسی من کی قسم۔ گرمی اور گھمس کی قسم۔ دھوپ اور لو کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ افق حجاز پر ایک بادل نظر آتا ہے جو شاید گرج

رہا ہی۔ اور ادھر کو بڑھ رہا ہے حیات و ممات کے کرشمے دیکھنے کے بعد نتیجہ نکالا ہی کہ سب ملکے بزرگ گھر بار کا تماشا ہم ہیں بالک ایک پتا کے۔ موحد مصنف اس مضمون میں حضرت رسول کو اپنا اور ساری امت کا حقیقی باپ قرار دیکر حضرت کا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت کرتا ہی۔

عیدگاہ ما غریباں کوی تو۔ مدنی محبوب کے ابرو کے خم اور رخسار کی رنگت کی تشبیہ کو نہایت عمدہ اور لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

اجمیری پہاڑ کا بولنا۔ شوخ طبیعت مصنف نے اپنی جدت پسندی سے کام لیکر اجمیر کے اونچے پہاڑ کا ہندوستانیوں سے بزبان حال خطاب کرنا اور طور۔ جودی۔ بیت المقدس وغیرہ پہاڑوں کو اپنا ہمجنس ہونا بیان کرکے خواجہ اجمیر کی وجہ سے اپنی قدر و منزلت کو ظاہر کیا ہی۔ نہایت لطیف پیرایہ ہی۔ اس وادی ایمن کا دیوانہ مدہوش بیخود سرشار شاد خود فراموش یوں اپنی بڑ مارتا ہے۔

"ای میرے کنہیا پیارے عثمان کے راج دولارے کیا تجھے تعین کہوں یا لاتعین۔ اگر تعین ہے تو کس لاتعین سے تیری خلقت ہوئی۔ اور کس ذات کے نور میں تو جا کر ایک ذات ہوا جاتا ہے۔ بھوٹا تو کس سمندر میں ملا۔ اور وہ سمندر کہاں ہی۔ گیا تو کہاں گیا۔ آیا تھا تو کہاں سے آیا تھا۔ ہاں میرے گھونگر والے سیاں کہیں گیا نہ کہیں سے آیا سنریھم ایاتنا فی الافاق و فی انفسھم اولا یبصرون کہوں یا کل یوم ھو فی شان کی مرلی بجاؤں۔ یا کل شی ھالک الا وجھہ کا نغمہ گاؤں یا فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کی صدا لگاؤں۔ ہاں میرے بے نیاز یثرب کی صورت والے خواجہ کی مورت والے عثمان کی سیرت والے پھر تجھے خواجہ ہی کے تعین میں پکارنا اور سجدہ کرنا کیوں گناہ ٹھہرا۔ نہیں نہیں۔ گناہ نہیں۔ یہی قبلہ ہی یہی کعبہ ہے اسکو سجدہ روا ہے

پنڈت سنکلپ روپ کہتے ہیں اور ویدانتی باعتبار ہر سنکلپ روپ۔ اور بصورت جسم فنا کا پردہ ڈالدیتے ہیں اور بہت سے روح کو بقا کا وجود بنا دیتے ہیں۔ ای میرے سائیں شادی کے داتا۔ تجھ پر نام ہی کیا تجھے اگیانی بنکر بھید آتما کہوں۔ یا گیانی بنکر پرم آتما پکاروں۔ اے میرے سنجر والے من باسی تیری جھلک سب میں تو سب میں سب تجھ میں۔ تو سرب بیاپک ہی۔ تیرے بے انتہا نام ہیں۔ تیرے ان گنت گن ہیں۔ میں او گنی ہوں تیری مایا پرم پار ہے تو ہی خلوت میں تو جلوت میں۔ تو ہی خلوت در انجمن میں تو ہی ہر ہر گھٹ اور سب تجھ میں۔ گیان دھیان سب کا دہنی تجھکو نمشکار کرتا ہوں۔ تو ہی سارے اوصاف میں محمود اور استحقاق عبودیت میں احد ہی۔ اسلئے کہنے والے نے ادب کیا اور ہاتھ جوڑا سر موڑا کر اپنے آپ کو پہچان کر دبی زبان سے کہا انما انا بشر مثلکم ای میرے بانکے نکیلے چھبیلے سلونے پیا میری باتوں کو سنکر لوگ مجھے بھی تیرا چرواہا سمجھکر ڈراتے ہیں۔ ادب ادب ادب کہکر پکارتے ہیں اسلئے میں چپ تو نہیں رہتا۔ مگر ڈرکر اتنا کہتا ہوں کہ تو مقصود علم میں مقدم مگر ظہور میں مؤخر ہے تخم ریزی سے پہلے ثمر منظر ہی بعد ظہور شجر ہے اور باقی سب اجمال۔ اس سے تیری اولیت ثابت تیری آخرت برقرار۔ تیرا ظاہر ہونا ثابت تیرا باطن ہونا یقین۔ خفا میں ظہور ظہور میں خفا۔ اس سے زیادہ کیا کہوں برملا ؎

پھر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

حلقہ بگوش کا قلمی نذرانہ - اس مضمون میں اخبار توحید اور خواجہ نمبر کی اشاعت اور ترقی کی نہایت مؤثر اور لطیف پیرایہ میں خواجہ صاحب سے اعانت چاہی ہے -

مئے وحدت کا تیسرا دور - سوز گداز - اچھے بابل کیا لاڈلی بیٹی کو بھول گئے - اس کی سسرال سے مدنی میکہ کو ایک خط - بال بدھوا - چودھویں سال میں بیوہ ہو جانیوالی دُکھیا اُمتا کے چاہنے والے پتا - باوا جان - امت تم پر قربان - آپ کی بدنصیب رانڈ امتا - پردیس میں بیکس بے بس پڑی ہے کوئی پرساں حال نہیں کیا آپ اپنی لاڈلی بیٹی کو بھول گئے" یہ ایک خط ہے جسکا پیرایہ بالکل اچھوتا اور طرز انوکھا ہے اپنی بیوگی کو بیان کرتے ہوئے نکاح ثانی کی خواہش میں ایک شرعی مسئلہ کو ایسے عمدہ لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں -

اچھے بابل میرا بیاہ رچا دو - اچھے بابل مجھے مہندی لگا دو - اچھے بابل میرا منڈھا چھوا دو سب پربتوں کے بانس کٹوا دو - سب باغوں کے پھول پتے منگواؤ - مجھے سہاگ کی چوڑیاں پہناؤ - اپنی لاڈلی کو بھول بجاؤ وہ تم ہی پر آسرا رکھتی ہے - کاگا ؟ میرا سندیسا مدینہ نگری پہنچا دے - بھونرے کلیوں کے رس کو چھوڑ اور ذرا میرے من کی بپتا باوا جان تک لیجا - نسیم سحری میرے نامراد گھر میں کیوں چلی آتی ہے یہاں سب پھول مرجھائے ہوئے ہیں اُلٹے قدم جا اور طائف کے چمن والوں کو یہاں کی خزاں کاریاں سُنا دے - بجلی کے تارو ! اگر تم میرے ہمدم جا سکو تو مائی ڈیر فادر کو میری خبر دیدینا -

تاراج ترکی کا سہرا - صاحب معراج کے آستانہ پر - ایک بیوہ بیکس جسکا باپ بھائی خاوند اور چار بیٹے میدان جہاد میں کام آئے - گود میں صرف ایک لڑکی کو لئے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہو کر ان دردناک اور مؤثر الفاظ میں دادخواہ ہے جسکے پڑھنے سُننے اور دیکھنے سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے -

بگ نائٹ ٹو نائٹ " آسمانی عدالت کھلیلی سال بھر کا بجٹ پاس ہوگا" موحد مصنف نے اس مضمون میں چودھویں شعبان المعظم کی شب قدر کا جلوہ دکھا کر ایک عجیب پیرایہ سے مشہد مقدس تبریز - مراکو - طرابلس بلقان کے مظلوموں کی آسمانی عدالت میں دادخواہانہ روبکاری کرنے مضمون کو مرثیہ کی رنگ میں لکھا ہے اور معرکہ کربلا کی تصویر دکھائی ہے - تبریزی یتیم کا بیان مراکشی سید حمدہ عرب شہید کی بیوہ - پانچ ہزار عورتوں کی سوختہ لاشیں - زندہ مدفون بچے بجائے خود ایک مرثیہ ہے اسکے بعد حیات و ممات کا سالانہ بجٹ اور حاکم قضا و قدر کے مستقل و ناتغیر پذیر حکم کی وقعت دکھا کر صلائے عام دیا ہے کہ کوئی ہے اس زمین کی بستی میں جو اپنے ہاتھوں کو اُٹھائے اور کھُلے ہوئے بخشنے والے دربار سے کچھ مانگے - سرکار اقدس جاگنے والی آنکھ کو مقبول کرینگے - وحدت مآب بہنے والے آنسو کو نوازینگے - اور جو مجاز و تعین سے اونچے مقام پر ہیں تقرب و وصال کے آرزومند ہیں عبد بنکر معبود کو لینا - پانا - اور اسمیں ملجانا چاہتے ہیں وہ بھی دیدہ دیدار طلب کو کھولیں اور تجلی رب کا انتظار کریں یہ شب انکے لئے بھی ایک نعمت ہے -

کانپوری شہید کے گھر میں پہلی رات - کانپور کی خونی داستان سے ایک چشم دید واقعہ کا اظہار کیا ہے جو نہایت درد آمیز مگر لطیف پیرایہ میں ہے

مئے وحدت کا چوتھا دور۔ سر دلبراں در حدیث دیگراں۔ عشق کی خیالی داستان میں خاکی جام کے عنوان سے فنا کے بعد بقا کا ایک ایسا اچھوتا اور لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے جو تناسخ کے مسئلہ کی ایک دلیل تسلیم کی جا سکتی ہے۔

پھولوں کے شکوے۔ "قسمت تقدیر کی شکایتیں" میرٹھ کی نوچندی میں عارف حق مصنف نے ایک طرف بجھو لونی کی نمائش دیکھ کر نوکری کے پھول کی زبانی حقیقت عرفان کا نتیجہ نکالا ہے اور دوسری طرف پھلوں کے باطن کا اہل نظر کو منظر دکھا کر ظاہر و باطن میں فرق پیدا کیا ہے۔

ہولناک لیکچر۔ لائق اور ہمہ داں مصنف نے اس مضمون میں اپنی جدت پسندی اور بلند پروازی سے چار چاند لگا دئے ہیں جمادی الاول کی آخری رات کا چاند بزبان حال اپنی ستاروں کی فوج کو استقلال کی ہدایتیں کرتے ہوئے کہتا ہے "تمہارا کمانڈر غروب ہوتا ہے۔ تمہارا سردار تلوار میان میں کرتا ہے۔ تنہائی میں ہمت نہ ہارنا۔ ظلمت شب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔ وہ دیو ہیکل ہے تم نازک اندام ہو۔ ڈر نہ جانا۔ سیاہ باطن کور دیدہ کا فتح کر لینا دشوار نہیں۔ جب تاریکی کے لشکر سمندروں پہاڑوں اور زمین کے غاروں سے نکلکر آسمانوں کے کناروں پر حملہ آور ہوں تو مریخ اپنا منور دستہ لیکر میمنہ کو سنبھالے مشتری میسرہ کو روکے۔ زحل قلب میں جم جائے۔ زہرہ عطارد کمسریٹ کی نگرانی کریں۔ باقی نفر کمینگاہوں میں لگے رہیں۔ شہاب ثاقب کی سرچ لائٹ سے دیکھ بھال رکھنا۔ بیچری بُری بلا ہے اور اسکے بعد فائر ہو۔ نورانی گولے اندھیروں پر برسائے جائیں۔ شعاع کی سنگینیں چلیں۔ کرنوں کی گولیاں سن سن کرتی نکلیں جب غنیم کا پاؤں ڈگمگائے شکست کے آثار نمودار ہوں۔ سب سپاہی چمکیں دمکیں اور ایک آخری حملہ کرکے اسکا کام تمام کردیں۔

خدائی پستول۔ "محمود شوکت کیوں مارے گئے" پستول کی معرفت موت کی تصویر بے مثل طریقہ سے دکھائی گئی ہے۔

دوربین اور مکاشفات غیب۔ دوربین کی دوربینی سے کشف غیب کی حقیقت کو عمدہ اور لطیف پیرایہ میں دکھایا گیا ہے۔

گم اور اسکی نمود۔ "غم و الم کا سچا فسانہ" اس مضمون میں کُن اور گم سے بحث کی ہے اور بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی گرفتاری کے بعد شاہزادگان مغلیہ سے ایک شاہزادہ اور شاہزادی کی غم بھری داستان ایک درد آمیز اور لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے لفظ گم پر روشنی ڈالی ہے کہ گم کیا چیز ہے اور عالم تعین اور مثال میں اسکی کیا شان ہے مصنف کی خداداد زور طبیعت کا مدلل دعوی ہے۔

گلاب تمہارا کیکر ہمارا۔ ان سب شاعروں کو سامنے سے ہٹاؤ جو گلاب کے پھول پر مرتے ہیں۔ سیکڑوں برس سے ایک ہی چہرے کے طلبگار ہیں یہ سب لکیر کے فقیر ہیں۔ مقلد ہیں۔ سنی سنائی تقلیدی باتوں پر جان دیتے ہیں۔ میں کچھ اور دیکھتا ہوں۔ میری آنکھ اور ہی جو ان سب سے اونچی ہے۔ اس مضمون میں کیکر کے پھول کو گلاب کے پھول پر ترجیح دیکر وجود کے تخیلات کی درستی سے فطرت شناسی کا جوہر الفاظ میں دکھایا ہے جو بالکل اچھوتا ہے۔

رمضان میں سیاہ سفید ڈوری کی رہنمائی۔ اس مضمون میں خدا پرست مصنف نے خط ابیض خیط اسود پر بحث کرتے ہوئے مجازی حیثیت سے صبح کاذب اور صبح صادق کو محض وقت سحری معلوم کرنے کے لئے چشم حقیقت بیں کو قدرت کے ہزاروں جلوے دکھائے

ہیں۔ دُنیا کے حریص بادشاہوں اور امیروں کو متنبہ کیا ہے کہ اپنی طمع کاریوں کو چھوڑ دیں اور پچھلی رات بیدار ہو کر کالے سفید ڈوروں کی بہار دیکھیں کہ کیونکر رات کی تاریکی میں سپیدئ صبح دار ہوتی ہے اور اس ظہور کے وقت دل کو اگر اسمیں حسن کی لذت آتی ہے گیان کیتھا۔ موجودات عالم میں قدرت کے کرشمہ کاریوں کو نہایت پاکیزہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

ہردواری گنگا کے کنارے چنتامن مورتی۔ موحدانہ پیرایہ میں ایک فقیر چنتامن کے کشف حقیقت کا واقعہ۔

مئے وحدت کا پانچواں دور۔ مقام عبرت۔ نزع کی بیقراری۔ نہایت موثر پیرایہ میں شاہ و گدا کو فنا کر دینے والی موت کی تصویر کھینچی ہے۔

ترک دولھا دلہن کی شہادت۔ اڈریانوپل کے ہنگامہ میں شادی کے دن دولھا دلہن کی داد شجاعت دیکر شہادت پانیکو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

سکرات موت کی ہچکیاں۔ محمد شاہ بادشاہ کی حرم گل خانم کی وفات کا سچا واقعہ بیان کر کے آگاہ کیا ہے کہ یہ وقت سب کو پیش آنا ہے اُس سے غافل نہ رہو گناہوں سے توبہ کرو اور اُس زندگی کا اسباب راحت خرید و جہاں موت نہیں ہے۔

قبر کی اشرفیاں۔ ایک مالدار بخیل کے حلوے کے اندر اشرفیاں کھلا کر مر جانے اور کسی کفن چور کا قبر کھود کر اشرفی کو ہاتھ لگا کر تین دن کے اندر مرجانا نہایت دلکش اور عبرتناک طریقہ سے بیان کیا ہے منعموں اور دولتمندوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔

بے چین مُردہ۔ ماں اور بیوی کو تکلیف دینے والے شہزادہ پر عذاب قبر کی کیفیت کو ایک شخص کے چشمدید بیان سے لکھا ہے۔ اُن بے ادبوں کیلئے تازیانہ ہے جنکے فسانے ابھی تک بعض وقت سُنے جاتے ہیں۔

اہل آسمان نے مجھ سے کہا۔ علاء الدین خلجی۔ غیاث الدین بلبن وغیرہ سلاطین دہلی کے واقعات مرگ پر عبرتناک پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے۔ مذاق اور سمجھ پر موقوف ہے۔

دوسرا پان۔ اڈریانوپل کی فتح پر اظہار شادمانی۔

بہادر شاہ کی پہلی عید رنگون میں۔ یہ وہ عبرتناک کہانی ہے کہ سنگدل کو بھی رُلا دے۔ اللہ اللہ کونسا دل ایسا ہوگا جو اسکو پڑھکر نہ پسیجتا ہوگا اور قدرت کی بوقلمونی کا سبق حاصل نہ کرتا ہوگا۔

مئے وحدت کا چھٹا دور۔ سیاست۔ معاشرت۔ تمدن۔ "چمار زادہ سید کی گود میں" بندگان خدا سب برابر ہیں۔ اسکو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ مذاق باطنی ہو تو زیادہ لطف دیگا۔

روس ہوس خون آشامی سے باز آئے۔ خودنمائی کی حرص میں انسان کا اسرار نعمت کو تیغ و نگین پر ظاہر کر کے عرفان خودی کیلئے نمودار ہونا۔ امن عامہ کی ہدایت۔

جیبی گھڑی کی سازش۔ غلطی یہ ہوئی کہ گھڑی کو بائیں طرف کی جیب میں رکھا وہاں اس شریر چھوٹی کھوٹی فتنی نے میرے دل کو بہکا لیا صحبت کا اثر مشہور ہے دل آخر گوشت کا لوتھڑا تھا گھڑی کے چلتے پُرزوں سے کیونکر بچ سکتا گھڑی نے جیب میں ٹہل ٹہل کر دیکھا تو پاس ہی ایک دھڑکنے والی آواز سُنی اسکو معلوم ہوا کہ یہاں قریب میں کوئی بیقرار چیز ٹھیری ہوئی ہے اسلئے اُسنے کہا تم کون ہو کیا تم بغیر انٹروڈیوس اور تعارف کے بات کر سکتے ہو!
دل اسوقت ذکر خدا کر رہا تھا مرشد کا بتایا ہوا پاس انفاس اسکو پاس تھا۔ اسکو کسی غیر سے مخاطب ہونیکی اجازت نہ تھی نہ یاد الہی

کے سرور و لطف میں وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہونا پسند کرتا تھا۔ مگر نئے مہمان کی خاطر سے اسنے اتنا کہا میں دل ہوں سینہ کے حجرہ میں مدت سے رہتا ہوں آپ کب تشریف لائیں میرے قابل کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔ اس مضمون میں آجکل کی بے پردگی پر نظر ڈالی ہے اور بہت دلکش طریقہ سے ادا کیا ہے اور پردے پردے میں کنایہ کو صراحت سے زیادہ وقعت دی ہے۔

متوالی آنکھ میری بندوق کی۔ چہرہ پر فقط ایک ہی آنکھ مگر مست بھری۔ ایسی کٹیلی جسکو نظر بھر کے دیکھ لے وہ کلیجہ تھام کے رہ جائے۔ جب میں اسکو گلے لگاتا تھا تو شرما کر دوسری طرف منہ کر لیتی ہے اور اسوقت اگر کوئی اسکے سامنے آتا ہے تو آنے نہیں دیتی تاکہ راز خلوت فاش نہو۔ جدت پسند مصنف نے اس مضمون میں بندوق کی نشانہ کو بیان کرتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ بندوق ہمارے جبار قہار خدا کی صفت جلالی کا ایک ظہور ہے تو پھر خدا کی ذات کو اپنا بنالیں تاکہ یہ صفت خود بخود اپنی ہو جائے۔

پیاسا ہندوستان اور اسکی سوکھی زبان۔ ہند کی حالت پر متاثر ہو کر صنعت و تجارت کی رغبت دلائی ہے۔

چھکڑا کاڈی کی گاڑی۔ چھکڑا کاڈی کی گاڑی۔ اپنی دولت کو دوسروں کی فائدہ رسانی میں خرچ کرنیکی نصیحت۔

پسینہ۔ اس مضمون میں پسینہ کے فوائد کو نتیجہ خیز پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

پاؤں کا جیلخانہ۔ لوگو میں ایک آزاد جنٹلمین کا پاؤں ہوں مجھ کو روز صبح کیوقت غسل دیا جاتا ہے اسکے بعد سوتی یا اونی یا ریشمی قبا پہنائی جاتی ہے جسکو جراب کہتے ہیں لیکن جب مجھکو بوٹ کے جیلخانہ میں ڈالا جاتا ہے تو بہت پریشان ہوتا ہوں نتیجہ خیز مضمون ہے۔

سوئی کی لن ترانی۔ کون کہتا ہے انگریز ہندوستان کے بادشاہ ہیں ملک میرا ہے اسکے رہنے والے میری رعایا ہیں آئندہ کوئی شخص میرے سوا کسی کو یہاں کا تاجدار کبھی نہ سمجھے۔ ورنہ سزا دیجائیگی کیونکہ تاج میرا۔ کاج میرا۔ راج میرا۔ جدت پسند مصنف نے سوئی کی زبانی کالوں اور گوروں کو اسکا محتاج بنایا ہے۔

فٹ بال۔ فٹ بال کی وردی اور جوتہ ملک کی دولت کو برباد کرتا ہے لہذا ایسا کھیل اچھا نہیں۔

ہاتھ کی بغاوت "سالن کی آزادی"۔ میرا ہاتھ سالن کی پیالی میں نہیں جانا چاہتا کہتا ہے پیالی کی اونچی اونچی دیواروں سے دم گھٹتا ہے شوربے اور بوٹی قتلے کے قیدخانہ میں نہیں جاؤنگا۔ لطیفہ کا لطیفہ مضمون کا مضمون۔

پیاسے گلے پر چھری "حاملہ کا قتل" مسلمان کہتے ہیں بلغاریوں اور سرویوں نے ترکی عورتوں کو اُنکے بچوں کے سامنے قتل کیا۔ انگریز کہتے ہیں غدر میں ہندوستانیوں نے اُنکے ساتھ یہی سلوک کیا۔ مصنف نے اس مقام پر بکری کے ذبح کرنیکی ایسے درد میں بھرے ہوئے مؤثر الفاظ میں عبرتناک اور معنی خیز تصویر کھینچی ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں۔

ایک بڑی ہندوستانی کی گرفتاری اور جلاوطن کرنیکی تیاری۔ میرا نام دانۂ گندم ہے۔ مئی کے مہینہ میں گھر سے نکلا کہ کچھ ہندوستان کے کام آؤں۔ مگر باہر کے ملک والے تاجر مجھکو قید کر کے اپنے وطن کو لئے جاتے ہیں۔ نتیجہ خیز مضمون ہے۔

ایک بڑی آندھی۔ دیکھنا کمروں کے کواڑ بند کرنا۔ بڑے زور کی آندھی آتی ہے۔ حقیقت کے پہچاننے والے مصنف نے اس آندھی کے فوائد بتاکر قیامت کی آندھی کا ذکر کیا ہے جسمیں بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھرینگے۔

فقیروں کی عید۔ امیر و غریب قومی تہواروں میں سب برابر ہیں۔

ٹراموئی کے پہیہ کا بیان - میں آہنی پہیہ ولد مشین ولایت ساکن ٹرام آفس صدر بازار دہلی عمر ۵ سال - فلک گردش آب کے حافظ اور اپنے خالق کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں مسٹر جی جی - گریفن جنرل منیجر کو جانتا ہوں وہ محنتی مستعد اور اپنے فرض کے پکے آدمی ہیں وہ میری خوراک تیل کی کافی خبرداری رکھتے ہیں -

سوال - تم نے آجتک کتنے آدمیوں کا خون کیا -

جواب - حضور میں غریب لوہا ہوں مجھکو بجلی چین نہیں لینے دیتی - صبح کے چھ بجے سے رات کے دس گیارہ بجے تک گردش میں رکھتی ہے - مجھے کیا خبر خون کسکو کہتے ہیں - برسات میں دہلی کی کیچڑ بہت ستاتی ہے -

سوال - تم سے جو کچھ سوال کیا جائے اسکا جواب دو - ہم دریافت کرتے ہیں تم نے دہلی کے کتنے باشندوں کو جان سے مارا ؟

جواب - میں نے کسی کو نہیں مارا - خلقت خود بخود مر جاتی ہے ملک میں افلاس اور پریشانی زیادہ ہے، جن غریب لوگوں کو شہر میں رہنے کے لئے مکان نہیں ملتے وہ قبرستان اور مرگھٹ میں آرام کرنیکی غرض سے خواہ مخواہ میرے سامنے آجاتی ہے نتیجہ خیز ظرافت ہے -

مے وحدت کا ساتواں دور - تعلیم و تلقین - اللہ ایک ہے - خدا کی بزرگواری اور قہاری کا پردہ اُٹھایا -

تاش کا اکہ - وحدت پرستی کا اعلی درجہ کا مضمون -

ہیرا من طوطا - حور کی گڑیا - نیم کے پھول - نتیجہ خیز مضمون ہیں -

سگرٹ - خدا کیلئے اس لڑکے کو منع کرو سگرٹ پیتا ہے -

بن ماں باپ کا غریب بچہ - اور اسکی بھولی بھولی باتیں - میری اماں بھی مر گئیں - ابا بھی کہیں چلے گئے میری بڑی آپا سویرے میرا مُنہ دُھلاتی ہیں - کیا خوب مضمون لکھا ہے سبحان اللہ -

یتیم - نصیحت سے بھرا ہوا مضمون -

گیند بلا ہو چکا - اب دین کی باتیں کرو - پنجگانہ نماز کے اوقات نہایت خوبی سے بتائے ہیں -

پان کی پیک - صفائی کا مضمون -

مے وحدت کا آٹھواں دور - سیر حوادث - بنگال سے برابر خبریں آرہی ہیں کہ وہاں پھر بم بازی کا شور پیدا ہوا ہے مذہب کی تعلیم آدمی کو فرمانبرداری سکھاتی ہے اور انگریزی تعلیم مادی جنون پیدا کرکے گستاخ اور سرکش بناتی ہے -

انجیل کا طمانچہ - یورپ کی لڑائیوں پر اجمالی نظر ڈالی ہے - آتشی طوفان - حال قال کا شہید - خانۂ خدا پر حملہ - یورپ میں گرجا پر بم کا گولہ - رونے والے درخت کا ظہور - دلکش مضامین ہیں -

دلہا دولہن کی سیر پر آگ - پانی - ہوا کا ملاپ - قیصر جرمنی کی بیٹی کی شادی ہے زار روس - جارج پنجم مہمان ہیں - جارج پنجم جہازی قوت سے پانی - زار روس ری فوجوں کی کثرت سے آگ - جرمن ہوائی جہازوں کا مالک -

بم کا لیمن ڈین - بنگالے سے لاہور میں بم بھیجا گیا - ایک بوڑھے چپراسی کی جان لی -

ہار ریڈنگ - بابا سلامت - لارڈ ہارڈنگ اچھے آدمی - اچھے انگریز - اچھے ویسرائے اور اچھے خدا کے بندے - اسمیں مبالغہ

نہیں ہے بیشک لارڈ ہارڈنگ اپنے آپ نظیر ہیں۔ آنکھوں سے اس وصف پر صاد کرتے ہیں۔

السلام علیکم۔ یعنے تم سلامت رہو۔ ہندوستان میں اسکی جگہ آداب۔ تسلیمات۔ گڈ مارننگ۔ گڈ نائٹ۔ گڈ بائی۔ کے چرچے ہیں۔ روحانی نیکی سے ایمانی نصیحت۔

مرغ کی اذان۔ مرغ کی اذان نیچرل ہے مگر بے نتیجہ ہے۔ مسجد کے مؤذن کی اذان نیچرل لیکن بانتیجہ ہے۔

تیس راتوں کی شان۔ گیارہ مہینے کے رات دن رمضان کی تیس راتوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔ جسکی تجلیاں آفتاب و ماہتاب اور تمام برق صفات انوار سے اعلیٰ ہیں۔

مے وحدت کا نواں دور۔ تعبیر رویا۔ اس دور میں دو خوابوں کی عمدہ تعبیر دی ہے۔

حصہ دوم۔ اس حصہ میں وہ منتخب مضامین درج کئے گئے ہیں جو اخبار توحید کے معزز قلمی معاونین یعنی ملک و قوم کے ممتاز اور نامور انشا پردازوں کے دماغ سوزی کے بہترین نتائج ہیں۔

ذوقیہ حمد۔ منشی سید مدد علی صاحب قادر اکبر آبادی نے حمد کا نہایت مؤثر الفاظ میں ترانا گایا ہے۔ سبحان اللہ۔

توحیدی رباعیاں۔ از مولانا شفق عماد پوری۔

جمال شاہد مستور کو عین العیون سمجھو۔ از بلبل کشمیر پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقی دہلوی نظم۔

پانچ اشارے۔ راقم ریویو ہذا کی پانچ رباعیاں۔

مثنوی اسرار خودی۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بیرسٹر کے سچے خواب کی سچی تعبیر ہے۔ فارسی میں بھی اقبال کی شاعری کا اقبال بالا ہے۔ خوب لکھا۔ ہر ایک شعر اہل مذاق کے دل پر نشتر کا کام دیتا ہے۔

رسالت عین وحدت۔ از راقم ریویو ہذا۔ اسکے اچھے برے ہونیکا خود ناظرین اندازہ کرلینگے۔ میری تحریر اور تقریر تو بالکل اسکے مصداق ہے۔ دندان تو جملہ در دہانند + چشمان تو زیر ابروانند +

توحید کی مے پیتے ہیں مستان مدینہ۔ از راقم ریویو ہذا۔ نعتیہ غزل فنا فی الرسول والوں کے مذاق پر موقوف ہے۔ یوں تو حمد اور نعت ایک مذہبی بات سمجھی گئی ہے مگر حقیقت میں حمد اور نعت ایک ہی باد ہ۔ اس اسرار پر کشف کی روشنی ڈالی گئی ہے۔

منقبت جناب امیر علیہ السلام۔ از مولانا غلام قادر صاحب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن۔ فارسی کلام ہے نہایت خوب اور نمکین ہے۔

خواجہ نبوت کاملہ کی تصویر تھے۔ از شمس العلماء مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی۔ اعلیٰ درجہ کا مضمون ہے۔

من بداماں معین الدین حسن دستے زدم۔ از مولانا غلام قادر صاحب گرامی۔ فارسی غزل خواجہ صاحب کی مدح میں۔

ترانۂ خواجہ۔ از حضرت شفق عماد پوری۔ خواجہ صاحب کی مدح میں بے مثل مسدس ہے۔

غریب پرور حضور خواجہ۔ از مولانا وجاہت حسین صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار۔ خواجہ صاحب کی مدح میں بے مثل غزل ہے۔

دل کے اٹھارہ ٹکڑے۔ از جناب سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی۔ خواجہ صاحب کی مدح میں اٹھارہ رباعیاں لکھیا۔

آخری رباعیوں میں جو استغاثہ کیا ہے وہ نہایت موثر اور اخلاصمندی کا دعویدار ہے۔

شہنشاہوں کی پیشانیاں اجمیری چوکھٹ پر۔ ازمولانا سعید احمد صاحب مارہروی۔ خواجہ صاحب کے شہنشاہی دربار میں بادشاہوں اور راجاؤں کی عقیدتمندی کو بہت خوب طریقہ پر بیان کیا ہے۔

خواجہ کا روحانی پیام۔ ایک ایم۔ اے پاس پروفیسر کے قلم سے۔ اعلیٰ درجہ کا مسدس ہے۔

خواجہ کی سرکار میں عرض حال۔ ازمولانا مولوی سید نوابعلی صاحب ایم۔ اے پروفیسر بڑودہ کالج۔ نہایت موثر طریقہ سے عرض حال کیا ہے۔

خود را فروختیم چہ ارزاں فروختیم۔ ازمولانا غلام قادر صاحب گرامی۔ کیا خوب غزل ہے قلم توڑ دئے۔

کیکر کے پھول۔ ازمولانا شفق عمادپوری۔ خودرو کیکر کے پھولوں کی نظم مسدس میں بے مثل تصویر دکھائی ہے۔

بیان اکبر۔ ازخان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آبادی۔ متفرق کلام مگر سبحان اللہ۔

جوتے کا سفر۔ ازجناب سید یوسف حسین صاحب نظامی عرف شہزادہ قدسی نظامی۔ کیا خوب مضمون ہے۔

اللہ میاں کے نام خط۔ ازشہزادہ قدسی صاحب نظامی۔ بن باپ کے بچے لئیق نام نے اللہ میاں کے نام ایک پوسٹکارڈ لکھا اور اسکا فوراً جواب پایا۔ عبرت خیز مضمون ہے۔ زندگی۔ ازجناب ابوالآزاد صاحب خلیقی دہلوی نصیحت آمیز مضمون ہے۔

باپ کی گود میں زخمی بچوں کا مرنا۔ ازدردانہ سلیمہ صاحبہ بمبئی۔ غدر کا ایک دل دکھانیوالا عبرتناک واقعہ۔

چھوڑ۔ ازجناب سید عزیز الدین صاحب آزاد نظامی چرتھاولی مقید روح کو وجود خاکی کے چھوڑنے پر بے مثل مضمون ہے۔

نئی روشنی کا دلدادہ۔ ازجناب منشی مہدی حسن صاحب سبجکٹ بتا رہا ہے کہ یہ مضمون کیسا ہوگا۔

فرانسیسی پولیس کا اکلوتا بیٹا۔ ازجناب منشی یوسف حسین صاحب لائل پوری پریس ہیلا کا دلچسپ اور عبرتناک واقعہ۔

جانکنی کا وقت۔ ازجناب بنت سلطان حسین صاحب لفٹننٹ مرحوم۔ عبرتناک نظم۔

انقلاب کی ضرورت دل میں۔ ازجناب حافظ فیاض احمد صاحب مخلص پانی پتی۔ دل کی ماہیت کو موثر پیرایہ میں بتایا ہے۔

مسلم کے دل کی شورش۔ ازجناب مولوی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی۔ قومی ہمدردی کا ترانہ۔

صدائے عارف۔ ازجناب عارف میرٹھی۔ نئی تہذیب پر نظم۔

ہلال رمضان کا خیر مقدم۔ ازمولانا شفق عمادپوری۔ بہت خوب نظم ہے۔

طبع رواں کی عید۔ ازمولوی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی۔ بے مثل نظم ہے۔

مارواڑی عید۔ ازجناب مولوی سید حسن صاحب خاموش سب پوسٹماسٹر اکھارچی چھوٹا۔ مارواڑ کے ایک قصبہ کی عیدگاہ کا ایک سچا واقعہ۔

اہاہاہا ہوہوہو۔ ازخان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی۔ ایڈریانوپل کی فتح کا ترانہ۔

غرض یہ کتاب وحدت۔ معرفت۔ حقیقت۔ طریقت۔ شریعت۔ نصیحت۔ عبرت۔ تصوف۔ ظرافت۔ قادرالکلامی۔ نظم و نثر کا ایک ایسا بے مثل مرقع ہے جسمیں ہر قسم کے مضامین کی زندہ تصویریں ہیں۔ فقیر کشن پرشاد شاد۔

۷۸۶ ہوالکل یامعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مئے وحدت کا پہلا دور

رازونیاز

بھگت کے بس میں آ بھگوان

یا رحمٰن یا سبحٰن

تیری سُمرن جپوں - آگے سیس دھروں - کیسی بھگتی کروں

اے بھگوان - اے سبحٰن - ای رحمٰن

موسےٰؑ کے زمانہ کا چرواہا ہوتا - تجھکو اپنے گھر بُلاتا - پاؤں دباتا - سر دُھلاتا - ٹھنڈا ٹھنڈا دودھ پلاتا - تُو سوتا، تو پنکھا جھلتا - تُو سنتا، تو گانا گاتا - رُوتا - رُلاتا - جاتا، تو روکتا - پیروں پڑتا - ہاتھ جوڑتا -

داتا تو کہاں ہے - میرے من کی بپتا کے دیکھن ہار - مولیٰ - سُن اُلجھنوں میں ہوں - گردشوں میں ہوں - بےقراری دیکھ - آہ وزاری دیکھ - اشکباری بھی -

آنسو دے - اُن میں نہاؤں - سوزش دے - تڑپوں - لوٹوں - تجھکو پاؤں - بلالؓ کا دل دیدے - درِ آستاں پر سر ٹکراؤں -

عزّت تجھ سے ہے - ذلّت تجھ سے ہے - راحت تجھ سے ہے - میرے پربھو بھگوان

اپنے بھگت کے بس میں آجا۔ دے جا۔ دلا جا۔

یہ رات کیونکر کٹے۔ تو یاد آتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اپنے داس کو درشن دے۔ روپ دکھا۔ جلوہ افروز ہو۔ آنکھ بیہوش اور من سنتوش ہو۔ کسکا بلقان۔ کیسا ایران۔ تیری رحمت کا چشمہ اور اُس میں اشنان۔ اسی میں ہیں دونوں جہان۔ رین اندھیری۔ بدلی کالی۔ رستہ بھاری۔ دشمن سرپر۔ غفلت دل میں۔ ہاتھ پکڑ بھگوان۔ میں قربان۔ تجھکو دیکھوں اور نہ دیکھوں کوئی۔ سب ہوں گم۔ تو کہے گر قُم۔

شوکت والے۔ طاقت والے۔ توپوں اور سنگینوں والے۔ زخموں اور مرہم والے۔ دُکھ کے کرتا۔ سُکھ سروپ۔ تیرے بھوکے۔ تیرے پیاسے۔ یہ ہے اچھا تو ہو پاس۔

پھول بھی تو۔ خار بھی تیرا۔ نور بھی تو۔ نار بھی تیری۔ آنکھیں میری۔ سب کچھ تیرا۔ اور نین کے اندر ڈیرا تیرا۔ بس میں آ بھگوان۔

سر ہے حاضر۔ کھینچے کٹاری۔ عشق کی اگنی چتا ہماری۔ ست پکاریں۔ ست بن جائیں جُز کو تیاگیں۔ کُل ہو جائیں۔ یثرب پہونچیں۔ مکہ دیکھیں۔ بیچ سمندر جھنڈا گاڑیں۔ مہدی بابو کو نجیں گرجیں۔ اُنکے آگے چلکر کڑکیں۔ تیر چلیں سب سینوں پر۔ دشمن چھدرسے سنگینوں پر۔

تو ہو بس میں۔ سب ہوں بس میں۔ حسن نظامی کسکا بندہ؟ وقت کٹھن ہے۔ اٹکا پھندا۔ بھگتی اپنی من کو دے۔ بھارت سیوا سب کو دے۔ بس میں آ بھگوان۔

تیرے نام کو پرنام۔ یَاذِی الْعِزَّۃِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْاِکْرَام۔

تو اگر عہد وفا باندھ کے میرا ہو جائے گورے ملکوں کے اُجالوں میں اندھیرا ہو جائے

حروف کی دُعا

الف تو آگے بڑھ۔ اور کُن کہنے والے داتا کے سامنے ہمارا وکیل بن۔ کیونکہ تو بھی ایک و یکتا ہے۔ نقطہ و پہلو سے پاک ہے اور ہمارا مخاطب خدا بھی وحدہٗ لاشریک اور عیب و ہتا سے پاکیزہ ہے۔

مولیٰ ہم حروف ہیں۔ تیرے معانی کی امانت سینوں میں رکھتے ہیں۔ تونے ہم کو ازل کے

مخفی قلم سے پیدا کیا ہے ۔ اور ہمارے اجسام کو وہ روح دی ہے کہ ظاہر میں بے حس و حرکت و بے جان نظر آتے ہیں ۔ مگر درحقیقت زندہ ہیں اور جو ہم کو نظر غور سے دیکھے تو اسکو بھی زندہ کر دیتے ہیں ۔

تو نے ہم کو وہ زبان دی ہے جو خاص تیری بول چال میں کام آتی ہے ۔ یعنے کہ بغیر بولے اور بغیر لب ہلائے بات ادا ہو جاتی ہے ۔ اور دوسرے اسکا مطلب سمجھ لیتے ہیں ۔

انسان روزمرہ کتابوں ۔ اخباروں اور خطوط میں ہماری باتیں سُنتا ہے مطلب سمجھتا ہے مگر یہ نہیں سوچتا کہ یہ کیا بھید ہے کہ حروف مُنہ سے کچھ نہیں کہتے لیکن جہاں آنکھ کے سامنے آئے اور خود بخود انکا مطلب ذہن میں آنے لگا ۔ کانوں کو انکی آواز سُنائی نہیں دی ۔ مگر دل و دماغ میں ان حروف کا مطلب چلا گیا ۔

خدایا ! ایسے آدمی پیدا کر جو ہمارے پُر اسرار وجود کا اصلی مطالعہ کریں اور ہمارے ذریعہ تو اُن کو مل جائے ۔ اور جب تیرا اُن کا وصال ہو تو اس خوشی میں ہماری مراد بھی پوری فرما ۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم کو نااہل لوگوں کے قلم سے بچا ۔ اپنے نافرمانوں کے قبضہ میں نہ دے جو ہم کو تیرے وجود واحد کے انکار میں استعمال کریں ۔

پروردگار ! ہم عربی حروف ہوں یا سنسکرت ۔ انگریزی ہوں یا فارسی چینی ہوں یا جاپانی ۔ اسلئے ہیں کہ ہم سے تیری وحدت کے مضامین لکھے جائیں نہ کہ تیری دشمنی و مخالفت کی تحریریں ہمارے پُرزوں سے تیار ہوں ۔ اپنے اسم ذات کے لام کا صدقہ اپنے حبیب محمدؐ کے میم کا صدقہ ، اور لفظ انقلابی کن کے کاف نون کا صدقہ مہدی سیف اللہ کو بھیج ۔ جو بلقان و اٹلی کے ظالموں سے ہماری بے حرمتی کا بدلہ لے ۔

آؤ حروف ! اخبار توحید کے قرطاس ابدی پر صف آرا ہوں ۔ عین کی توپ سے غین پر گولہ باری کریں ۔ تاکہ غیر فنا ہو جائے اور وحدت کو مقام بقا حاصل ہو ۔

آمین ربنا تقبل امین

موسمی دعائیں

(۱)

تیرے نام سے شروع - اے رحمت شفقت والے - اے آدمیوں اور سب کے پالنے والے اے سب کے بادشاہ - اے سب کے معبود - پراگندہ دل کے وسوسوں اور شر پنہاں کے پھندوں سے محفوظ رکھ جو گمراہ کرنے کے لئے بہکاتے رہتے ہیں - جی بے کل ہے - اسکو کل دے - آنکھیں خشک ہیں - انکو اپنی محبت کے آنسو رحمت فرما - خوش قول بنا - خوش عمل بنا - خوش وقت بنا - دشمن زیر ہوں - حاسد خوار ہوں - بدخواہوں کو رسوائی ہو - آزار دہندے زار و نزار ہوں - اٰمین ربنا آمین -

پاک روزی عنایت کر - وہ مشکلیں دور ہوں جو کسب حلال میں حارج ہیں غیب کے خزانے کھول - جنکے ہاتھ سے دلوانا چاہتا ہے انکو ہمارا بنا دے - آمین ربنا آمین - عزت و آبرو مرحمت کر - اپنے سوا کسی کے آگے جھکنے نہ دے - مذہب - ملک - قوم - خاندان - سب کی لاج رکھ - ذلت و رسوائی سے بچا - اٰمین ربنا اٰمین -

بے گھروں کو گھر دے - بے زروں کو زر دے - شادیاں ہوں - خانہ آبادیاں ہوں میاں بیویوں میں میل جول ہو - امن ہو - سکھ ہو - چین ہو - سب گھر بہشت بن جائیں - بے اولادوں کو اولاد دے - نہ بجھنے والا چراغ دے - ماؤں کی گودیں بھریں - سنسان ویرانوں میں نیک بچوں کی رونقیں ہوں - آمین - ربنا آمین - بیماروں کو صحت ہو - پلائیں وبائیں دور ہوں - آہ کے بدلے واہ ہو - غم کے بستر تہ ہو جائیں - درد و الم کافور ہوں - اٰمین ربنا اٰمین -

مقدموں میں کامیابیاں ہوں - حق فتح پائے - بے گناہوں کو قید سے رہائی ہو ٹل جائے اگر ناگہانی آئی ہو - اٰمین ربنا اٰمین -

(۲)

رَبَّنَا رَبَّنَا یَا رَبَّنَا

نافرمان بندوں کے معبود - بے کسوں کے سہارے - لاچاروں کے چارہ کار - پروردگار یہ ہاتھ تیرے آگے پھیلے ہیں - یہ کچھ امید سے دراز ہوئے ہیں - انکو تجھ پر ناز ہے کیونکہ تو بندہ نواز ہے - ان ہاتوں کی خطا نہ تھی جو تیرے غیروں کے دروازے پر دستک دیتے رہے

قصور نفس کا تھا۔ جو بھٹکا کر در بدر کی ٹھوکریں کھلاتا پھرا۔ اب تیرا دروازہ مل گیا ہے
آستانہ کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے شرمندہ سر کی لاج رکھ لے۔ یہ پیشانی تیرے سرکش بندہ
کی ہے۔ جو عاجزی سے خاک پر پڑی ہوئی ہے۔

رحم کرنیوالے خطاپوش داتا۔ ہم تیرے ہیں۔ تو ہمارا ہے۔ تجھ سے نہ کہیں
تو کس سے کہیں۔

ترکی کا آسرا اب تیرے فضل پر ہے۔ طرابلس۔ مراکو۔ ایران تجھ سے فریادی
ہیں۔ ہندوستانی اپنا غم تجھ کو سناتے ہیں۔

طاعون نے۔ قحط نے۔ مفلسی نے۔ خود غرضی اور ریاکاری نے۔ جھوٹی
عزتوں کی حرص و ہوس نے۔ تیرے بندوں کو کہیں کا نہ رکھا۔ اپنی رحمت کی کمند میں
اسیر کرلے۔ اپنے کرم کے حصار میں بچالے۔

صدقہ اُس گیسوؤں والے حجازی کا جسکی یاد واللیل کے پیارے لفظ میں کیجاتی
ہے۔ صدقہ اس نورانی مکھڑے کا جسکو والضحیٰ کا خطاب عطا ہوا۔ اسکا طفیل جو بیقرار
سمندر کے کنارے مستغرق پہاڑوں کے بیچ میں۔ یثرب کی خوش نصیب زمین کمبلی اوڑھی
تیرے نام کی منادی کرنے آیا تھا۔ اُس پتھر کا صدقہ جو تیری محبّت میں سات دن کے بھوکے
پیٹ سے باندھا گیا۔ واسطہ اُن چھالوں کا جو بنتِ رسولؐ کے ہاتوں میں چکی پیسنے سے
پڑے۔ وسیلہ اُس پیاسے حلقوم کا جو کربلا کی تپتی زمین پر ستم کی چھُری سے کٹ گیا اور ان
تلواروں کا جو تیرا نام بلند کرنے کو اُٹھائی گئیں۔ ان گھوڑوں کا جو تیرے دشمنوں کی صفوں
میں ہنہناتے ہوئے۔ ٹاپیں مارتے ہوئے۔ کف برساتے ہوئے گھُس گئے۔ حرم حجاز کا صدقہ
مدینہ کے در و دیوار کا صدقہ۔ سبکیاں بھرنے والے ستون کا صدقہ۔ اور اس پیار کا صدقہ
جس سے فراق زدہ لکڑی کو تسلی دی گئی۔ اس ممبر کا صدقہ جہاں تیرا امر نازل تھا۔ تیرا مدثر تھا
اس ہریالے گنبد کا صدقہ جو تیری شمع سراج منیر کا فانوس ہے۔ ان جالیوں کا صدقہ جنکے
اندر کچھ ہے۔ آہ کچھ ہے۔

فریاد ہے مولیٰ۔ دوہائی ہے مولیٰ سُن لے مولیٰ۔ دیدے مولیٰ۔
اپنا بنالے۔ ایک کردے۔ اور نیک کردے۔ آمین۔ اللھم آمین۔ ثم آمین۔
بیماروں کو شفا۔ بے اولادوں کو اولاد۔ بے روزگاروں کو روزگار۔ بے قراروں

کو قرار - امتحان دینے والوں کو کامیابی - مقدمہ والوں کو فتحیابی - مقروضوں کی سبکدوشی -

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم -

(۳)

غریبوں کے درد مند خدا - ہم کو خس کی ٹٹی اور تہ خانہ کی ٹھنڈک درکار نہیں ہے - اپنی رحمت کی خنکی مرحمت کر اور گرمی کے موسم کی بلاؤں سے بچا - گرم زمین کی حرارت سے ہمارے دماغ کو محفوظ رکھ - جبکہ ہم تیری دی ہوئی روزی کمانے کے لئے اور بال بچوں کو پالنے کیواسطے دھوپ میں چلتے پھرتے ہیں - لُو سے - سرسام سے - اور گرمی کے کل آلام سے حفاظت دے -

علیگڈھ کالج کی پیچیدگیاں دور ہوں - حاجی نواب سکرٹری دلیری و حقانیت سے کارگزاریاں دکھائے -

ندوۃ العلماء کا انجام بخیر ہو - موجودہ خلفشا آسانی سے رفع ہو جائے علم دین کا بول بالا رہے -

ہندو مسلمانوں کی تازہ کوشش اتحاد میں برکت ہو - دونوں کے دلوں کو خلوص عطا فرما - ذاتی رنجشیں اور خود غرضیاں بیچ میں نہ آنے دے -

لارڈ ہارڈنگ کی سلامتی ہو - انکو توفیق دے کہ ہندوستان میں عدل و انصاف برقرار رکھیں - گوروں کالوں کو برابر سمجھیں -

اخباری برادری میں اتفاق دے - ہر ایک کو حوادث ناگہانی سے بچائے رکھ - اور اپنے فضل کا سایہ ڈال تاکہ وہ حقیقی صداقت سے تیرے بندوں کی خدمت کریں -

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

آنسو بھری آنکھ کی التجا

میرے مالک پچھلی رات ہے - سب سوتے ہیں - تو جاگتا ہے - میں جاگتی ہوں - تو سامنے کے آسمان میں ہے - یا خود میرے اندر کے مکان میں ہے - جہاں ہے میری التجا کو سُن -

صبح کا نور چمکنے سے پہلے۔ تاروں کی روشنی چھپنے سے پیشتر پرندوں کی نغمہ خوانی کے قبل میری مراد مجکو دے۔

یہ سامنے تیرے اجمیری پیارے کا سفید گنبد ہے اسکے کلس پر اپنا دیدار دکھا۔ اسکو طور بنا۔ مجکو موسوی بصیرت دے۔ اور تو جلوہ افروز ہو۔

آنسو کا پردہ تیار ہے۔ اور کوئی نہ دیکھنے پائیگا۔ چپکے سے اسکے اندر آجا۔ تاکہ تم کو اپنی بپتا سناؤں۔ کلیجہ کے زخم کھول کر دکھاؤں۔

دن بھر اُن بے قراروں کی دید میں گزر گیا جو اجمیری وسیلہ گاہ میں تجکو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ ایک کہتا تھا۔ الٰہی قرض کے بوجھ نے ہمیں ڈالا۔ اپنے خواجہ کے صدقے میرے بازو ہلکے کر۔ دوسرا کہتا تھا۔ مولیٰ۔ ناگہانی بلا نے گھیر لیا۔ خواجہ کے ہاتھ سے اس آفت کو دور فرما۔ تیسرے کی فریاد تھی۔ گود خالی ہے۔ گھر بے چراغ ہے۔ اولاد کے لئے جی ترستا ہے۔ ارمان کا باغ اُجاڑ ہوا جاتا ہے۔ خواجہ کے وسیلے میرا دامن بھر دے چوتھا مرض جسمانی میں بلبلاتا تھا۔ رہ رہ کر خواجہ سے سر ٹکراتا تھا۔ اسکی بھی تجھ سے آس تھی اور خواجہ کے در کی ڈھارس پاس تھی۔ پانچواں رزق کا بھوکا۔ ہاتھ خالی۔ پیٹ خالی خواجہ کے دروازہ پر تجکو پکارتا تھا اور روٹی ٹکڑا مانگتا تھا۔ چھٹا آتش عشق میں جلتا۔ آہ شرربار کھینچتا۔ غلاف خواجہ پہ مایوسانہ ہاتھ مارتا تھا۔ کیونکہ اسکو بھی یہ یقین تھا۔ کہ غلاف کے اندر تیرے پاس جانے کا راستہ ہے۔ اور تیرے پاس جاکر شربت وصل کا جام میسر آسکتا ہے۔

ساتواں کچھ اور کہتا تھا۔ دیوانہ تھا۔ مستانہ تھا۔ کائنات اور ہستی موجودات کے معمہ کو۔ اور اسکے گورکھ دھندے کو نادانی کی انگلیوں سے سلجھا کر اُلجھا رہا تھا۔ او خبر نہیں کیا بڑبڑا رہا تھا۔

اتنے نظاروں سے تھکی ماندی۔ اپنی عاجز بندی۔ چشم اشکبار کی التجا پر رحم کر دے اور اُن سب کی مرادوں کے ساتھ جنکا ذکر اوپر آیا۔ میری درخواست بھی پوری فرمادے۔

جھولی والے فقیر کی بھیک

تو ہی جانتا ہے۔ رمضان میں کون سی رات ہزار راتوں کے برابر ہے۔ کسکو تو نے

خطاب قدر عطا فرمایا ہے۔ مجھکو ہزار۔ لاکھ۔ یا سو۔ پچاس۔ سے غرض نہیں۔ میں اسکی بھی پروا نہیں کرتا۔ کہ وہ رات خطاب یافتہ ہے یا نہیں ہے۔ اسکا شوق بھی نہیں کہ نزول ملائکہ اور روحوں کی ملاقات والی شب میسر آئے۔

میں تو اسے بڑی اور اونچی چوکھٹ والے بادشاہ تجھکو مانگتا ہوں۔ تیری آرزو میں سرشام سے نہیں سویا۔ چاہے تو رمضان میں مل یا شوال میں۔ رمضان کے عشرہ آخرہ میں جلوہ افروز ہو یا بیچ کی اور کسی رات میں۔ مجھے اس سے کچھ بحث نہیں میں ہر حال میں راضی برضا ہوں۔

قربان اس دروازہ کے جسپر چشم لاہوت کو ہاہوتی نوشتہ نظر آتا ہے۔ دل کہتا ہے میں جبروتی ہوں۔ روح کہتی ہے میں ملکوتی ہوں۔

ہاتوں کا اصرار ہے کہ ہم ناسوتی ہیں تو کیوں نہ اس دروازہ کے راز کو عالم ناسوت میں فاش کردیں۔ کبتک اقلیم ہاہوت پردۂ خفا میں رہیگی۔

مگر نہیں میرے باپ۔ میرے امام۔ میرے مرشد اوّل سیدنا علی سلام علیہ نے تو وعدہ کرلیا تھا کہ راز کو مخفی رکھونگا۔ تو مجھکو بھی یہ رمز ظاہر نہ کرنی چاہیئے۔ اچھا تو اے وہ جسکے پاس جانے کیلئے ہاہوت جیسے گم اور گم کرنے والے دروازہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ دور سے میری آواز سن۔ میں ناسوت کے عالم خواہشات میں ہوں وہیں سے پکارتا ہوں۔ پانچ پردوں کی دوری ہے مگر جانتا ہوں کہ تو وہاں بھی سن لیتا ہے۔ ناسوت میں ہوں۔ اسکے بعد ملکوت ہے۔ پھر جبروت ہے۔ پھر لاہوت ہے پھر ہاہوت کا دروازہ ہے مگر تو سب میں ہے۔ اول بھی آخر بھی۔ ہاہوت میں بھی ناسوت میں بھی۔ بس تو میری سن۔ میں اپنے سر کو تیری چوکھٹ پر جھکاتا ہوں۔ میں تیرا بندہ ہوں۔ یہ میرے دونو ہاتھ کنڈی کھٹکھٹاتے ہیں۔ تو بخشش و کشائش کے دروازے کو کھول۔ جب تو دیتا ہے اور دے سکتا ہے تو مجھکو بھی دے۔ جب تیرے ہاں کسی بات کی کمی نہیں تو میرے لئے دیر کیوں ہے۔ دستِ رحمت بلند کر اور بندہ فقیر کی جھولی میں کچھ ڈالدے۔ یہ جھولی والا فقیر گھر بگھر نہیں جاتا۔ اسی دروازہ پر آتا ہے۔ اسی پر آیا ہے۔ اسی پر آتا رہیگا کسی نے کہا وہ نوالہ دینے کے بہانہ سے اپنے مشتاقوں کو دیدار دکھاتا ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

آمد برون ز خانہ چو آواز ما شنید
بخشیدن نوالہ گدا را بہانہ ساخت

تو یہ بھکاری بندہ بھی صدا لگاتا ہے۔ بھیک کا ٹکڑا مانگتا ہے۔ دروازہ کے فقیر کو مایوس نہ کر۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا خیال رکھ۔ اور میری جھولی میں خیرات ڈالنے کے لئے دروازہ پر آجا۔ تاکہ میں رمضان کے روزے۔ تراویح۔ نوافل۔ شب بیداریاں غرض تمام نیکیاں جو میں نے اور تیرے سب بندوں نے کی ہیں۔ تجھ پر قربان کر کے پھینکدوں۔ اور پھر تیرے قدموں کو پکڑلوں۔ اگر وہ نہوں اور یقیناً نہیں ہیں۔ کیونکہ تو اعضائے جسمانی سے پاک ہے۔ تو اپنے خیال و تصوّر سے تیرے مثالی پاؤں بناؤں ان کو چوموں۔ انپر سر ٹکاؤں۔ آنکھیں ملوں۔ اور جبتک تو میری جھولی نہ بھر دے ان قدموں کو نہ چھوڑوں۔

رمضان کے روزہ دار فقیر کی آواز سن جو کہتا ہے۔

میری جھولی بھر دے میرا چنبل بھر دے

تیری جنت کی خیر اسکی فرحت کی خیر شاخ طوبیٰ کی خیر حور حمرا کی خیر
ٹھنڈی نہروں کی خیر اُجلی لہروں کی خیر تیرے جلوے کی خیر دید میلے کی خیر

میری جھولی بھر دے میرا چنبل بھر دے

تیری دوزخ آباد اس کا برزخ آباد طوق بھاری آباد شعلے ناری آباد
قہر و خفگی آباد طیش و ترشی آباد گرز و ہنٹر آباد دُکھ کے سنٹر آباد

میری جھولی بھر دے میرا چنبل بھر دے

تیری کرسی رہے اس کی بستی رہے عرش اعظم رہے حکم محکم رہے
لوح مخفی رہے نقش ہستی رہے نور نیّر رہے شانِ اختر رہے

میری جھولی بھر دے میرا چنبل بھر دے

تیرے دریا بہیں موجیں ہر جا اُٹھیں کوہ و جنگل رہیں چپ کے دنگل لگیں
مرنے والے مریں جینے والے جییں عقل والے رہیں بھولے بھالے رہیں

میری جھولی بھر دے میرا چنبل بھر دے

سُنا! تیرا فقیر بندہ تیری ہر چیز کی سلامتی چاہتا ہے۔ خیر و شر۔ نور و ظلمت۔ قہر و رحم کا

یکساں خیر طلب ہے تو تو بھی اس پر مہربان ہو اور اسکی خالی جھولی میں ایک غیبی ٹکڑا ڈال دے۔

مئے وحدت کا دوسرا دور

ذوق و شوق

مدنی شیام سندر کی مرلی

شیام نے مرلی بجائی کس طرح
مچ گئی گھر گھر دُہائی کس طرح
ہر کی مرلی ہر کے اندر باجتی
ہر کی ہے ہر سے رسائی کس طرح

زلفوں والے۔ پیتم پیارے۔ یثرب باشی۔ موہن کنہیائی بانسری کے بلہاری۔ حجازی ہمبت میں کھڑے ہوکر ایسی بجائی کہ جنم جنم کے دُکھ کلیش دور ہو گئے۔ روح۔ آتما۔ جیو۔ جسم سب پر سب کو سرشار و پر کیف بنا دیا۔

مگر اب زمانہ گزر گیا۔ راتیں بیت گئیں۔ شیام سندر کی مرلی کی آواز سنائی نہیں دیتی جنگل کے ہرن۔ باغوں کے مور۔ آم کی ٹہنی کی کوئل سب اُس پیاری اور سُریلی صدا کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ جسکی کوک کلیجہ میں ہوک پیدا کرتی ہے۔ برسات کا موسم قریب آیا۔ کالی گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر آئیں گی۔ اور کرشن کنہیا کی بانسری کو ڈھونڈینگی۔ کوئی چاتر سمجھدار سکھی سہیلی ایسی نہیں جو شیام سندر کو سندیسا پہنچائے۔ اس سُہانے بن میں بلا کر لائے۔ پریم روپ موہنی کانوں میں سُندرے ڈالے۔ بانسری لیکر پھونکے۔ اور نفخت فیہ من روحی کا جلوہ ظاہر ہو۔ شیام کی مرلی سُننے کو جی ترستا ہے۔ رن کے جنگل ترم۔ ہمارے حجازی موہن کی بانسری کے آگے ہیچ ہیں۔ کاش وہ پھر بجے۔ پھر گھر گھر دوہائی مچے۔

آہا ہا۔ وہ دیکھو شیام سُندر مرلی لئے۔ بن سے نکلے۔ وہ ہمارے سینا پتی ترکمان سنبھالے نمودار ہوئے۔ اب کوئی دم میں مرلیا باجے گی۔ اور زمانہ کی بدلی برسیگی۔ ندی نالے سوکھے تھے۔ گنگا جمنا پیاسی تھیں۔ گھٹ کے تیرتھ سونے تھے۔ بھگتی کا کال

پڑا۔ ست کے گلے جنجال پڑا۔ اب مرگ کی ترشنا دور ہوئی۔ اور چنتامن کا فور ہوئی۔ اب ہر کی آمد آمد ہے۔ اب ہر کی آمد آمد ہے۔ اب ہر کی آمد آمد ہے۔ سنسار کا داتا آتا ہے۔ اور ہر کا جھنڈا لاتا ہے۔ بانس کی مرلی صور ہے یہ۔ اور پنسنک کا مسطور ہے یہ۔

آیار چلکے دیکھیں برسات کا تماشا

والضحیٰ۔ واللیل۔ والرعد۔ والبرق۔ چمک۔ کڑک اور گھنگھور گھٹاؤں کی قسم برسات کا موسم آگیا۔ جون کی گرمیاں گئیں۔ جولائی کی سیرابیاں نمودار ہوئیں۔ سمندری مانسون ہوائی جہاز پر اڑی چلی آتی ہے۔

کیوں رے ابر تو آیا۔ میرے پیارے کو نہ لایا۔ تیری بوند بوند میں ایک روح ہی تیرے قطرہ قطرہ میں ایک جان ہے۔ اب مردہ مٹی زندہ ہو جائے گی۔ کروڑوں جانور حرکت کرنے لگینگے۔ چراغوں اور برقی لمپوں پر ان کی یورش ہوگی۔ چراغ کہے گا پروانے! مجھ پر کیوں گرا پڑتا ہے۔ پروانہ جواب دیگا۔ کل جہاں تھا وہ نورانی مقام تھا۔ آج دنیا میں آیا تو اسکو تاریک پایا۔ تجکو دیکھا تو سمجھا کہ تو میرے وطن روشن کا نشان ہے۔ اسلئے تجھ سے گلے ملتا ہوں۔ ملنے دے۔ ناراض نہو۔ بادلو۔ ذرا ٹھہرنا۔ دیکھوں ایشیا ہیں۔ اور مسلم کے دل تشنہ کام میں بھی تم جا سکتے ہو یا نہیں۔ اگر نہیں تو جاؤ میں تم کو نہیں مانگتا۔

برسات وہ اچھی جس میں یار ساتھ ہو۔ ورنہ ہیچ۔ قسم ہے گھونگر والے بالوں کی۔ بادلوں کے پیچ و خم مسلمانوں کے پیچیدہ احوال سے زیادہ نہیں ہیں قسم ہے کوندنے والی بجلی کی۔ مسلمان کی بیقراری بہت بڑھ گئی ہے۔

کوئی یار نہیں کسکو برسات کا تماشا دکھائیں۔ کون سمجھے کہ جولائی کی برسات میں کیا ہوتا ہے۔ مور بولتے ہیں۔ کوئل کی آواز آرہی ہے۔ مینڈک تالابوں میں کچھ پکار رہے ہیں میرا یار ہوتا تو وہ بھی انکا مزا لیتا۔ نہیں بلکہ وہی اسکا لطف اٹھا سکتا تھا۔

یہ سب تماشائی بندۂ حرص و ہوس ہیں۔ اسیر مجاز ہیں۔ میں جس یار کو تماشا دکھاتا

چاہتا ہوں۔ وہ مجذوب ہے۔ دیوانہ ہے۔ سالک ہے۔ہوشیار ہے۔ وہ دیکھتا ہے اور دکھاتا ہے۔ سُنتا ہے اور سُناتا ہے۔ آج وہ آجائے تو بادلوں سے پانی نہ برسے۔ کچھ اور برسے۔ کچھ اور بہار ہو۔ کسی دوسری چیز کی کیچڑ نظر آئے۔
پیاسی زمین کی قسم۔ گرمی اور گُھمس کی قسم۔ دُھوپ اور لُو کی قسم۔

اُفق حجاز

پر ایک بادل نظر آتا ہے۔ جو شاید گرج رہا ہے اور ادھر کو بڑھ رہا ہے۔ میں اسمیں حیات و ممات کے کرشمے دیکھتا ہوں۔ مجکو اسکی آمد کا یقین ہے۔ وہ طوفانی رفتار سے سیلابی انداز سے۔ غیبی پروں سے اُڑتا ہوا نظر آتا ہے۔
اگر یار سوتا ہے تو اسکو جگا دو۔ اسکا تماشہ دیکھے۔ یہ برسات بار بار نہیں آتی۔ اور کہو۔ آیار چلکے دیکھیں برسات کا تماشا۔ دن رات کا تماشا۔ اسرار کا تماشا۔ اغیار کا تماشا۔ ایک وار کا تماشا۔ اور سب مل کے ترک کردیں گھر بار کا تماشا۔

ہم ہیں بالک ایک پتا کے

ہمارا باپ فقط آسمانی نہیں۔ زمین پر بھی وہی ہے۔ اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے دُکھ میں بھی ہمارا باپ ہے اور سُکھ میں بھی ہمارا پدر بزرگوار۔ تیرہ سو اکتیس برس سے وہ ساری دُنیا کا باپ اور دُنیا والے اسکے بچے ہیں۔ اسی واسطے اسکو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا گیا ہے۔
گورے کالے۔ نیلے پیلے۔ لمبے ٹڑنگے۔ چھوٹے بُوٹے۔ بھوکے۔ پیٹ بھرے خاک پر سونے والے۔ اور مخملی بچھونوں پر پاؤں پھیلانے والے۔ سب حجازی باپ کے فرزند ہیں۔
انجیل کا آسمانی باپ اسکے قول کے موافق اپنے اکلوتے بچے مسیح کو سولی پر چڑھتا دیکھتا ہے۔ اسکی فریاد سُنتا ہے۔ جبکہ اُسنے ایلی ایلی کہہ کر باپ کو پکارا اور کہا کیا تو مجھکو بھول گیا۔ مگر اسکو اپنے لاڈلے پر ترس نہیں آتا۔ یہانتک کہ اسکا نور چشم سولی پر تڑپ تڑپ کر جان دیدیتا ہے۔

ہمارا باپ آسمانی و زمینی خدا کا بھیجا ہوا رسول اور بندہ ہے۔ ہمارے باپ میں اسکے خدا کی صفت رحمت سر سے پاؤں تک چمکتی نظر آتی ہے۔ ہمارا باپ اپنی اُمت کے پاؤں میں پھانس کی کھٹک کو بھی گوارا نہیں کرسکتا اور بیچین ہوجاتا ہے۔

ہمارے باپ کو مدینہ کی گلیوں میں بچّے روک لیتے تو وہ کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور جبتک بچّے ہاتھ نہ چھوڑتے ٹھہرا رہتا۔ ہمارا باپ دو جہاں کا شہنشاہ تھا۔ مگر غریب لاوارث عورتوں کا سودا بازار سے لاتا۔ انکے بوجھ کندھے پر اُٹھاتا۔ بیماروں کی خدمت میں رات رات بھر جاگتا۔ اور اپنے بچّوں کی خبرگیری کے لئے آبادی میں رہتا تھا۔ جنگلوں پہاڑوں میں خلقت سے مُنہ چھپائے نہ پھرتا تھا۔ ہمارے باپ پر اسکے بچّے عاشق تھے جب کافر تیر چلاتے اور تاک تاک کر ہمارے باپ پر نشانے پھینکتے تو اسکے بچّے ستر ستر تیر ڈھال بنکر اپنے جسم پر کھاتے تھے۔ مسیح کے بچّوں کی طرح نہ تھے۔ جنہوں نے تیس روپئے لیکر اپنے باپ کو قاتل دشمن کے حوالہ کر دیا۔

ہمارا باپ آدمی تھا۔ ہمارا باپ بچّوں سے انکی سمجھ کے موافق باتیں کرتا تھا مسیح کی طرح نہیں جو مچھلی والوں کے سامنے فلسفہ اور الٰہیات کی مشکل مشکل مثالیں دیتا تھا۔

ہمارا باپ بڑا۔ ہمارا باپ سب سے اچھا۔ ہمارا باپ سب کا باپ۔ اور ہم سب اسکے بالک۔ تو آؤ اپنے باپ کو پہچانیں۔ دردر کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔ اپنے باپ کے گھر چلیں وہ ہمکو یاد کرتا ہے۔ ہم بھی اسکو یاد کریں۔ اسکی محبّت گود پھیلائے ہندو مسلمان۔ عیسائی موسائی سب بچّوں کو بُلاتی ہے۔ چلو باوا جان کے سینہ سے چمٹ جائیں۔ پاؤں چومیں۔ آنکھوں سے لگائیں۔ باپو۔ پتا۔ بابا۔ فادر۔ ابت کہکر جنّت کے میوے اور پھول مانگیں۔

باپ کے گھر کا راستہ کدھر ہے۔ دیکھو کسی یتیم بچّے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرو۔ اسکی خبرگیری کرو۔ باپ کا گھر مل جائیگا۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ باپ کے پاس جا پہنچو گے۔ لڑائی جھگڑہ سے باز آؤ۔ مدنی بابا کا دروازہ ہاتھ آجائیگا کسی سے نہ ڈرو۔ خدا کا خوف ہر وقت دل میں رکھو۔ اسکو ایک مانو۔ کسی کو اسکا شریک نہ بناؤ۔ اور اسکو اور اپنے باپ کو ہر چیز سے اچھا اور بڑا سمجھکر محبّت کرو۔ باپ تم کو اپنے گھر میں بُلالیگا۔

ہم میں بالک ایک پتا کے۔ جسکا پیارا پیارا نام محمدؐ ہے اور جو خدا کی طرف سے ہم

دُنیا والوں کے لئے رحمت کا پیام لیکر اور رسول بنکر آیا ہے۔
سلام ہمارے باپ پر۔ سلام ہمارے رسول پر۔ سلام ہمارے پیشوا پر سلام۔ ہمارے فادر پر۔ اور اسکے اصحاب و آل باصفا پر۔ سلام سپر جسکی نسبت قرآن شریف میں ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ارشاد ہوا۔ اور ہدایت کی گئی کہ اپنے محمدؐ کو زید بکر اور دُنیا کے نسلی باپ کی طرح نہ سمجھو بلکہ رسول اللہ اور پیغمبری ختم کرنیوالا مانو۔ لہذا ہمارا اسکو باپ کہنا اور اپنے تئیں بالک سمجھنا محبت کا لفظ ہے۔ ورنہ وہ رسول ہم اُمتی۔ ہمارے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔

عیدگاہِ ماغریباں کوئے تو

عید کے چاند نے کہا۔ مجکو دیکھو۔ مدنی محبوب کے ابرو کا خم اسی شکل کا تھا۔ آسمانی کنارے کی شفق بولی۔ اور رخسار کی رنگت دیکھنی ہو تو مجھ پر نظر ڈال لو۔ اسمیں کچھ اسی قسم کا روپ تھا۔ سامنے سے تاریکی دوڑ کر آئی۔ اور شرما کر کہنے لگی۔ گنبد مجھ سے ملتے جلتے تھے۔ شام کے منظر اپنی کہہ چکے تو صبح کا نور بھی چمکا اور زبان شعاعی بن گویا ہوا۔ اپنی تجلّی کی قسم روئے محمدؐ کا میں آئینہ ہوں۔ اسکی زبان درازی بجلی کی طرح گری وجود عشق باز بے تاب ہوگیا۔ اور کلیجہ تھام کر عیدگاہ کی جانب چلنے لگا۔ وہاں کچھ سائل تھے۔ کچھ مسئول تھے۔ کچھ اُجلے تھے۔ کچھ میلے تھے۔ آنکھ نے کہا۔ غریبوں کی یہ عیدگاہ نہیں ہے۔ دل نے کہا نماز کا مقام تو یہی ہے۔ تو اگر نیاز کی عیدگاہ تلاش کرتی ہے تو حجاز میں جا۔ یثرب کو دیکھ۔ چند پیچیدہ گلیاں نظر آئینگی۔ ان کی دیواروں پر راز و نیاز کے سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوجائے گا کہ مقصود کہاں دستیاب ہوتا ہے۔
غریبوں کی عیدگاہ مہربان ہوئی۔ اور اسکے امام نے جھک کر گلے لگانا چاہا۔ مگر مشتاق سینہ نے کہا۔ نیازمندی کا ناز قدموں سے ملنا چاہتا ہے اسکی یہ مجال نہیں کہ سرکار کے سینہ تک بڑھنے کی جرأت کرے۔ یہ ادب پسند کیا گیا اور ارشاد ہوا دیوانو یہ قدم ہمیشہ تمہارے رہینگے۔ تمکو عید مبارک۔

بے قراروں نے جواب دیا ؎
عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو — انبساط عید دیدن روئے تو

اجمیری پہاڑ کا بولنا

اجمیر کے اونچے پہاڑ نے جو رات دن خواجہ کے روضہ کو دیکھتا رہتا ہے۔ ہندوستان والوں کو خطاب کر کے زبان حال سے کہا۔

میں سنگدل پتھروں کا پہاڑ ہوں۔ مگر اے آدمی۔ میرا دل چشمے بہاتا ہے میں سختی میں ضرب المثل ہوں۔ لیکن اے نرم مزاج کے مدعی انسان۔ تجھ سے زیادہ دوسروں کے کام آتا ہوں۔ میں اجمیری ہوں۔ میری بات سُن۔ مجھکو حقارت سے نہ دیکھ۔

طور میرا بھائی تھا جسپر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بُلا کر پیغمبری دی۔ جودی بھی میرا ہم جنس تھا۔ جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی نے قرار پکڑا۔ وہ میرے ہم قوم پہاڑ کا غار تھا۔ جہاں حضرت ابراہیم نے چاند ستاروں اور سورج کو دیکھ کر خدا کا عرفان حاصل کیا۔ بیت المقدس کا نورانی پہاڑ بھی مجھ جیسا پتھریلا تھا۔ جہاں حضرت عیسیٰؑ نے کلمہ الٰہی کو وعظ کہا اسکے آگے کچھ اور کہوں تو سُن سکیگا۔ تجھ میں تاب اور برداشت ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح بیہوش تو نہیں ہو جائیگا۔ اچھا تو آ۔ تجھ سے وہ بھی کہوں۔ حجاز کا نام سامنے لا۔ وہاں بھی میرا بھائی۔ میرا ہمشکل۔ کالا۔ کلوٹا۔ سوکھا۔ پہاڑ ہے۔ جس کی آغوش میں ایک تر و تازہ پھول کھلا۔ جسکی وادی میں ایک گیسو دراز نے لکڑی کندھے پر رکھ کر بکریاں چرائیں۔ جسکے اوپر چڑھ کر اسنے اپنی قوم کو پکارا۔ اور خدا کے غضب سے ڈرایا۔ یہ وہی پہاڑ ہے جسکے نیچے اسنے گھر چھوڑ کر راستہ چلا اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔ اسی پہاڑ کے دامن میں اسنے حق کا پیام ختم کر کے آرام فرمایا۔

ذرا آنکھ بند کر تا کہ دل کی آنکھ کھلے۔ اور دیکھ یہ سبز گنبد کسکا ہے۔ یہ اس کے چاروں طرف اونچی اونچی کالی دیواریں کسکی ہیں۔ یہ سب پہاڑ ہیں۔ مجھ جیسے پتھر ہیں۔ جنکی چوٹیوں پر خدا کی تجلیاں نازل ہو رہی ہیں۔ اس پہاڑ کی یاد میں مسلمان فاتحوں نے زمین کے سب بلند مرتبہ والے پہاڑ فتح کر لئے۔ اور ہندوستان کا کوہ ہمالہ بھی انکے آگے جھک گیا۔

بس وہی میں اجمیری پہاڑھوں - مدینہ میں حجازی پہاڑ سبز گنبد دیکھتا ہے - اجمیر میں مجھکو سفید گنبد اسی وضع قطع کا نظر آتا ہے - مدینہ میں حجازی پہاڑ کو لاکھوں مشتاق پروانہ وار

فانوس سبز

کے گرد چکر لگاتے نظر آتے ہیں - اجمیر میں میری آنکھ بے شمار فدائیوں کو حجاب سفید کے آس پاس بے قرار مشاہدہ کرتی ہے جو مدینہ میں ہے وہی یہاں ہے - غفلت چھوڑ آنکھیں مل - منہ دھو - اور ہوش ٹھکانے کرکے دیکھ - کیا جلوے ہیں - کیا شانیں ہیں -

دیکھنے سے فارغ ہو تو مدنی جبل کی یاد میں تو بھی ہاتھ پاؤں ہلا - اور اپنے اجمیری پہاڑ کی عزت کو بلند کر - میرے تارا گڈھ کو امید کا ستارہ بنا - میرے چلہ کو کمان توڑ تیر انداز کی کمان میں ڈال - اور نفس وخودی کے لشکروں پر تیر برسا - اِدھر آ - اُدھر جا - اسکو دیکھ - اُسپر تیر چلا - کمان جسطرف چاہے کھینچ - مگر تیر کا نشانہ ایک ہی رکھ -

تاکہ خود فراموش دشمن نفسانی چلا اُٹھے - اور کہے ؎

کماں جانب دیگرے مے کشد ولے تیر بر جان ما مے زند

حلقہ بگوش کا قلمی نذرانہ

خواجہ کے دربار میں

شاہوں کے شاہ - عرش پایگاہ - سلطان الہند - اجمیری خواجہ کے دربار میں حلقہ بگوشوں کی نذریں گزر رہی ہیں - فقیر بے نوا خالی ہاتھ خاماں برباد - اس قابل کہاں ہے کہ جہاں پناہ کے حضور میں کچھ پیش کر سکے -

ہند الولی داتا جانتے ہیں - بندہ حسن گدڑی پوشوں میں پیدا ہوا - مسکینوں میں پلا - گور غریباں میں جاکر سو جائیگا - زر وجواہر طلاء ونقرہ کی کبھی اسنے اپنے وجود کیلئے خواہش کی نہ دوسروں کو ان کی حرص دلائی -

خواجہ بابا اس شکل موہوم - معدوم - ہستی نما کو پہچانتے ہیں - پندرہ برس گزر گئے - اخباری میدان میں خواجہ کا نام بلند کرنے کے لئے جس خیال سے نکلا تھا - اسکی تعمیل میں کوئی دن - کوئی رات - کوئی گھنٹہ - کوئی ساعت - کوئی منٹ - خالی نہیں جانے دیا - آج اگر وہ

میدان میں یہ رجز پڑھے کہ خواجہ اپنے غلام کو دیکھئے جسنے قلم کی آگ سے اکھوں آہنی دل موم کر دئے ۔ بے شمار انکار کرنے والی ہستیوں کو درِ آستان پر جھکا دیا۔ تو ذرّہ نواز خواجہ اظہار قدردانی فرمائینگے۔

اخبار توحید کا خواجہ نمبر بھی اُسی دیرینہ جانفشانی وخدمتگزاری کا نمونہ ہے۔ دُنیا والے جس قسم کا شوق رکھتے ہیں اور جن طریقوں سے بات کو سُننا چاہتے ہیں تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم پر عمل کرکے اُسی پیرایہ سے گفتگو کی جاتی ہے۔

نمبر کا لفظ خواجہ کے بزرگ اور پاکیزہ نام نامی کے ساتھ بھدّا اور بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ یہ بھی نئے زمانہ کی رسم ہوگئی ہے۔ عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر۔

لہٰذا لفظوں سے چشم پوشی کرکے اُن معانی کی طرف توجہ کی جاتی ہے جنکی اشاعت اس دورِ جدید میں لازمی اور ضروری ہوگئی ہے۔ خواجہ نمبر اخبار توحید کی اور اس غلام بے زر خرید کی قلبی نذر ہے۔

بندہ حسن بصد زباں گفتہ کہ بندۂ توام　　　تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی؟

خواجہ اور انکے درباریوں میں یہ نئی روشنی کا نذرانہ لیجاتے ہوئے حجاب آتا ہے۔ مگر حقائق شناس بارگاہ۔ ضمائر آگاہ سرکار اپنے حلقہ بگوشوں کی نیّت سے خبردار ہے۔ لہٰذا کمال ادب و عقیدت کے ساتھ۔ یہ قلمی گلدستہ پیشکش کیا جاتا ہے۔ پھُول پراگندہ ہیں۔ افسردہ اور بے رنگ ہیں۔ لیکن خواجہ کے دربار میں اچھے بُرے سب کھپ جاتے ہیں۔ سب پر نظر الطاف رہتی ہے۔

عالم پناہ سلطان۔ اس ناچیز نذر کو قبول فرمائیے۔ اور اس میں ایسی برکت وتاثیر عنایت کیجئے کہ جو دیکھے سیدھا معانی کی تہ میں پہونچ جائے۔ تاکہ خاکبوس آستانہ کی محنت ٹھکانے لگے اور کسی کو وحدت کی ڈگر پا مل جائے۔ اور

قلزم مضموں بہے اخبار میں
ناؤ کاغذ کی چلے منجدھار میں

مئے وحدت کا تیسرا دور

سوز و گداز

اچھی بابل کیا لاڈلی بیٹی کو بھول گئے

امت کی سُسرال سے مدنی میکہ کو ایک خط

بال بدھوا۔ چودہویں سال میں بیوہ ہو جانے والی دُکھیا اُمتا کے چاہنے والے بابا۔ باوا جان۔ اُمت تم پر قربان۔ آپ کی بد نصیب رانڈ اُمتا۔ پردیس میں بیکس بے بس پڑی ہے۔ کوئی پُرسان حال نہیں۔ کیا آپ اپنی لاڈلی کو بھول گئے۔

ہائے بابل۔ وہ دن یاد آتا ہے۔ جب میں آپ کی دل کی انگنائی میں کھیلتی پھرتی تھی۔ اور آپ مجھکو میٹھی میٹھی محبت بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ میں بگاڑتی تھی۔ آپ سنوارتے تھے۔ میں روتی تھی آپ رومال سے آنسو پونچھتے تھے۔ میں ضد کرتی تھی آپ ناز برداری کرتے تھے۔ میری فکر میں آپ نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا تھا۔ سات سات دن کے فاقے جسکے لئے ہوئے تھے۔ وہی پھوٹی قسمت کی کنیز ہے۔

وہ زمانہ بھی یاد ہے۔ جب آپ کی لاڈلی کے بیاہ کی تیاریاں تھیں۔ قیصر و کسریٰ کی بادشاہتوں کا سامان میرے جہیز کے لئے نکالا جا رہا تھا۔ اور ہاتھوں کو ایسی مہندی لگائی گئی تھی جسکے رچاؤ نے پردیس میں سُسرال جاکر عالم سیاں کو بے اختیار کر دیا اور وہ اُن ہاتھوں پر قربان ہو ہو گئے۔

اور اُس گھڑی کو کیونکر بھولوں جبکہ میکہ سے ڈولا چلا ہے اور میں نے بچپن کے گھر بار کو چھوڑ کر پردیس کی راہ لی ہے۔ اپنے بیگانے رو رہے تھے۔ باوا جان آپ بھی غمگین و افسردہ تھے۔ مجھکو کالے کالے پہاڑ۔ اونچی اونچی کھجوریں جنگل کی

بیریاں اور ان پر کبوتروں کا غٹر غوں غٹر غوں کرنا۔ اور مدینہ کی سہیلیوں کی جدائی سب پر طرہ آپ جیسے پریمی پتا کی چشم محبت کا فراق۔ غضب ڈھارہا تھا۔ سسرال میں اچھی گزری۔ لال چوڑے والی مہارانی کہلائی۔ شوہر دلداریاں کرتا تھا۔ آنکھ کے اشارہ کو دیکھتا رہتا تھا۔ چاندنی راتیں تھیں۔ سمندر کا کنارہ تھا۔ اور کان میں موتی ہزارہ تھا۔ فوجیں تھیں۔ پہرے تھے۔ در و دیوار سنہرے تھے۔ تاج تھا۔ تخت تھا۔ سہاگ تھا۔ بخت تھا۔

مگر ہائے بابل قسمت لوٹ گئی۔ عمر کا چودہواں سال۔ امنگوں اور ارمانوں کا شباب پورا بھی نہونے پایا تھا کہ شیام سندر پیا رن میں کام آئے۔ دشمن نے دہوکہ کی کٹاری خبر نہیں کہاں ماری۔ کام تمام کردیا۔ میرا سہاگ لٹ گیا۔ میری راجدھانی مٹ گئی۔ میں بے وارث رہ گئی۔ میری ہری ہری چوڑیاں اتر گئیں۔ میں بیوہ اور دکھیا رانڈ کہلانے لگی۔

اچھی بابل ذرا اپنی اُمتا کو دیکھنے آؤ۔ اچھی میرے چاہنے والے بابو مجکو ساس نندوں کے طعنوں سے بچاؤ۔ وہ مجھکو چھیڑتی ہیں۔ انھوں نے مجکو نکو بنا رکھا ہے۔ اب اس گھر میں میری مٹی خراب ہے۔

بیٹی اپنے منہ سے کیونکر کہے۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ لیکن پتا۔ تجھ سے کیا پردہ ہے۔ اب مجھ سے رنڈاپے کے دن نہیں کاٹے جاتے۔ راتیں مجھکو ستاتی ہیں گھٹائیں جب آتی ہیں۔ بجلی جب چمکتی ہے۔ بادل جب کڑکتا ہے۔ مور جب بولتا ہے۔ پپیہا پی کہاں کی صدا لگاتا ہے۔ سہاگنوں کے جھولے جب دیکھتی ہوں۔ پھول پہننے والیاں جب سامنے آتی ہیں۔ میری تمناؤں میرے ولولوں میں حشر برپا ہوجاتا ہے۔ کلیجہ پر سانپ لوٹتا ہے۔ ننگی کلائیوں پر نگاہ جاتی ہے تو بے اختیار ٹھنڈا سانس نکلجاتا ہے سنتی ہوں۔ آپ بدھوا کی شادی کے حامی ہیں۔ میرے لئے بھی کچھ فکر کیجئے۔ میری جوانی دیوانی کی خوشیوں کو بربادی سے بچائیے۔ پھر وہی پہلی سی مہندی منگائیے سفید ہاتھوں کو لال لال بنائیے۔ پھر دولہن بنوں۔ پھر جہیز کا انتظام ہو۔ جیسی آپ کی لاڈلی بیٹی ہوں۔ ویسا ہی بیاہ رچائیے۔ ارمان کہتے ہیں ابھی تیری عمر چودہ برس کی بھی نہیں۔ باپ کی چہیتی ہے۔ جو ضد کرے تھوڑی ہے۔ جو دان مانگے کم ہے۔

اچھی بابل میرا بیاہ رچادو۔
اچھی بابل مجھے مہندی منگادو۔
اچھی بابل میرا منڈھا چھوادو۔

سب پربتوں کے بانس کٹوائو۔ سب باغوں کے پھول پتے منگوائو۔ مجھے سہاگ کی چوڑیاں پہنائو۔ اپنی لاڈلی کو بھول نہ جاؤ۔ وہ تم ہی پر آسرا رکھتی ہے۔

کاگا! میرا یہ سندیسا مدینہ نگری پہنچا دے۔ بھونرے کلیوں کے رس کو چھوڑ اور ذرا میرے من کی بپتا بابا جان تک لیجا۔ نسیم سحری میرے نامراد گھر میں کیوں چلی آتی ہے یہاں سب پھول مرجھائے ہوئے ہیں۔ اُلٹے قدم جا۔ اور طائف کے چمن والوں کو یہاں کی خزاں کاریاں سُنا دے۔

بجلی کے تار و۔ اگر تم میرے ہوم جا سکو تو مائی ڈیئر فادر کو میری خبر دیدینا۔

تاراج ترکن کا سر

صاحب معراج تاجدار کے آستانہ پر

اے عرب اے ارض یثرب شاد و فرحاں النغوں دولت عثمانیاں را دست گیراں اُنیغوں

یہ سر ایک بیوہ بیکس۔ لاچار ترکن کا ہے۔ جسکا باپ۔ بھائی خاوند اور چار بیٹے میدان جہاد میں کام آئے۔ اب گود میں صرف ایک لڑکی رہ گئی ہے۔ اسکو لیکر آپ کے دروازہ پر آئی ہے۔ اور اس چوکھٹ پر سر جھکاتی ہے۔ جسکے طفیل دُنیا میں مسلمان کا سر اونچا ہوا۔

اے ہفت افلاک سے پلک جھپکاتے گزر جانے والے۔ اور عرش اعظم کے مخفی مقامات میں مستور ہونیوالے آقا اس غریب پر نظر ڈالئے جسکو گردش افلاک نے تحت الثرےٰ میں پہنچا دیا ہے۔ اسکا کوئی حمائتی نہیں۔ اسکا کوئی پرسان حال نہیں۔ اب اسکا کوئی گھر نہیں۔ ٹھکانہ نہیں۔ والی نہیں۔ وارث نہیں۔ کسکو پکارے کسکے سہارے زندگی کے دن گزارے۔

دشمنوں نے اس سر کو بے عزت کیا۔ مگر آپکے دروازہ پر جھکنے سے اسکی آبرو زندہ

ہوگئی۔ آج وہ گھر نظر آگیا جو مظلوموں اور بےکسوں کا ٹھکانہ ہے جہاں مایوس و نامراد دل تسلی پاتے ہیں۔ میں کہتی ہوں اے میرے سب سے بڑے آفندی میری سنو۔ میں نے سات جانیں آپ کے دین پر قربان کی ہیں۔ میرا سب کچھ آپ پر فدا ہوگیا۔ وہ وقت آنکھوں کے سامنے ہے جب میرے چار جگر کے ٹکڑے خون میں نہائے اور سسکتے ہوئے سامنے آئے اور میرے زانو پر انکے دم نکل گئے۔ اس زمانہ کو کیونکر بھول سکتی ہوں۔ جب اپنے سرتاج شوہر کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں سے اُٹھا کر لائی تھی۔ وہ سماں بھی سامنے نظر آرہا ہے جب بوڑھے باپ کو ظالموں نے میری آنکھوں کے سامنے ڈاڑھی پکڑ کر کھینچا اور بندوق کے کندوں سے شہید کیا۔ میری فریاد سنئے۔ میں آپ کی عدالت میں نالش کرتی ہوں۔ میں آپ سے انصاف چاہتی ہوں۔ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے مجھپر ظلم کرایا ہے دونو میرے مدعا علیہ ہیں۔ اے سلطان کونین ہیں بہت بڑی سازش کا شکار ہوئی ہوں۔ کیا آپ مقام اعلیٰ میں میری عرضی پیش نہ کرینگے۔ کیا قاب قوسین کی رزمگاہ سے کوئی تیر میرے دشمنوں پر نہ چلیگا۔ نہیں مجکو بھروسہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی شاخیں جنبش میں آئیں گی۔ میں یقین رکھتی ہوں کہ جبرئیل فرشتوں کے لشکروں کو میرے ساتھ کھینچ لیگے اور میں صوفیہ۔ بلگریڈ۔ ایتھنز۔ سٹنجی میں خون کے دریا بہاؤں گی۔ میں اور آگے بڑھوں گی ظالموں کو سینٹ پیٹرس برگ میں دار پر کھینچوں گی۔ دوسری طرف مڑوں گی اور بڑے بڑے شہروں میں آگ لگاؤں گی۔ اور انکے بسنے والی عورتوں کو اپنی طرح بے باپ۔ بے شوہر بے بھائی بناؤں گی۔ اور بچوں سے محروم کردوں گی۔ ہاں میں ایسا ضرور کروں گی۔ میرا دل جوش انتقام سے بے قابو ہے۔ سردار مجھے مدد دو۔ میرا ہاتھ پکڑو۔ میں یثرب میں بڑی امید سے آئی ہوں۔ اس تمنا کو نہ توڑو۔ اب میں اس دروازہ کو نہ چھوڑوں گی جبتک کہ میری مراد مجکو نہ ملے۔ اور رات دن یہیں پڑی رہوں گی۔ جبتک کہ میری عرضی کی تعمیل نہو ؎

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو
ہر روز آہ و نالۂ منم از برائے تو

پادشاہم چوق یشا

ٹھنڈا سانس

کھجور کی ٹہنی کے نیچے

بھرکھ میں شام تھی۔ ابر تھا۔ ہوا کا سکوت تھا۔ آسمان اور زمین پر اُداسی تھی۔ جھینگروں کا شور تھا۔ مینڈک جگہ جگہ بول رہے تھے۔ مینے ایک کھجور کے نیچے کھڑے ہو کر قدرت کے اس نظارہ کو دیکھا اور میرے سینہ نے ایک ٹھنڈا سانس باہر بھیجا۔

زمین کہتی تھی میں ٹھنڈی ہوں۔ بارش کے پانی نے مجکو سیراب کر دیا۔ دیکھو میرے جسم پر پانی بہنے کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ جو بل کھاتا ہوا مجھپر سے گزرا ہے۔

چھوٹی چھوٹی گھاس کے سبز تنکے خاک سے مُنہ نکالے مجھکو دیکھ رہے تھے۔ ہرے درختوں کی شاخیں مستانہ شباب کے عالم میں مخموری کی شان سے سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھیں۔ کمپنی باغ کے تختہ چمن میں لال۔ نیلے۔ سفید۔ رنگ برنگ کے پھول شام کے ڈراونے وقت سے سہمے جاتے تھے اور پتیوں میں مُنہ چھپا کر تاریکی کی چادر بدن پر کھینچے لیتے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر میری آنکھ نے پھر کھجور کی ٹہنی کو دیکھا جو

بانکی تلوار

کی مثل اونچے درخت کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی۔ سینہ میں پھر ایک شورش ہوئی اور اسنے ایک اور ٹھنڈا سانس نکال کر مجکو دیا۔

ہاں آچکے دن۔ اس موسم میں سب مخلوق شگفتہ اور خوشحال ہے۔ مگر ابن آدم اپنے دل کی گرمی میں بُھنا جاتا ہے۔ اسکو باطنی سوز جلائے ڈالتا ہے۔

جھینگر اور مینڈک نغمہ سنجی میں مصروف ہیں۔ اپنی زندگی کے مزے لے رہے ہیں۔ آدم زاد کیا کرے جسکو یہ زندگی وبال معلوم ہوتی ہے۔ وہ کیونکر واہ کہے اسکو آہ کے مقام سے فرصت نہیں ملتی۔ مینے کھجور کی ٹہنیوں کو نظر بھر کر دیکھا۔ اور کہا تم اس اجنبی ملک میں کیوں ہو؟ بہت دن نہیں گزرے مدینۂ حجاز میں باب رحمت کے سامنے والے گھر میں تم کو بعالم رویا دیکھا تھا۔ تمہارے سایہ میں میرا سلطان جسکا سکہ دونو جہان میں چلتا ہی

کھڑا تھا۔ اسکے بدن پر افغانی لباس تھا۔ اسکے سامنے شکستہ دلوں کے ڈھیر تھے وہ تمہارے پتے توڑ توڑ کر ان دلوں کو باندہ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

میری اُمّت کے دل ٹوٹ گئے ہیں۔ ان کو باندھتا ہوں۔ آ تو بھی باندہ۔

یا وہ تھا۔ وہاں تھا۔ یا یہ۔ اور یہاں؟ گرم سانس والے اب یہاں نہیں رہے۔ کھجور کی ٹہنی! میرے ٹھنڈے سانس پر سایہ نہ ڈال۔ میں مسلم ہوں جسکا سینہ گرمایا ہوا ہے مگر سانس ٹھنڈا نکلتا ہے۔ میرا دل بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ مگر اسکے زخم کی بندش حجازی کھجور کے پتے سے ہو سکتی ہے۔ تو میرٹھ میں ہے۔ کیونکر تیرا پتّا اس جراحت درونی کے کام آسکتا ہے؟

موسم برسات ہے۔ مخلوقات خدا کے دل اُمنگوں کے سانس لے رہے ہیں۔ دیکھو مینڈک کیسی بے فکری سے گن گناتا ہے۔ جھینگر کس اطمینان میں گاتا ہے مجکو قرار ہو تو میں بھی ایک نغمۂ مستانہ کی لے بلند کروں۔ مگر ٹھنڈے سانس کا کیا علاج وہ بار بار آتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا دل بے چین ہے تو برسات کی بہار نہ دیکھ۔ پہلے اسکو ہاتھ میں لے اور حجازی شفاخانہ میں لے کر جا۔ جہاں افغانی لباس والا۔

ربانی سرجن

اسکی مرہم پٹی کریگا۔ اسکے بعد تو بھی شام کی دلگیری میں برساتی ترانہ کا مزا دیکھیو۔ اب کیا ہے اب تو فقط تو ہے اور ٹھنڈا سانس۔ امید ہے اور اسمیں خوف وبیم کی پھانس۔

بگ نایٹ ٹونایٹ

رات بڑی ہے آجکی رات

آسمانی عدالت کھلیگی۔ سال بھر کا بجٹ پاس ہوگا

وہ لوگ کہاں ہیں۔ جو پیرس کے عشرت خانوں میں بگ نائٹ ٹونائٹ کا گیت گاتے ہیں اور بلقان ومراکو طرابلس و ایران کے مسلمانوں کا چراغ زندگی گل کر رہے ہیں۔

اُن سے کہو شعبان ۱۳۳۱ھ کی تیرہویں تاریخ آگئی۔ اسکی شام کے سات بجے فلک اعظم پر انتقامی حساب کتاب کا جلسہ ہوگا۔ خونی روئدادیں۔ میز عرش پر رکھی جائینگی۔ فریادیوں کی پکار ہوگی۔ اور سب سے پہلے سات برس کا ایک بچّہ۔ لمبے لمبے گیسو والا۔ ننھے ننھے

ہاتھ جوڑ کر کہیگا -

تبریزی یتیم کا بیان

تبریزی یتیم میرا نام ہے - ثقۃ الاسلام کا فرزند ہوں - جو ایران کا بڑا عالم - بڑا فاضل - اور مجتہد کبیر تھا - اسکو روسی نصاریٰ نے بے گناہ عاشورہ کے دن پھانسی دیدی - میرے رخسار پر طمانچے مارے - میرا گھر لوٹ لیا - میرے بال کھینچے - میری ماں اور بہن کی بے حرمتی اور آبروریزی کی -

باپ کا خوں بہا مانگتا ہوں - اپنے دُکھ کی داد چاہتا ہوں -

مراکشی سید حمدہ

انا الشیخ المظلوم - میں مراکو کا بوڑھا ستم رسیدہ ہوں - کاسابلنکا (دار بیضا) میں میری خانقاہ برباد کر دی گئی - میرے بیٹے کو مجھ بیکس کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا گیا - فرانسیسیوں نے اسی پر قناعت نہ کی - جانماز پر آکر میرے سر پر پستول مارا - میری سفید ڈاڑھی کو رنگین کیا اور جان لی - میری جوان بیٹیوں کو جہاز پر لیجا کر ذلیل و بے آبرو کیا - جسکو شرم کے مارے زبان سے نہیں کہہ سکتا - کیونکہ میں ایک شریف، سید اور صوفی شیخ اور عدالت آسمانی کا عہدہ دار ہوں -

میں بدلہ نہیں چاہتا - تیرا فضل زمین پر بسنے والے مسلمانوں کیلئے اسکے عوض مانگتا ہوں -

عرب شہید کی بیوہ

میرا رونا نہیں تھمتا - میں کیونکر کہوں کہ طرابلس میں اٹلی کے کفار نے میرے خاوند اور بچوں کو ناحق ہلاک کر دیا - وہ خون میں تڑپے - انپر گھوڑے دوڑے - میں اکیلی رہ گئی مجھکو فقط روٹی کا ایک ٹکڑا درکار ہے - باقی تو جان اور تیرا انصاف -

پانچہزار عورتوں کی سوختہ لاشیں

ہم پانچہزار مسلمان عورتیں ہیں جنکو بلقانی عیسائیوں نے نہایت بیدردی و بے رحمی سے ستایا اور جب ہم تیری مسجد میں پناہ لینے جمع ہوئے تو مٹی کا تیل ڈال کر جلا دیا - مسجد گواہ ہے اسکے در و دیوار شاہد ہیں کہ کس طرح آتش جفا کے شعلوں میں ہم نے پھڑک پھڑک کر جانیں دیں -

آج تیرا دروازہ ملا ہے تیری عدالت کی زنجیر ہلائی ہے - داناو بینا بادشاہ دوہائی ہے دوہائی ہے -

زندہ مدفون بچے

واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت - اور جبکہ زندہ مدفون سے سوال کیا جائیگا

کہ کس گناہ کے عوض قتل کیا گیا ۔ تو معصوم و بے زبان بچے حسرت سے عرش کو دیکھینگے گویا زبان حال سے کہیں گے کہ ہم بلقانی مسلمانوں کے بچے ہیں ۔ جنکو ظالم عیسائیوں نے زندہ رتن کردیا ۔ ہمارا قصور دریافت کیا جائے ۔ ہمیں تو دُنیا کی خبر تک نہ تھی ۔

الغرض جب سب مدعی فریاد کرچکینگے تو مدعا علیہ کی طلبی ہوگی ۔ قاتل اور قاتلوں کے مددگار شریک کار ۔ زبانی ۔ قلمی ۔ اور مالی مدد دینے والے سب حاضر کئے جائینگے ۔ ایک ایک کا نام لکھا جائیگا ۔ سزاؤں کی فہرست پکاری جائے گی ۔ اور ظالم و مظلوم کو دُنیا دی جزا و سزا تقسیم ہوگی ۔

اسکے بعد سال کا بجٹ پیش ہوگا ۔ آج جو زندہ ہیں مگر اس سال کے اندر انکی موت مقدر ہے ۔ انکے احکامات ملائے اعلیٰ کے کارندوں کو ملینگے ۔ نیز جو کچھ خیر و شر ادنیٰ اعلیٰ کام ہونے ہیں ان سب کے نشانات کارکنوں کو بتائے جائینگے ۔ ہاتف غیب پکاریگا ۔

یہ حساب کتاب کی مجازی رات ہے ۔ یہ قیامت کے حساب اکبر کا نمونہ ہے ۔ آجکی رات سب راتوں میں بزرگی اور حکم احکام کے لحاظ سے بڑی ہے ۔ آج جو فیصلہ ہو جائیگا وہ سال بھر تک کے لیئے اٹل ہوگا ۔

کوئی ہے اس زمین کی بستی میں جو اپنے ہاتھوں کو اُٹھائے اور کھُلے ہوئے بخشنے والے دربار سے کچھ مانگے ۔ سرکار اقدس جاگنے والی آنکھ کو مقبول کرینگے ۔ وحدت ناب بہنے والے آنسو کو نوازینگے ۔ غافل نیند کے مدہوش انسانو ۔ اُٹھو تمہارا مالک تم کو کچھ دینا چاہتا ہے ۔ اسکی رحمت جوش میں آئی ہو اسکا فضل دستِ فیاض بننا چاہتا ہے ۔ بیماروں کے لئے کھو تندرستی دی جائے گی ۔ بے قراروں کا عرض حال کرو ۔ قرار مرحمت ہوگا ۔ مقروض دامن پھیلائیں ۔ دست غیب ان کو بھر دیگا ۔ بے روزگار بے دستک دیں انپر رزق حلال کا دروازہ کھولا جائے گا ۔ بے اولاد گود میں نیک بچے مانگتی ہیں تو آج کی رات مانگیں ۔ خداوند سب کو نہال کر دیگا ۔

اور جو مجاز و تعین سے اونچے مقام پر ہیں تقربُ وصال کے آرزو مند ہیں عبد بن کر معبود کو لینا ۔ پانا ۔ اور اس میں ملنا چاہتے ہیں وہ بھی دیدۂ دیدار طلب کو کھولیں ۔ اور تجلی رب کا انتظار کریں ۔ یہ شب انکے لئے بھی ایک نعمت ہے ۔ کیونکہ

بگ نائٹ ٹونائٹ

رات بڑی ہے آج کی رات

کانپوری شہید کے گھر میں پہلی رات

کانپوری اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی بنچ پر دلّی کا مستانہ فقیر مغرب سے کچھ پہلے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ یہ وہ دن تھا جبکہ کانپور میں ہولناک خونریزی ہو چکی تھی۔ اور جبکہ الہ آباد سے دہلی جاتے وقت یہ فقیر بھی چند گھنٹہ کے لئے کانپور ٹھہر گیا تھا۔ اور خونریزی کے بعد کانپور کے بازاروں میں ایک گشت لگا کر اسوقت اسٹیشن پر آیا تھا۔ ریفرشمنٹ روم میں کثرت سے یورپین عورت مرد بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور پلیٹ فارم کے قلیوں کو دیکھ رہے تھے جو ایک جگہ حلقہ بنائے بیٹھے کچھ کانا پھوسی کر رہے تھے۔

اس منظر کو دیکھ کر میں نے مغرب کی طرف نظر اُٹھائی جہاں سورج ڈوب رہا تھا اور لرزتی ہوئی شعاعوں کا ہاتھ بڑھا کر آنیوالی رات سے مصافحہ کر رہا تھا۔

اس نظارہ کو جسم کی آنکھ نے دیکھ کر دل سے کہا تو بھی دیکھ۔ دل اسوقت خود فراموش تھا۔ اسکے کان رات دن کی آخری باتیں سُننے میں مصروف تھے۔ دن نے کہا۔ پیاری کلو میں جاتا ہوں اور دُنیا کا چارج تجھکو دیتا ہوں۔ رات بولی ڈیئر سن خدا حافظ۔ جاؤ۔ مگر حساب کا پرچہ دیتے جاؤ۔ تاکہ میں خدا کے بندوں کے اعمال کا جائزہ لے سکوں۔

دن سکرات کے عالم میں موت کی ہچکیاں لے رہا تھا۔ اسکے مُنہ سے فقط اتنا نکلا۔ اندھیری رات۔ آج تو مجھ سے اعمال نامے نہ مانگ۔ اور کانپوری مظلوموں کے گھروں میں جا۔ جہاں بیقرار جانیں تیری راہ دیکھتی ہونگی۔ بیوہ عورتیں اکیلی ہونگی جنکے شوہر مسجد کے سامنے ہلاک کر دئے گئے۔ یتیم بچے باپ کے انتظار میں رو رہے ہونگے تو جا اور ان سب کو آغوش شفقت میں لے۔

دن کی درخواست و وصیت سُنکر رات نے دُنیا کی طرف مُنہ موڑا۔ اور پہلے تاریکی برسانے والی آنکھوں سے ایک سکوت وحیرت کی نگاہ کائنات پر ڈالی۔ جونہی میں نے نماز مغرب کی سنتوں کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ رات نے جھک کر میرے قدموں پر سر رکھدیا۔ سیاہ برقع والی نامحرم کے سر سے میرے پاؤں نے پوچھا تجھکو کس کی طلب ہے۔ یہ چوکھٹ ظلمات و انوار کے لئے نہیں ہے۔ تو اور کہیں جا۔ اور مجھکو ساڑھے سات بجے کی ایکسپریس میں سوار ہونے دے جو دہلی جاتی ہے۔

رات نے اپنے دائیں بازو کا آنچل اُٹھایا اور اپنے دہن سیاہ فام کو میرے کانوں کے پاس لاکر کہا۔ واللیل اذا یغشٰے کی آبرو ایسی نہیں ہے کہ جسد خاکی کا مقید بشر یوں دامن چھڑائے۔ میں کانپوری شہدا کے گھروں میں لیکر چلوں گی اور تم کو چلنا ہو گا۔

میں نے کہا اور یہ بدن جسکو لوگ حسن نظامی کہتے ہیں؟ رات نے ایک قیامت خیز قہقہہ کے ساتھ جواب دیا۔ اسکو گاڑی میں بٹھا کر دہلی بھیجدو۔

ادھر اور اُدھر

اِدھر نیچے کرُتے۔ لمبے بالوں والا وجود ریل کی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اور لال پگڑی پر طلائی طرّے لگانے والے چار چار تھانہ داروں کی شکی نگاہوں میں کھٹک رہا تھا۔

اُدھر شب نو خیز کی ہمراہی تھی جو غریب چھپروں میں جھانک جھانک کر مظلوموں کی آہ و بکا سُن رہی تھی۔

اِدھر ریل روانہ ہوگئی اور پولس کے دستے گھور تے کے گھورتے رہ گئے۔ اُدھر میں اپنی میزبان رات کے ہمراہ ایک گھر میں داخل ہوا۔ جہاں چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اور دو عورتیں لوٹے ہوئے بوریے پر بیٹھی تھیں۔ ان میں ایک بوڑھی تھی۔ اور ایک جوان۔ مگر دونو متفکر اور سراسیمہ معلوم ہوتی تھیں۔ دروازے کی آہٹ پر کان لگے ہوئے تھے جہاں ذرا کھٹکا ہوا اور بڑھیا نے کہا۔ کون۔ بیٹا جمن۔ مگر کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ آخر ایک دفعہ دروازے میں کوئی شخص دو بچوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے داخل ہوا۔ اور بولا۔ لو بی یہ بچے تمہارے حوالے۔ بڑی پوچھ گچھ کے بعد اتنا تو معلوم ہوا کہ میاں جمن مار ڈالے گئے۔ مگر لاش کا پتہ نہ چلا۔

یہ سُنکر بڑھیا عورت نے چھاتی پیٹنی شروع کی اور ہے ہے میرا جمن کہکر ماتم کرنے لگی جوان عورت نے چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ اور نوحہ درازی میں شریک ہوگئی۔ بچے یہ سماں دیکھ کر سہمے ہوئے کھڑے تھے۔

آخر ایک بچے نے اپنی دادی کے گلے میں ہاتھ ڈالدئے اور بے اختیار رونے لگا۔ اور دوسرا اپنی ماں کو چمٹ گیا۔

فریاد

بڑھیا عورت نے فریاد شروع کی۔ الٰہی میرا اکلوتا لال کہاں بچھڑ گیا۔ اب میں اسکی جوان بیوی اور ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو کیونکر پالوں گی۔ گھر میں تو فجر کے لئے بھی کچھ کھانے کو

نہیں ہے۔ جب یہ بچے صبح روٹی مانگیں گے تو میں کیا دونگی۔
خدایا میری فریاد کو پہنچ۔ میری گود کے پالے کی لاش بھی کہیں غارت ہوگئی۔ ہائے آخری وقت صورت دیکھنی بھی نصیب نہوئی۔ میرا جمن تو بڑا نمازی تھا۔ مرتے وقت اسکو کفن بھی نہ ملا۔ خبر نہیں کن لوگوں نے اسکے مُردہ کو اُٹھایا ہوگا۔

دوسرا گھر

جب یہ سیر ہو چکی تو دوسرے چھونپڑے کو دیکھا۔ وہاں ایک عورت بیمار پڑی تھی۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ اندھیرے میں بیمار کی آواز نہایت خوفناک ہو رہی تھی۔ وہ کہتی تھی ہے ارے کوئی پانی پلا دے۔ یہ آج ابتک گھر میں نہیں آئے۔ مولوی صاحب کا وعظ عیدگاہ کیتک رہیگا۔ میرا حلق تو پیاس کے مارے سوکھا جاتا ہے۔ یکایک پاس کے گھر میں رونے کی آواز آئی۔ اوہ یہ غل مچا کہ فلاں فلاں آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ ان میں اسکے خاوند کا نام بھی تھا۔ اس صدا کو سُنکر بیمار نے ایک آہ کی اور بیہوش ہوگئی۔

حافظ احمد اللہ کے گھر میں سحری

ظلمات کی سیر کرتے کرتے سحری کا وقت آگیا۔ آخر اپنے دوست حافظ احمد اللہ کے گھر پہنچے۔ ان کو اسی روز گرفتار کیا گیا تھا۔ خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ مال دولت۔ آل اولاد بوڑھے باپ اور گھر والوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ سحری کے وقت اس گھر میں عجب حسرت و یاس تھی۔ در و دیوار سے حافظ احمد اللہ کی صدا آتی تھی۔ گھر والوں کے حلق میں نوالے اٹکتے تھے۔ اور آنسو اُمڈے چلے آتے تھے۔ مگر سنت رسول کی تعمیل میں سحری کھانی ضرور تھی۔

مولانا آزاد سبحانی کا مدرسہ

ایک نظر مدرسہ الہیات پر بھی ڈالی۔ کتابیں غمگین نہ تھیں۔ ان میں غیظ تھا۔ طیش تھا۔ اپنے قدرداں کی حمایت کا ولولہ تھا۔ فلسفہ۔ حدیث۔ فقہ کے حروف نے قرآن کے حروف سے کہا تم کیوں نہیں بولتے۔ یہ وقت تمہاری لیڈری کا ہے۔ ہماری ترجمانی کرو۔ اور جو دل میں ہے کہو۔
قرآنی حروف بولے۔ ہم بظاہر خاموش مگر بباطن گویا ہیں۔
مسجدوں میں ہمارا ہی چرچا کیا جاتا ہے۔
ہم میں بھی وہ اسٹیم ہے جس سے مومن کے قلب کی مشین چلتی ہے۔ آج جو

بولتے تھے خاموش ہیں۔ اسواسطے ہم کہ خاموش تھے بولیں گے۔ کہدو کہ ہمارا بولنا آثار قیامت میں شامل ہے۔ کاغذ کے لکھے ہوئے حروف کا جوش دیکھ کر میری لوح قلب و ذہن کے حروف بھی تیوری بدلنے لگے۔ اور مجکو اندیشہ ہوا کہ میری سیر و سیاحت میں رخنہ نہ پڑجائے اسواسطے میں نے شب کو زہ پشت سے کہا اب مجکو جانے دو رات جسکی زندگی کا چراغ سحری ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور بولی کیا انسانوں میں اتنی انسانیت ہے کہ بھوکے پیاسے لوگوں کی خبر لیں۔ مرنیوالوں کے لاچار پسماندوں کی مدد کریں۔ بے قرار اور مضطرب الحال اشخاص کی فریاد پر متوجہ ہوں۔

میںنے جواب دیا۔ ہاں ان میں درد شناسی ہے۔ وہ اپنے نوالے روک اپنے بھائی کے نوالہ کی فکر کرینگے وہ اپنے بچّوں کا حصّہ مظلوم بچّوں کو دینگے۔

مسلمان ہمدرد قوم ہے۔ اسکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی ہے کہ مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر بہت بڑا حق ہے۔ تب توضیف العمر رات بہت خوش ہوئی۔ اور نور سحر کے سامنے مصافحہ کرتی ہوئی آسمان پر چلی گئی۔

اسوقت میںنے بھی اس وجود کی جانب توجہ کی جسکو حسن نظامی کہا جاتا ہے اور دیکھا کہ صبح چھ بجے وہ دہلی کے پلیٹ فارم پر گاڑی سے اُتر رہا تھا۔

مئے وحدت کا چوتھا دور

سرّ دلبراں در حدیث دیگراں

خاکی جام

فنا کے بعد بقا

عشق کی خیالی داستان

جب فراق کی بے چینی آدمزاد سے برداشت نہ ہوسکی۔ جب ہجر کی بیقراری انسان

کے وجود خاکی کی تاب و توانائی سے بڑھ گئی تو مایوس ہستی نے زہر کا ایک پیالہ ہاتھ میں لیا۔ آسمان کو دیکھا۔ اور کہا۔ پیدا کرنے والے خدا۔ یہ مشت خاک اتنی بڑی امانت کے قابل نہیں ہے۔ اپنی امانت واپس لے۔ میرے بازوؤں کو اس بوجھ سے ہلکا کر اور اگر تو ایسا نہیں کریگا یا نہیں کرنا چاہتا تو میں خود اس بار سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ یہ کہکر زہر کا پیالہ پی لیا۔ اور تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ اسکے بعد رسموں کے پابند لوگ آئے۔ بے جان لاش کو نہلایا اور سفید کفن کا جوڑا پہنا کر جنگل بیابان میں ایک گہری قبر کے اندر لیجا کر دفنا دیا۔ کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ ہمارے اس ہمجنس پر کیا گزر گئی۔ اور ہم کیوں اس معدوم ہستی نما پیکر کو خاک میں ملاتے ہیں۔

(۲)

بڑے زور کی آندھی آئی۔ بادل کڑکے۔ بجلی چمکی۔ طوفانی بارش ہوئی۔ جنگل میں پانی زور شور سے بہنے لگا۔ پہاڑی ندی میں سیلابی کیفیت پیدا ہوئی۔ جسکی زد میں پرانا قبرستان بھی آگیا۔ شہید محبت کی قبر ذرا اونچے مقام پر تھی۔ سیلاب سے بچ گئی۔ تاہم سامنے کے غار میں کچھ دن کے بعد مع پٹاؤ کے یہ بھی گر پڑی اور گڑھے کے اندر مٹی کا انبار بنی رہی۔ اسکو بھی ایک سال گزر گیا۔ اتنے میں ایک اور طوفان آیا۔ بڑی کا موسم تھا۔ اس زور سے اولے برسے کہ تمام صحرا سفید ہوگیا۔ قاعدہ ہے کہ اولے جب برستے ہیں تو پانی ان کو سمیٹ سمیٹ کر نشیبی مقامات میں جمع کر دیتا ہے۔ چنانچہ جس گڑھے میں ہمارے مردۂ عشق کی خاک پڑی ہوئی تھی وہاں بھی اولوں کا انبار لگ گیا۔ یہ قصہ رات کا ہے صبح کو جبکہ اولے گھل کر اور پگھل کر مٹی میں جذب ہو چکے تھے۔ ایک کمہار اپنے گدھوں کو لئے ہوئے اولوں کی مٹی کی تلاش میں آیا۔ یعنی جن گڑھوں میں اولے جمع ہوئے تھے وہاں کی مٹی کھود کھود کر بوروں میں بھر لی۔ ہمارے مرحوم عاشق کی مٹی بھی ایک بورے کے حصے میں آئی اور اوکشاں کشاں کمہار کے گھر میں پہنچی۔ مشہور ہے کہ جس مٹی میں اولے ملے ہوئے ہوں اسکے برتن میں پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں دنیا والے اسکی بہت قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ کمہار نے اس مٹی کے بہت سے برتن۔ مٹکے۔ ٹھلیاں۔ گلاس۔ صراحیاں وغیرہ بنائیں۔

(۳)

برسات کا موسم تھا۔ سخت گھمس اور گرمی کے بعد ابر گھر کر آیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور درختوں میں لہرا رہی تھی۔ سبز ٹہنیاں آبادیوں میں ہوا پاشی کر رہی تھیں۔ یکایک دیکھا ایک آراستہ کمرہ ہے جس میں ایک پری جمال حور لقا ہستی نشۂ شباب میں مخمور انگڑائیاں لیتی ہوئی اٹھی اور نوکر کو حکم دیا کہ کمہار کے ہاں سے ایک صراحی اور جام لیکر آئے مگر یہ صراحی اور جام اولوں کی مٹی کے ہوں۔ تعمیل کی گئی۔ گنہگار ہاتھوں نے شراب کی بوتل کھولی۔ صراحی میں پانی بھرا۔ اور اس میں وہ شراب ڈالدی گئی۔ اسکے بعد پانی ملی ہوئی شراب گلاس میں نکالی گئی۔ اور ایک انداز مستانہ سے وہ گلاس ہونٹوں تک پہنچا۔ جسوقت لب جاں بخش جام خاکی سے ہم آغوش ہوئے۔ ایک صدائے غیب نے یہ شعر پڑھا ؎

پس مردن بنائے جائینگے ساغر مری گل کے
لب جاں بخش کے بوسے ملینگے خاک میں مل کے

او مغرور بے خبر جفا کار رعنا نے شرابی میں اُس آدمی کی خاک ہوں جو تیری یاد میں پھڑک پھڑک کر مر گیا۔ میرا جسم۔ میری ہڈیاں۔ میری آنکھیں جو تجھکو دیکھنا چاہتی تھیں میرا وہ دل جسمیں تیرے ملنے کی آرزو تھی۔ میرا وہ دماغ جو تیرے وصال کے تخیلات میں سرشار رہتا تھا۔ سب خاک ہو گئے۔ لیکن پوری بربادی۔ کامل تباہی اور آخری فنا کے بعد آج یہ مقام بقا حاصل ہوا۔ اور میرے ہونٹوں کی خاک گلاس کے کنارے میں پیوست ہو کر تیرے لب سراپا حیات تک پہنچی اور وصال کی گھڑی نصیب ہوئی۔ اگر یہ وصل جسم کی زندگی میں میسر آتا تو ہرگز ہرگز وہ دوامی لطف حاصل نہ ہوتا جو آجکے دن محسوس ہو رہا ہے اور جو یقیناً ہمیشہ قائم و برقرار رہیگا۔

(۴)

عشق کی اس داستان کو سُنکر راقم درویش نے کہا او مسلمان! تو ہراساں اور پریشان نہ ہو۔ دور حاضر کی مصیبتیں تیری ابدی بقا اور پائدار زندگی کی نشانیاں ہیں۔ غور کر اور خوش باش ہو۔

پھولوں کے شکوے

قسمت و تقدیر کی شکایتیں

میرٹھ کی نوچندی میں راقم فقیر نے پھولوں کی نمائش دیکھی۔ یہی سارے مجمع کی جان تھی۔ اِدھر پھول۔ اُدھر پھول۔ نیچے پھول۔ اوپر پھول۔ چاروں طرف گل نما نے ہی گل کھلانے نظر آتے تھے۔ آراستہ خیمہ میں سفید فرش پر میزیں سجی ہوئی تھیں۔ جن پر جداگانہ سلیقہ و ترتیب سے چینی اور شیشے کے گملوں میں رنگ برنگ کے پھول لگائے گئے تھے۔ نمائش اسکی تھی کہ کسنے نیچرل اور موزوں طریقے سے پھولوں کو چُنا ہے۔ چُننے والیاں بھی جنکو انگریز مس بابا اور مَڈم کہتے ہیں جگہ جگہ موجود تھیں اور فرش کے متحرک پھول ثابت ہو رہی تھیں۔ فقیر اس عالم ''گل و گِل'' کی سیر کرتا پھر رہا تھا کہ یکا یک ایک جھاؤ کی ٹوکری پر نگاہ پڑی۔ جسمیں چند نہایت خوش رنگ و خوبصورت پھول رکھے ہوئے تھے۔ اور یہ ٹوکری زمین پر دھری تھی۔ انکو دیکھکر آگے بڑھا ہی تھا کہ تصور کے کان میں ایک شیریں آواز نے کچھ کہا۔ یہ صدائے گل تھی جو اپنی قسمت و تقدیر کا شکوہ کرتی تھی کہ جب میری اور میز کے سامنے والے گلدستہ کی ایک ذات ہے۔ ایک رنگت ہے۔ ایک بُو ہے تو پھر اسکی کیا وجہ کہ اسکو شیشہ کے گملے میں شاندار میز پر لگایا گیا اور مجھکو جھاؤ کی ٹوکری میں زمین پر ڈالدیا۔

پھول کے اس شکوہ سے دل پر چوٹ لگی۔ اور ڈاکٹر اقبال کا شکوہ یاد آگیا جو انہوں نے خدا سے کیا تھا کہ اتنے میں دوسرے کان میں صدائے مخفی نے اس کا جوابدیا اور کہا۔ کہدے۔ اے سُننے والے۔ ٹوکری کے پھول گوشہ اور خلوت کے امن میں ہیں۔ دیدار بازوں کی یورش میز پر ہے۔ مگر یہ سب ہوس پرست ہیں۔ پھول کی ظاہری خوشنمائی کو دیکھتے ہیں۔ لیکن ٹوکری کے پھولوں کو دیکھنے کے لئے نظر عرفان کھینچی جاتی ہے۔ اور یہ ایسی بڑی عزت ہے جو میز کے پھول کو نصیب نہیں۔ پس اے ٹوکری کے غریب گلدستے تجکو بشارت ہو کہ تیری شان کو دوام ہے اور میز کے پھول کو زوال۔

دوسری طرف پھلوں کی ہنریاں تھیں۔ ہر قسم کے میوے اور پھل چنے ہوئے تھے۔ انمیں بعض پھلوں کو تراش کر دکھایا گیا تھا۔ ایک ترشے ہوئے پھل نے کہا مجھکو زخمی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب آیا۔ تاکہ تیرا باطن اہل ظاہر کو نظر آجائے اور وہ بھی اپنے اندرون کو چیر کر دیکھیں کہ اسمیں اور ظاہر میں کچھ فرق تو نہیں ہے۔

ہولناک لیکچر

کل رات کو چار بجے جمادی الاول کا چاند شب اوّل کے ہلال کی مثل ستاروں میں جھلملا رہا تھا۔ یہ آخری تاریخ تھی۔ اب دو روز تک یہ چاند مخفی رہیگا۔ اور ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو نمودار ہوگا مگر جمادی الاول کے نام سے نہیں۔ جمادی الاُخری نام لیکر۔

راقم فقیر۔ آسمانوں والے۔ زمینوں والے۔ پہاڑوں اور سمندروں والے۔ نور و ظلمت کے رکھوالے۔ خدا سے کچھ مانگ رہا تھا۔ کہ احساس و ادراک کے کان میں ایک نطق۔ ایک خطبہ۔ ایک لیکچر۔ ایک تقریر کی آواز آئی۔ ہوش نے اپنے گوش اُدھر لگائے اور سُنا۔

افسردہ اور اُداس چاند ستاروں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ستارے دل لگائے سُن رہے تھے۔ بیان ہولناک تھا۔ لہجہ اندیشہ خیز تھا۔ دل نے کہا زمین کے قانون بنانے والے سُننے نہیں صورت سرمد نے جواب دیا نہیں وہ سب سوتے ہیں۔ خفیہ نویس کارخاص کے اہلکار نسیم سحر کی آغوش میں پڑے ہوئے مدہوش ہیں۔ پہرہ پر کوئی نہیں۔ چاند نے کہا۔

ستارو۔ سُنتے ہو۔ اب ہم تم چند ساعت کے مہمان ہیں۔ آفتاب اُفق مشرق سے طلوع ہونیوالا ہے۔ نور کو انوار زیر و زبر کرنے آتے ہیں۔ آج کی رات ہمنے تاریکی کا مقابلہ کیا اُس سے لڑے۔ اسکو شکست دی۔ مگر اہل جہان سوتے رہے۔ ہماری معرکہ آرائی کی سیر نہ دیکھی۔ اب سورج کی جنگ دیکھنے کیلئے سب کی آنکھیں کھُل جائیں گی۔

میرے درخشندہ بھائیو۔ آسمان کی خاموشی دور ہونیوالی ہے۔ زمین کا سکوت ختم ہونیکے قریب آگیا۔ اسلئے میں اپنے مہینہ بھر کی روشن گویائی کو تمام کرتا ہوں۔ اور حجرۂ خلوت میں جاتا ہوں کل کی رات۔ اور پرسوں کی رات۔ اور شاید اسکے بعد ایک اور رات مجھکو میدان فلک میں نہ پاؤ گے۔ تمہارا کمانڈر غروب ہوتا ہے۔ تمہارا سردار تلوار میان میں

کرتا ہے ۔

تنہائی میں ہمت نہ ہارنا۔ ظلمت شب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔ وہ امپوسیبل ہے۔ تم نازک اندام ہو۔ ڈر نہ جانا۔ سیاہ باطن کور دیدہ کا فتح کرلینا دشوار نہیں۔ جب تاریکی کے لشکر سمندروں، پہاڑوں اور زمین کے غاروں سے نکل کر آسمان کے کناروں پر حملہ آور ہوں تو مریخ اپنا منور دستہ لیکر میمنہ کو سنبھالے۔ مشتری میسرہ کو روکے۔ زحل قلب میں جم جائے۔ زہرہ عطارد کمسریٹ کی نگرانی کریں۔ باقی افسر کمین گاہوں میں لگے رہیں۔

شہاب ثاقب کی سرچ لائٹ کی دیکھ بھال رکھنا۔ بجیری بڑی بلا ہے اور اسکے بعد فائر ہو۔ نورانی گولے اندھیروں پر برسائے جائیں۔ شعاع کی سنگینیں چلیں۔ کرنوں کی گولیاں سن سنا کر نکلیں۔

جب دشمن کا پاؤں ڈگمگا ئے۔ شکست کے آثار نمودار ہوں۔ سب سپاہی چمکیں۔ دمکیں اور ایک آخری حملہ کرکے اسکا کام تمام کردیں۔

جب آسمان کا ملک صاف ہو جائیگا۔ تاریکی کا کوئی حصہ باقی نہ رہیگا تو فرشتے فتح کا جشن رچائینگے۔ پروردگار کی نصرت غیب کا ترانہ گائینگے۔ تم بھی اپنی زبان کھولنا۔ حمد سبحان ذی شان میں فرشتوں کی شرکت کرنا۔

ستاروں نے کہا۔

اے عثمانی ہلال کی صورت کے قمر۔ ہم کیا۔ ہماری بساط کیا۔ غریب غروب ہونیوالے تارے ہیں۔ تو بھی چھپ جانے والا کرہ نور ہے۔ دن کا صف شکن آفتاب ہم سب میں بڑا ہم سب سے زیادہ شہ زور ہے۔ مگر شام کو نا پید ہو جاتا ہے۔ اسپر کیا گھمنڈ اور غرور کریں تاریکی بھی خدا کی پیدا کردہ ہستی ہے اس سے کیوں لڑیں۔ خونریزی و سفاکی اپنا کام نہیں خاموشی میں پیدا ہوئے خاموشی میں مرجائینگے۔ پھر اس غل شور فتنہ فساد سے کیا سروکار کچھ اور سنا اور کوئی بات کہہ۔ زہرہ کا ایک گیت سن۔ نغمہ ربانی ہے جی لگا۔ گود میں پاؤں لٹکائے بیٹھا رہے۔ ایسی نصیحت کر جو یادگار زمانہ رہے۔

چاند مسکرایا۔ اپنی جگہ سے سرکا اور جھک کر ستاروں کے کان میں کچھ کہا۔ اسپر وہ سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ تلواریں میان سے کھینچ لیں۔ اور ایک ایک کرکے نابودی رزمگاہ میں گھس گئے اور انکے پیچھے چاند بھی گیا۔ آنکھوں سے دنیا کے سونے والوں کو

دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ چلا - اور آخر کہیں غائب ہوگیا -

خدائی پستول اور اسکی آہ

محمود شوکت کیوں مارے گئے

میں نہیں جانتا یہ پستول جو میرے ہاتھ کی انگلیوں میں دبا ہوا ہے کس ذات کا ہے مجھے یہ بھی خبر نہیں اسکا مذہب کیا ہے - مجکو یہ بھی معلوم نہیں وہ گورے ملک کا رہنے والا ہے یا کالے کا - انگریزی بولتا ہے یا عربی - ہندی زبان رکھتا ہے یا اُردو - میںنے کبھی غور نہیں کیا کہ میرا پستول نیک ہے یا بد - ظالم ہے یا ظالم کُش -

کیونکہ مجکو اسکے ذاتی اور خانگی قصّوں سے کچھ سروکار نہیں میں تو اسکے صرف اُس وصف کو دیکھتا ہوں جسکے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے - اور وہ

"موت ہے"

پستول عیسائی کے ہاتھ میں ہو یا موسائی کے - ہندو کے قبضہ میں ہو یا مسلمان کے - گورا اسکا مالک ہو یا کالا مسجد میں - مندر میں - گرجا میں - شراب خانے اور قمار آفس میں - غرض ہر جگہ اسکا ایک ہی سخن ہے - ایک کے سوا دوسری بات نہیں جانتا - اسکی بات سب کی سمجھ میں آجاتی ہے - ادنی اعلی - عالم جاہل - ہر ایک اس کی زبان بے نکان سمجھ لیتا ہے -

ایک دن میںنے اپنے پستول کی ناف کے پاس گدگدی کی وہ کھل کھلا کر بے اختیار ہنسا - مگر سامنے والا آدمی اسکی ہنسی سے رو دیا - دوسرے دن میںنے اسکے جگر میں چٹکی لی - پستول نے آہ کی - اور اسکی آہ کے ساتھ پھر وہ وجود جو سامنے تھا غش کھا کر گر پڑا - میںنے کہا میرے پستول کی عجب شان ہے - خیر و شر دونو حالتوں میں اسکا یکساں جلوہ ہے - اسوقت میں ایمان لایا کہ پستول کا پیدا کرنیوالا خدا بھی اپنی ہر صفت اور ہر شان رنگا رنگ میں ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے - تھوڑے دن کا ذکر ہے قسطنطنیہ

میں قصر خلافت کے سامنے محمود شوکت پاشا کا پستول امیر المومنین سلطان الغازی عبدالحمید خاں کو تخت چھوڑنے کا پیام دے رہا تھا۔ چند روز کے بعد سُنا کہ اسی مقام پر پستول نے خود محمود شوکت کی روح سے کہا کہ تو جسم کی مملکت خالی کر دے۔ اور عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں پر پستول کا حکم یکساں مانا گیا۔

یہ دیکھ کر مینے اپنے پستول کو ادب سے چوما۔ اور جُھک کر اسکے کان میں کہا۔ سچ بتا۔ تیرا بھید کیونکر سمجھ میں آئے۔

پستول بولا۔ اپنے وجود کو دیکھ تو خود خدا کا ایک پستول ہے۔ تیرے باطن میں کارتوس ایک ہی قسم کا بھرا جاتا ہے۔ مگر فیر کا انداز نرالا ہے۔ کان کی نال سُنتی ہے۔ آنکھ کی نال دیکھتی ہے۔ ناک کی نال سونگھتی ہے۔ زبان کی نال بولتی ہے۔ اور نتیجہ سب کا یکساں ہے۔ جس طرح کہ پستول کی گولی کا نتیجہ موت ہے۔ اسی طرح انسانی پستول کی گولی کا حاصل مقصد بھی ایک ہے۔ گو اسکی ظاہری شکلیں جداگانہ ہوں۔

مینے کہا ذرا آہستہ بول۔ اگر تو مجکو پستول کہیگا تو مجھ پر گورنمنٹ لائسنس لگا دیگی یا میری ہستی پر یہ الزام لگایا جائیگا کہ تو کیوں موجود ہے۔

پستول نے کہا۔ کوئی حکومت تجھ پر لائسنس نہیں لگا سکتی۔ کوئی قانون تیری نگرانی کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ازل سے آزاد ہے۔ اور ابد تک تیری حریت برقرار رہیگی۔ کیونکہ تو خدا کے ہاتھ کا پستول ہے۔

پستول کی اس غیبی ہُو نے مجھ پر بڑا اثر ڈالا۔ اور مینے کہا اے لوہے کے بنے ہوئے وجود۔ تیرے دہن آتشبار کی قسم میں اگر خدا کی بارگاہ سے خدائی پستول کا لقب پاؤں تو قوم و ملک اور رنگ و زبان کا امتیاز چھوڑ دوں۔ سب کو ایک نظر دیکھوں۔

پستول نے جواب دیا۔ ہاں

آخر زمانہ کا مہدی

گھوڑے پر سوار ہو چکا۔ اب وہ میدان میں عنقریب نمودار ہونے والا ہے۔ اسکے ہمراہ تجھ جیسے بے شمار خدائی پستول ہونگے۔ اسلئے تو آج ہی سے اپنے باطن کو صاف کر اولاد آدم میں یکسانیت و مساوات کے کام پھیلا تاکہ ہندوستان میں تجکو خدائی پستول کا لقب نصیب ہو۔

دوربین اور مکاشفات غیب

تمہاری آنکھ دور کی چیز نہیں دیکھ سکتی تو ایک دوربین منگالو۔ بُعد کی منزلیں قریب آجائینگی دوربین کیا چیز ہے سب جانتے ہیں۔ آدمی نے ہنر اور علم کے زور سے ایک شیشہ ایجاد کیا ہے۔ جہاں اس شیشہ کو آنکھ کے سامنے لگایا۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ سو گز پرے کے در و دیوار چہرہ کے پاس آگئے۔

بعض دوربینیں لاکھوں کوس کی چیزیں دکھا دیتی ہیں۔ آجکل یورپ والوں نے ایسی دوربین ایجاد کی ہے جس سے چاند سورج اور آسمان کے سب تاروں کی حقیقت نظر آجاتی ہے۔ لوگوں نے اس دوربین کے ذریعہ سے حساب لگاکے بتادیا ہے کہ سورج کتنا بڑا اور ہم سے کسقدر دور ہے۔ چاند اور مریخ زمین سے کتنے فاصلے پر ہیں اور انکی اندرونی حالت کیسی ہے۔ انہی دوربینوں سے قدرت کے نامعلوم بھید بھی کھُل گئے ہیں۔ مثلاً پہلے زمانہ میں فقط ایک چاند سورج کا علم تھا۔ اور نادان خلقت پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہنستی تھی کہ اس دُنیا کے علاوہ اور بھی متعدد عالم ہیں جہاں یہاں کی طرح چاند سورج اور مخلوق آباد ہے۔

مگر اب دوربین نے یہ جھوٹی سچا کر دکھایا اور یورپ والے مان گئے کہ اس سورج کے علاوہ جو ہم کو نظر آتا ہے اور جسکے طلوع و غروب سے دُنیا کے رات دن کا حساب مقرر ہے اور بھی بہت سے سورج ہیں اور انکے ساتھ بھی اسی طرح ایک عظیم الشان نظام اور کائنات گردش کر رہی ہے جس طرح ہمارے سورج کے ساتھ ہے۔ گویا دوربین نے غیب کی باتوں کو عیاں کرکے دکھا دیا۔ اور مسلمانوں کے ایمان بالغیب کی تصدیق ہوگئی۔ ان بڑی دوربینوں کے علاوہ میدان جنگ میں ایک اور دوربین استعمال کی جاتی ہے یعنی جنگی جہازوں اور خشکی کے لشکروں کے پاس ایک دوربین ہوتی ہے جس سے سیکڑوں کوس کے حالات معلوم ہوجاتے کہ موقع دشمن کس حال میں ہے اور اسکے پاس کیا کیا ساز و سامان ہے۔

بہرحال دوربین ایک عجیب طلسم کشا لوح ہے۔ جب آنکھ کے سامنے آتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے گویا دور کی چیز بالکل سامنے کھڑی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ وہاں نہیں ہوتی۔

دیکھنے والے کو صرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز قریب آگئی۔ تو کیا دوربین

دھوکہ کی ٹٹی ہے

نہیں یہ بات نہیں ہے۔ دوربین صداقت کا آئینہ ہے۔ وہ جو کچھ دکھاتی ہے بے کم و کاست سچ اور واقعی ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے آدمی جنکی آنکھ پر دوربین نہیں ہوتی اسمیں شک کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ اتنی دور کی چیز آنکھ کے پاس آگئی۔

چنانچہ صوفیائے کرام کے مکاشفات غیب پر ایسے ہی لوگ جو ظاہری دوربین کے کمال سے بے خبر ہیں۔ لعن طعن کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کو یہ بات بالکل عقل کے خلاف اور عجیب معلوم ہوتی ہے۔ ایسی ہی معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت وہ لوگ جنکی آنکھیں بصیرت کی دوربین سے محروم ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آن کی آن میں ساتوں آسمانوں کو طے کرکے عرش اعظم پر پہنچ گئے پروردگار عالم سے ملاقی ہوئے۔ دوزخ جنّت کی سیر دیکھی۔ اور واپس آئے تو بستر گرم تھا دروازہ کی کنڈی ہل رہی تھی۔ یعنے اتنے عظیم الشان سفر میں چند سکنڈ سے زیادہ عرصہ نہ لگا۔

مگر اسکو نہیں دیکھتے کہ دوربین کے اندر سے نگاہ آن کی آن میں لاکھوں کوس کیونکر پہنچ جاتی ہے اور بڑے بڑے مقامات کی سیر کرکے چند سکنڈ میں واپس بھی آجاتی ہے۔ تو آیا یہ مشاہدہ عقل کے موافق ہوتا ہے یا خلاف۔

اصل یہ ہے کہ نئے زمانہ کی تمام ایجادیں اور سائنس کے آلات بظاہر تو لوگوں کو خدا سے بے خبر کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص انکے باطنی حقائق پر غور کرے تو یہی چیزیں مذہبی عقاید کی مستحکم دلیلیں اور خدا پرستی کے

سگنل

بن جائیں اور پھر حیات انسان کی سب ریل گاڑیاں دُنیا کے سٹیشن سے بے خطر پاس ہوکر منزل آخرت تک پہنچنے لگیں۔

گُم اور اسکی نمود

غم و الم کا سچّا افسانہ

کُن کا مدمقابل۔ اُردو زبان میں گُم ہے۔ کن صیغہ امر اور عربی کا لفظ ہے۔ کہتے ہیں لفظ کُن سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ نہ یہ اونچا چمکنے جھلکنے والا آسمان تھا نہ یہ پھیلی ہوئی چوڑی چکلی زمین تھی۔ نہ کوئی اور مخلوق۔ سب سے پہلے کن نمودار ہوا۔ اور اس نے (یکون) یعنے کائنات کو ظاہر کیا۔ مگر ہمارا "گم" کن سے بھی پہلے موجود تھا۔ کیونکہ کن کہنے سے جو چیزیں بود و موجود ہوگئیں وہ پہلے نابود۔ معدوم اور گم تھیں۔ بلکہ غور کریں تو اُسوقت پر معدوم و نابود کا لفظ صادق نہیں آتا۔ کیونکہ معدوم و نابود اس چیز کو کہتے ہیں۔ جسکی سرے سے ہستی ہی موجود نہو۔ مگر کائنات کی ہستی نا موجود نہ تھی۔ خدا کے علم میں موجود تھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اسلئے اس زمانہ کیلئے جبکہ عالم کی پیدائش اور نمایش نہ ہوئی تھی۔ عدم کا لفظ ٹھیک نہیں ہے۔ اسکو لفظ گم سے یاد کرنا مناسب ہوگا۔

گم ایک چیز کے جاتے رہنے یا نہ ملنے کا نام ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ میری تلوار گم ہوگئی گویا تلوار پہلے موجود تھی۔ اور اب بھی کہیں نہ کہیں ہماری نظروں سے باہر موجود ہے۔ مگر چونکہ ہم سے غائب ہے۔ اسواسطے کہینگے کہ تلوار گم ہوگئی۔ یہ نہیں کہنے کے کہ تلوار معدوم ہوگئی۔

ایسے ہی کائنات اور عالم موجود و محسوس پیدائش سے پہلے چونکہ خالق کی علمی نظروں میں موجود تھا لیکن جس مخلوق سے باہر تھا۔ اسواسطے کہتے ہیں اور کہنا چاہئے کہ وہ گم تھا۔ اور جب گم تھا تو ثابت ہوگیا کہ گم سب سے پہلے موجود تھا۔

لہذا آدمیوں سے کہو کہ اس قدیمی و ازلی لفظ کی عزت کریں جو نمود مخلوق سے پہلے خالق کی ذات کے سایہ میں جلوہ افروز تھا۔

گم کی پُر الم داستان

مسلمانوں کی گم ہونے والی بادشاہت کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جب بہادر شاہ انگریزوں کے

ہاتھ میں گرفتار ہو گئے اور انکے گھر والے جنگلوں بیابانوں میں نکل گئے تو بادشاہ کی ایک صاحبزادی اپنی پانچ برس کی لڑکی کی انگلی پکڑے قطب صاحب کے جنگل میں ایک پہاڑ کے نیچے حیران پریشان کھڑی تھی۔ اسنے فوج کے ڈر سے سڑک چھوڑ دی تھی۔ اسکا خاوند رات سے گم تھا۔ کل شام کو یہ ایک ماما اور خاوند قطب صاحب کے پاس ایک گاؤں میں ٹھہرے تھے۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ ماما اور خاوند غائب ہیں۔ بچاری شہزادی بہت گھبرائی اور اپنی بیکسی و تنہائی پر بے اختیار رونے لگی۔ سب سے زیادہ چھوٹی بچی کا خیال تھا جو سویرے آنکھ کھلتے ہی روٹی کی ضد کر رہی تھی۔ غریب شہزادی نے پڑوس کے ایک میواتی سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرا گھر والا اور نوکر کہاں گئے۔ اس میواتی نے کہا میں نہیں جانتا۔ مگر اسکی بیوی بولی۔ رات کو بارہ بجے میری بھینس کھل گئی تھی۔ میں جو اسکو باندھنے کے لئے اٹھی تو دیکھا ایک فوجی سپاہی کھڑا ہے اور ماما سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ اسکے بعد دیکھا کہ چار سپاہی اور آئے جنکے ساتھ ایک گٹھڑی سی تھی۔ گٹھڑی کو لیکر ماما اور سپاہی کہیں چلدئے۔

شہزادی نے یہ سُنکر آہ کی۔ اور کہا غضب ہو گیا۔ کمبخت ماما شائد انگریزوں سے مل گئی اور میرے شوہر کو گرفتار کرا دیا۔ میواتی نے کہا۔ اس طرح چھپکر گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انگریز تو کھلم کھلا پکڑتے ہیں۔ انہیں کسکا ڈر تھا جو رات کو سپاہی بھیجکر چوری کراتے شہزادی نے جواب دیا۔ ہاں اس بھید کو میں خوب جانتی ہوں۔ اصل یہ ہے کہ میرا شوہر بادشاہی خزانوں سے واقف تھا اور اسکے پاس چند ایسے کاغذات تھے جن میں

بہادر شاہ کے مخفی خزانوں

کیفیت درج تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی افسروں کو اسکی خبر لگ گئی اور انہوں نے ماما کو ملکر اسکو خفیہ اور زندہ پکڑوا لیا۔ تاکہ سختی کر کے خزانوں کا بھید دریافت کر لیں۔

ہائے اسکے گم ہونے سے میرا کیا حال ہوگا۔ مگر یکایک ہاتھ بٹوہ پر جا پڑا۔ اور اسنے دیکھا کہ وہ مخفی کاغذ تو خود اسکے بٹوہ میں ہیں۔ اسلئے اسنے سوچا کہ اب مجکو یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہ سوچتے ہی اس گاؤں سے روانہ ہو گئی اور جنگل کا رُخ کر لیا۔ تاکہ اگر کوئی شخص کاغذ تلاش کرنے آئے تو میں اسکے شر سے محفوظ رہوں۔

اسوقت وہ ایک پہاڑ کے نیچے کھڑی قسمت و تقدیر کو رو رہی تھی کہ ایک فقیر سامنے

سے نمودار ہوا۔ اور بولا بیٹی کیوں روتی ہے۔ آ میرے ساتھ چل۔ یہ کہا اور لڑکی کو گود میں اُٹھا کر آگے آگے ہو لیا۔ سامنے اسکی جھونپڑی تھی۔ وہاں جا کر شہزادی کو بٹھایا۔ لڑکی کے آگے روٹی رکھی۔ کنوئیں سے تازہ پانی پینے کو لایا۔ شہزادی نے فقیر کے اصرار سے ٹکڑا کھایا۔ پانی پیا۔ اور خدا کا شکرانہ بھیجکر ٹوٹے ہوئے بوریہ پر لیٹ کر سو گئی۔

خواب میں کیا دیکھتی ہے جیسے فقیر چھری ہاتھ میں لئے اسکے سینے پر سوار ہے اور بٹوے کے کاغذ نکال رہا ہے۔ شہزادی یہ دیکھ کر چیخنے لگی۔ اور اسکی چیخوں کی آواز سُنکر اسکی بیٹی فقیر کو چمٹ گئی۔ فقیر نے جلدی سے کاغذ چھین لڑکی کو بغل میں دبا جنگل کی طرف راستہ چلنا شروع کر دیا۔ لڑکی کے لیجانے سے شہزادی بے چین ہو گئی۔ اور اسنے دوہائی دینی شروع کی۔ ارے میرے لال کو مجھ سے جدا نہ کر۔ جو کچھ میرے پاس ہے سب کچھ لے لے مگر لڑکی کو نہ لے۔ رونے چیخنے اور چلانے سے شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ نہ فقیر موجود ہے نہ لڑکی۔ اور نہ بٹوے میں کاغذ

سب گم

ہیں اب شہزادی کو برداشت نہ رہی وہ گھڑی ہو گئی۔ اور بے تحاشا دوڑنا شروع کیا۔ بیٹی کی ماتا میں کلیجہ مُنہ کو چلا آتا تھا۔ اور دل پکڑے ہوئے کبھی اِدہر جاتی تھی کبھی اُدہر جاتی تھی۔ اسی اثنا میں اسنے دیکھا کہ ایک سوار سامنے سے نمودار ہوا۔ جب وہ قریب آیا تو اسنے دیکھا کہ اسکا شوہر ہے گھوڑے سے اُتر کر شہزادے نے اپنی آشفتہ حال بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کیا حال ہے۔ لڑکی کہاں ہے اور وہ کاغذ بھی محفوظ ہیں جو مینے پرسوں رات کو بٹوے میں رکھ دئے تھے۔ یہ سُنکر شہزادی نے ایک ہائے کا نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئی۔ شوہر نے اسکا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور رومال سے اسکا پسینہ پونچھنے لگا تھوڑی دیر کے بعد شہزادی کو ہوش آیا تو بولی تم کہاں تھے۔ میری آنکھوں کا تارا دل آرا کہاں گئی۔ شوہر نے کہا خیر ہے۔ میں خود تم سے پوچھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ پرسوں مجھکو گھڑی میں باندھ کر دشمن کے فوجی لے گئے تھے۔ وہاں جا کر انگریزوں نے مجھ پر بہت زور دیا کہ بادشاہ کے خزانوں کا حال بتاؤ۔ مگر مینے کچھ نہیں بتایا۔ آج صبح تک برابر سختیاں ہوتی رہیں۔ آخر دوپہر کو جب فوج کسی معرکہ میں گئی ہوئی تھی تو میں ایک سچے مسلمان سپاہی کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا پہلے اس گاؤں میں

گیا یہاں پرسوں رات کو ٹھہرے تھے اور وہاں سے تمہارا پتہ چلاکر ادھر کو آیا۔ یہ قصہ سُنکر شہزادی نے پھر ایک ہائے کا نعرہ مارا اور کہا کہ مجھپر یہ بیتا گزری۔ خبر نہیں یہ فقیر کون شخص تھا جو میری بیٹی اور بڑے کے کاغذات کو لے گیا۔ کچھ دیر دونوں روتے دھوتے رہے اسکے بعد خاوند نے بیوی کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور گوڑگانوہ کی طرف چلدیا کیونکہ اس پاس کے گاؤں میں معلوم ہوا تھا کہ فقیر ضلع گوڑگانوہ کا رہنے والا ہے۔ گوڑگانو میں جاکر ہر چند ڈھونڈا مگر فقیر کا کہیں نشان نہ ملا۔ مایوس ہوکر یہ دونوں اور جے پور ہوتے ہوئے ریاست ٹونک میں پہنچے۔ یہاں ایک رئیس زادے نے ان کی پریشان حالی اور شاہی نسل ہونے کا حال معلوم کرکے عزت آبرو سے اپنے وہاں ٹھہرایا اور ایک خاص مکان انکے رہنے کو دیدیا۔ ایک برس کے بعد ایک دن یہ دونوں میاں بیوی اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے ایک فقیر دروازہ پر مانگنے آیا شہزادہ نے خادمہ سے کہا کہ تھوڑی سی روٹی اس فقیر کو دی آ جب عورت روٹی لیکر باہر گئی تو اسنے دیکھا کہ ایک نہایت گوری چٹی لڑکی پھٹے پرانے چیتھڑے لگے ہوئے کپڑے پہنے جھولی ہاتھ میں لئے کھڑی ہے فقیر نے روٹی لیکر لڑکی کی جھولی میں ڈالدی اور آگے کو چلدیا۔ ماما نے یہ سارا حال بیوی سے آن کر بیان کیا۔ شہزادی کا دل چوٹ کھایا ہوا تھا اسنے فوراً اپنے میاں سے کہا اچھی جاکر دیکھنا کہ کون لڑکی تھی۔ خاوند کو بھی اپنی لڑکی کا خیال آیا۔ اور جوش خروش میں گھر سے نکل کر فقیر کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ مگر فقیر کا کہیں پتہ نہ لگا۔ مایوس ہوکر واپس آیا۔ چند روز کے بعد جمعہ کی نماز پڑھکر شہزادے اپنے گھر کو آرہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ جلتی زمین کے اوپر دھوپ میں ایک لڑکی بیٹھی ہے اور آنے جانیوالوں سے پیسے مانگتی ہے اور ایک بوڑھا فقیر اسکے پاس بیٹھا ہوا ہے جب یہ ذرا اسکے قریب گئے تو انہوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ لڑکی وہی میری گم شدہ لڑکی ہے۔ بس پھر کیا تھا مارے غصہ کے آپے سے باہر ہوکر فقیر کی ڈاڑھی پکڑلی اور دو تین مکے اسکے مارے اور لڑکی کو گود میں لیکر پیار کرنا شروع کیا۔ لڑکی یہ تماشا دیکھ کر سہم گئی اور میرا قلندر بابا میرا قلندر بابا کہنے لگی شہزادے نے کہا میری جان میں تمہارا باپ ہوں اور یہ فقیر تو چور ہے جو تم کو چُرا کر لے گیا تھا۔ لڑکی نے کہا نہیں میرا باپ تو یہی قلندر ہے جو مجکو روٹی کھلاتا ہے اور آرام پیار سے رات کو اپنے پاس سُلاتا ہے مجھکو اُسی کے پاس چھوڑ دو۔ دیکھو مجھے کو دسے

اُتار دو تمنے میرے قلندر بابا کو کیوں مارا۔ انہوں نے تمہارا کیا کیا تھا شہزادہ یہ سُنکر حیران ہوگیا۔ اتنی سال بھر میں لڑکی مجھکو بالکل بھولگئی اور فقیر بھی کا کلمہ پڑھنے لگی۔ اس اثنا میں سیکڑوں آدمی جمع ہوگئے کسی نے کہا میاں لڑکی کی صورت سے معلوم ہوتا ہے یہ لڑکی فقیر کی نہیں ہے۔ کوئی بولا واہ لڑکی خود کہتی ہے۔ صاحب عالم فقیر کا دل نہ دکھاؤ۔ دیدو اس لڑکی کو۔ خلقت کی چہ میگوئی سے شہزادہ اور بھی پریشان ہوا۔ اور بولا بھائیو ذرا صبر کرو۔ لڑکی کی ماں موجود ہے۔

وہاں ان سب کو لے چلو اسوقت فیصلہ ہو جاویگا۔ چنانچہ شہزادہ لڑکی کو گود میں لئے اور فقیر کو پکڑے ہوئے گھر پر آیا۔ لوگوں نے فقیر کو باہر روکے رکھا اور شہزادہ لڑکی کو لیکر گھر میں گیا۔ ماں اپنی گم شدہ لڑکی کو دیکھکر بیتاب ہوگئی۔ سینے سے لگالیا اور دیر تک بھینچ بھینچ کر روتی رہی۔ وہاں بھی اس لڑکی نے کہا۔ بس بی بس ہل چکیں اب مجھکو میرے قلندر بابا کے پاس بھیجدو۔ شہزادی نے کہا اوئی بچی کیا تو اپنی ماں کو بھی بھول گئی۔ لڑکی نے کہا میری ماں کوئی نہیں۔ میں تو فقیر کے گھر میں پیدا ہوئی ہوں۔ ماما بولی۔ ہے ہے بیوی موئے فقیر نے جادو کر دیا ہے۔ شہزادہ نے کہا ہاں ہاں بیشک یہی بات ہے۔ دیکھو میں ابھی تلوار کے زور سے اس جادو کو اُتارتا ہوں۔ یہ کہا اور کھونٹی سے تلوار اُتار کر میان سے کھینچ لی اور باہر نکلا۔ وہاں دیکھا ہزارہا آدمی جمع ہیں اور انکے بیچ میں فقیر آنکھیں بند کئے کھڑا ہے جو ہیں شہزادہ باہر نکلا فقیر نے آنکھیں کھولدیں اور مسکرا کر کہا کہ بہادر مغل زادے اپنی تلوار کو میان میں چھپا۔ یہ میدان کے لئے ہے۔ فقیر اسکی کچھ پروا نہیں کرتا۔ شہزادہ نے طیش میں آکر جواب دیا۔ ڈاکو دغاباز جادوگیرے۔ میرے لخت جگر کو چُرا کر لے گیا۔ تمام رازدار کاغذوں کو لوٹ لیا اور آج مجھکو دھمکاتا ہے۔ فقیر پھر ہنسا اور بولا۔ ارے نادان کیسی چوری۔ کیسا ڈاکا۔ کیسے کاغذ۔ کیسی لڑکی ہوش حواس کی خبر لے۔ یہ باتیں سب لوگوں کے سامنے کہنے کی نہیں ہیں۔ آچل تیرے گھر میں چلکر بیان کروں گا۔

فقیر نے کچھ اس ہیبت کی شان میں یہ فقرے کہے کہ شہزادہ کانپ گیا اور فقیر

ہاتھ پکڑے ہوئے گھر کی ڈیوڑھی میں چلا گیا اور باہر سے دروازہ بند کرلیا۔ اندر جاکر فقیر نے لڑکی کو اور اسکی ماں کو سامنے بلایا اور تینوں کو مخاطب کرکے کہا۔ میرے بچو سنو آج میں خدا کے بھید کو تم پر ظاہر کرتا ہوں۔ یاد رکھو تمہارے خاندان سے حکومت کا جانا قہر الٰہی کا نشان ہے۔ خداوند یہ نہیں چاہتا تھا کہ دہلی کے مخفی خزانے انگریزوں کو معلوم ہوں اور اُسکو یہ بھی منظور نہیں تھا کہ تمہارے پاس اُسکا علم باقی رہے اسواسطے اسنے مجھکو بھیجا تاکہ میں پُر اسرار کاغذات تم سے لے لوں۔ چنانچہ میں نے اُن کو لے لیا۔ لڑکی کا گم ہونا یہ بھی ایک امتحان تھا جو میرے ذریعہ سے لیا گیا۔ اب یہ لڑکی تمہاری ہے۔ تم اسکو اپنے پاس رکھو۔ اب یہ مجھکو بھول جائے گی۔ اور تم ہی کو اپنا ماں باپ سمجھے گی۔ مگر خیال رہے کہ اس راز کا ذکر کہیں نہ ہونے پاوے۔ شہزادہ کے دل میں خیال آیا کہ فقیر مکر کرتا ہے۔ یہ سوچکر اُسنے ایک وار تلوار کا فقیر کی گردن پر مارا۔ تلوار کا چلنا تھا کہ ایک بجلی سی چمکی اور بجائے فقیر کی گردن کے شہزادہ کی گردن کٹ گئی۔ یہ دیکھ کر شہزادی اور اُس کی بیٹی دونوں فقیر کے قدموں میں گر پڑے۔ اور رو رو کر معافی مانگنے لگے۔ فقیر نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور گم گم گم کہتا ہوا زمین کے اندر دھس گیا اور غائب ہوگیا۔

یہ حکایت گھر کی مامانے جو ٹونک میں شہزادی صاحب کے یہاں نوکر تھی ہم سے بیان کی تھی۔ ممکن ہے اسمیں کچھ مبالغہ ہو اور ممکن ہے ان واقعات میں کچھ تفاوت اور فرق ہو۔ لیکن ہمیں تو اس قصے کے بیان کرنے سے مضمون گم پر روشنی ڈالنی مقصود ہے۔ گم کیا چیز ہے۔ اور عالم تعین اور مثال میں اسکی کیا شان ہے۔ اسکی چند شکلیں اس قصے میں نظر آتی ہیں۔ یعنے جس طرح کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہر چیز خدا کے علم میں گم تھی۔ اسی طرح اب بھی جبکہ مخلوق پیدا اور ظاہر ہے بیشمار چیزیں ہیں کہ وہ عالم اخفا میں گم موجود ہیں۔

مغلوں کی حکومت کا فنا ہونا انکے خاندان کی مصیبتیں۔ اور خاصکر یہ افسانہ ظاہر کرتا ہے کہ گم کی پوشیدہ صفات اس قسم کے واقعات میں اپنا جلوہ دکھاتی ہیں اور عنقریب اپنا جلوہ دکھائینگی۔ کیونکہ دہلی کے خزانے گم ہیں اور قدرت نے اُنکو مخفی اور مستور کردیا ہے۔ وہ ایک ہادی بامر اللہ برحق کے لئے

کھلنے والے ہیں۔ فقط مغلوں کے خزانے نہیں لودھیوں کے۔ تغلق کے خلجیوں کے سیدوں کے۔ غلاموں کے۔ اور اُن ہندؤں کے جو اسلامی حکومت سے پہلے ہندوستان پر ہندوستان کے راجا تھے۔ یہ سب کے سب میدان گم سے عرصۂ نمود میں آنیوالے ہیں۔ پس آج یہ چند سطریں صفات یزدانی کے خیر مقدم میں لکھی جاتی ہیں جنکا پہلا جھنڈا نمود گم ہے۔

گلاب تمہارا کیکر ہمارا

ان سب شاعروں کو سامنے سے ہٹاؤ۔ جو گلاب کے پھول پر مرتے ہیں سینکڑوں برس سے ایک ہی چہرے کے طلبگار ہیں۔ یہ سب لکیر کے فقیر ہیں۔ مقلد ہیں سُنی سُنائی۔ تقلیدی باتوں پر جان دیتے ہیں۔

میں کچھ اور دیکھتا ہوں۔ مجھکو ایک اور آنکھ ہی ہے۔ جو ان سب سے اونچی ہے۔ میرے دل کی ہمنشینی وہمسری کے ان میں سے ایک بھی قابل نہیں میں بندہ ہوں۔ سب بندوں کی مثل ہوں۔ میں بشر ہوں۔ تمام بنی آدم کے برابر درجہ لیکر آیا ہوں۔ میں نبی نہیں ہوں۔ ولی نہیں ہوں۔ مہدی اور عیسےٰ نہیں ہوں۔ دعویٰ خود نمائی وخود ستائی سے بھی انکار ہے۔ مگر میں عالم تعین وہستی مثالی کی ایک تصویر ہوں۔ جسمیں رنگ فطرت کی قلمکاریاں ہیں۔ اسواسطے میں خود اپنے وجود کا طلبگار ہوں۔ اور اسی لئے یہ تعلی یہ خود آرائی ہے تاکہ میں خود کو اپنی خودی دکھاؤں اور خطاب کروں۔

کہ یہ جتنے تُک جوڑنے والے شاعر ہیں سب نے گلاب کے پھول کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ کوئی اسکی بھینی بھینی بو پہ فدا ہے۔ کوئی اسکی نازک نازک پتیوں پر نثار ہے۔ کسی کو اسکے رنگ سے رخسار محبوب کی یاد پیدا ہوتی ہے کسی کا دل اسکے کھلنے اور مرجھانے کے انقلابات میں اسیر ہے۔ بعض ہیں کہ جو گلاب کے خار سے خار کھائے بیٹھے ہیں۔ خیر یہ جتنی باتیں ہیں ان میں تو شکایت کا کوئی موقع نہیں ہے۔ کہنا یہ ہے کہ انھوں نے خدا کی بے شمار

مخلوقات کی حق تلفی

کی ایک ہی دروازہ پر ڈیرے ڈالدئے - ایک ہی آئینہ کی دید میں مدہوش ہو کر رہ گئے - اور اُن بیشمار جلووں کو نہ دیکھا جو اُنکے لئے صفحہ ہستی پر نمودار کئے گئے تھے - یہ اُنھوں نے بہت بڑا گناہ کیا - اسمیں اُن سے ایسی خطا سرزد ہوئی ہے جسکی سزا نہایت ہولناک ہونی چاہئے - گلاب کی اُلفت میں باغ لگائے چمن بنائے - مالی محافظ بسائے - پانی کھچوائے - اور زمین کے تختوں کو سیراب کیا پھولوں کی ٹہنیوں کے سامنے اپنے تخیل کے ذوق کو سجدے کرائے -

یہ نسیب نہوا کہ جنگل میں نکل جاتے - خودرو پھولوں کو دیکھتے جنکا مالی خدا ہے - جنکا چمن صحرا ہے - جنکی سیر ابی قدرتی سیلابی سے ہے - ان میں ایک

کیکر تھا

کیا چُپ چاپ تھا - کیا مضبوط و توانا تھا - اسکی شاخیں دیکھی ہوتیں - اسکی پتیوں پر غور کیا ہوتا - گلاب کی ٹہنی میں کیا رکھا ہے - ایک کمزور لچکنے اور ٹوٹ جانے والی شاخ ہے - جسکو آجکل کے

شہر و رزمانہ

میں بقول ڈارون رہنے کا کوئی حق نہیں - یہ وقت اُنکی زندگی کا ہے جو حوادث ایام کا مقابلہ کر سکتے ہیں - جنکے اعضا دوسروں کے کام آتے ہیں - کیکر کی چھال مفید جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں - اور مختلف رنگ تیار ہوتے ہیں - کیکر کی لکڑی سیکڑوں کام میں انسان کی مدد کرتی ہے - کیکر کی پتیاں بکریاں کھاتی ہیں اور آدمی کو دودھ دیتی ہیں - کیکر کی پھلیاں بھی چارہ اور رنگ بنانے میں کام آتی ہیں - یہ میاں گلاب کس مرض کی دوا ہیں - پیٹ میں درد ہو تو گلقند کھلاؤ - ہیضہ ہو جائے تو گلاب پلاؤ - مرجاؤ تو قبر پر چڑھاؤ - اور بھی کوئی کام اس منحوس وجود سے نکلتا ہے -

گلاب کے کانٹوں کو دیکھو کیسے دھوکہ باز ہیں دکھائی نہیں دیتے - ہاتھ لگاتے ہی چُبھ جاتے ہیں - کیکر کے کانٹے دور سے نظر آتے ہیں کیا مجال کہ بے خبری میں کسی کو ستائیں -

گلاب کے کانٹے سوکھ جائیں تو پھینکدینے کے قابل - کیکر کے کانٹے سوکھ کر گھروں اور کھیتوں کی حفاظت کریں - اسپر طرہ یہ کہ کیکر کا کانٹا کیسا سیدھا سادہ اور رنگیلا ہوتا ہے رنگ دیکھو تو وہ بھی انوکھا نرالا - شاعروں کے گلاب کو یہ بات کہاں میسّر

گلاب کے درخت میں پتے بالکل بدشکل اور بیکار۔ کیکر کی پتیوں کے کیا کہنے کیسی چھوٹی چھوٹی ننھی ننھی ہستیاں ہیں کہ بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔

کیکر کا پھول گلاب کے پھول سے لاکھ درجہ اچھا۔ گلاب کا پھول ایک دن کی تیز دھوپ میں کملا اور مرجھا جاتا ہے اور کیکر کا پھول ہفتوں سورج کا مقابلہ کرتا ہے اور آجکل تعریف اسی کی ہے جو دشمن کے مقابلہ میں زندہ سلامت رہے۔

گلاب کا پھول سُرخ یا سُرخی مائل اور ایسا کچا کہ مالیوں کی اُستادی سے رنگ بدل دیتا ہے مالی جسکو چاہیں سُرخ رکھیں۔ جسکو چاہیں سفید بنا دیں۔

کیکر کا پھول اپنے رنگ میں پختہ سارے جہان میں ایک ہی زرد رنگ کیا مجال جو کوئی شخص اسکے رنگ کو بگاڑ سکے۔

شاعر کہتے ہیں گلاب کے پھول سے معشوق یاد آتا ہے میں کہتا ہوں کیکر کے پھول سے عشق یاد آتا ہے جس سے انسان کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

اب بتاؤ عشق اچھا یا معشوق۔ عشق نہوتا تو نہ عاشق کو کوئی پوچھتا نہ معشوق کی کچھ وقعت رہتی۔ یہ عشق ہی کی بدولت سب بستیاں آباد ہیں۔

ارے نادان تجھے شاعروں سے کیا کام۔ پہلے اپنے وجود کے تخیلات کو درست کر ان میں فطرت شناسی کا ملکہ نمودار ہونے دے۔ آج گلاب کو چھوڑ کر کیکر کے آگے جھومتا ہے کل اسکو بھی چھوڑ یو۔ کسی اور پیکر کے جلوہ میں دھیان جمائیو۔ ساری دُنیا میں کانٹے پھیلے ہوئے ہیں کس کس جگہ جھاڑو دیگا۔ خود جوتی پہن لے۔ اور راستہ چلنے لگ۔ ہاں تو حق پر ہے ہاں یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو منزل جاناں تک جاتی ہے۔ من و تو کا حجاب اُٹھا اسکے بعد خود اپنی خودی کا پردہ کھول کر اندر گھس جا۔ پھر یہ آواز نہ آئے گی کہ گلاب تمہارا اور کیکر ہمارا

اوس

تم شبنم نہیں کہتا یہ فارس والوں کا لفظ ہے۔ فارس پر ادبار کی اوس پڑ چکی۔ وہ وقت اب کہاں ہے جب ایران کے چمن آباد تھے۔ سعدی و حافظ کی حقیقت شناس نظریں پھولوں کی ڈالیوں اور گھاس کی پتیوں پر شبنم کی بہاریں دیکھتی تھیں اب تو روسی ظالموں کے ستم و جور

سے بیوہ اور یتیموں کی آنکھیں قطرات شبنم کی مثل آنسوؤں کی اوس پلکوں پر جماتی ہیں۔

برسات کے موسم میں کوئی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کا خواستگار ہے کسی کو اودی اودی کالی کالی گھٹائیں پسند ہیں کسی کا دل بادلوں کی کڑک اور بجلی کی چمک سے مست ہو جاتا ہے مجھکو تو برسات کی یاد ابھاتی ہے کہ جب مینہ برس کر کھل جاتا ہے اور صاف آسمان کی رات گزر جاتی ہے تو صبح کے وقت درختوں پھولوں اور جنگل کی گھاس کی عجیب شان ہوتی ہے اوس کے قطرے پھولوں کی پتیوں پر ایسے چپ چاپ نظر آتے ہیں جیسے رات کو آسمان کے تارے تھے۔ کیا خبر ہے کہ رات کے وقت تارے ٹوٹ پڑے ہوں یہ انہیں کی گل فشانیاں ہیں۔

کہتے ہیں اوس میں سونا اوس میں پھرنا جسم انسان کیلئے مضر ہے۔ خبر نہیں یہ کیوں کہتے ہیں خدا کی ساری مخلوق تو اوس باری سے تروتازہ اور نہال نہال ہو جاتی ہے۔ انسان بھی ایک مخلوق ہے اُسکو اس سے کیوں نقصان پہنچتا ہے۔

یہ تو سائنس والے بتائینگے کہ اوس کیا چیز ہے۔ کہاں سے آتی ہے۔ کیوں آتی ہے۔ فقیر تو اتنا جانتا ہے کہ اوس قدرت ربانی کا ایک عجیب وغریب جلوہ ہے جنکی آنکھ بہت سویرے بیدار ہونے کی عادی ہے وہ صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے اوس میں ذات الٰہی کے ہزاروں جلوے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک شخص کو دیکھا باغ میں جوئی کے پھولوں کے پاس جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور ایسا مستغرق تھا کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہیں تھی درحقیقت جوئی کے پھول پر اوس کا انداز فیاست کا انداز ہوتا ہے۔ چھوٹا سا پھول نازک نازک پتیاں اور اُسپر اوس کی ننھی ننھی بوندیں حس وحرکت کرنے والے دل کیلئے دور محشر سے کم نہیں۔ اوس کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ رات کو پیدا ہوتی اور سورج کے نکلتے وقت مرجاتی ہے۔ اوس کی سیرابی باران رحمت کی طرح ہر عام وخاص چھوٹے بڑے نیچے اونچے کے لئے یکساں ہے۔ گرمینہ سورج کا مقابلہ کرتا ہے بادلوں کے لشکر لاتا ہے تو آفتاب کو پوشیدہ ہونا پڑتا ہے مگر اوس بیچاری بڑی ڈرپوک صلح کل ہے۔ آسمان پر جب سورج کا عمل دخل نہیں رہتا اور بادل بھی اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں اُسوقت یہ نمودار ہوتی ہے اور سورج کے نکلتے کے ساتھ ہی جان دیدیتی ہے۔

اوس کی شکایت

انسان اگر یہ شکایت کرے تو حق بجانب ہے کہ اوس تمام درہ دیوار کو شجر و حجر کو تر کر دیتی ہے۔ مگر کسی پیاسی زبان کی تشنگی دور نہیں کر سکتی۔ اُردو زبان میں ایک مثل ہے کہ

اوس جب پڑتی ہے تو ہاتھی بھیگ جاتا ہے۔ گویا ہاتھی اوس میں نہالیتا ہے۔ مگر چڑیا کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہ قدرت کا ایک نہایت گہرا راز ہے۔ اسمیں اوس کی کچھ شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اوس بھی ایک نشانی ہے جسکو دیکھکر دل حق پرست میں عرفان یزداں کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

رمضان میں سیاہ سفید ڈورے کی رہنمائی

دُنیا کی سب سے بڑی کتاب میں رمضان کی نسبت خدا نے لکھا کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر کھاؤ پیو جبتک کہ صبح کا سفید ڈورا کالے ڈورے سے نمایاں نہ ہو جائے۔ اہل فقہ کہتے ہیں کہ صبح کاذب کے بعد جب صبح صادق نمودار ہونے لگے تو کھانا پینا ترک کر دینا چاہیئے۔ ایک جماعت نے اس آیۃ کی تفسیر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ صبح صادق جب ہوتی ہے کہ نور سحر کے سبب آنکھ کالے سفید ڈورے میں تمیز کرنے لگے۔

یہ تو اہل علم کے مسائل ہیں۔ گدڑی پوش بے نوا کو یہ بحث مقصود نہیں ہے وہ تو قرآن بھیجنے والے کی اس ادا کو دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہے جو خیط ابیض اور خیط اسود یعنے سفید کالے ڈورے کے الفاظ میں نظر آتی ہے۔

اگر زخمی دل والوں اور تیر خوردہ اہل جگر کو معلوم ہو جاتا کہ روزے کی سحری میں نور و ظلمات کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں۔ اور رخ و زلف کے جلووں سے رہنمائی ہوتی ہے تو ساری عمر روزہ ترک نہ کیا جاتا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے جو بعض مست الست بارہ مہینے لگاتار روزے رکھتے ہیں۔ ان پر انہی کالے سفید ڈوروں نے ڈورے ڈالے ہیں۔ خلقت و لائق گھڑیوں۔ گولوں اور نقاروں پر آسرا جمائے بیٹھی رہتی ہے ہزار میں شاید ایک آدمی کو بھی سحری کے وقت خدا کی بتائی ہوئی گھڑی کا خیال نہ آتا ہوگا۔

اگر وہ مجازی حیثیت سے ہی صبح کاذب اور صبح صادق کو محض وقت سحری معلوم کرنے کے لئے دیکھا کرے تو وقت سحر کے ہزاروں جلوے آسمان پر نظر آئیں۔

چشم حقیقت ان سیاہ و سفید ڈوروں میں رات دن کی سیاہی سفیدی سے علیحدہ ایک چیز دیکھتی ہے۔ اسلئے اسکو رمضان کی سحری مینوسپل کمیٹی کی ممبری۔ چھوٹے

لاٹ کی کونسل کی ممبری۔ بڑے لاٹ کی کونسل کی ممبری۔ اس سے بھی آگے عہدۂ ججی اور اگر میسر آئے تو منصب وائسرائے یا وزیر ہند اس سے بھی بڑھکر سپت اقلیم کی بادشاہی سے بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔

دُنیا کے حریص بادشاہوں اور امیروں سے کہو کہ اپنی طمع کاریوں کو چھوڑ دیں اور پچھلی رات بیدار ہوکر کالے سفید ڈوروں کی بہار دیکھیں۔ کہ کیونکر رات کی تاریکی میں نور کی سپیدی نمودار ہوتی ہے۔ اور اس ظہور کے وقت دل کو اگر اسمیں جس ہو کیسی لذت آتی ہے۔ اگر وہ اس لذت کا ایک بار بھی معائنہ کریں تو دُنیا کے یہ تمام جھگڑے فساد مٹ جائیں۔ مگر وہ سیاہ سفید ڈورے والے جناب تو خیر وشر کے قبضہ دار ہیں۔ وہ کب گوارا کرینگے کہ یہ آنکھ ان کی شان کو دیکھ کر لطف اُٹھائے۔

گیان کتھا

اپنے گیانی دیس ہندوستان کو کیا کہوں۔ بدیسی سنگت سے اگیانی ہوگیا۔ یونیورسٹی کی کتابوں میں صبر و سنتوش شانتی و اطمینان کا راستہ ڈھونڈتا ہے۔

کل پچھلی رات آکاش بانی صدائے ہُو میرے کان میں آئی۔ کہا۔ علم کاغذی کتاب میں نہ دیکھ۔ سنسار۔ کائنات۔ ہستیِ موجود کا ورق کھول۔ اسمیں دھیان کر۔ اور گیانی بن۔ مینے کہا۔ تو آ۔ اور مجھکو پڑھا۔ میرے پرم گیان پر بھو۔ عالم اسرار خداوند نے اسکو مانا۔ اور مجھپر نازل فرمایا۔

پانی دیکھنے میں ایک مگر مزہ سمندر کا کھاری۔ کنوئیں۔ دریا کا میٹھا۔ گلاب کی جڑ اور تخم ایک۔ لیکن پھول۔ پتے۔ کانٹے میں جُدائی۔ پانی کی افراط درخت کو گلا دیتی ہے مگر کنول کے پھول کی زندگانی لبریز پانی سے ہے۔

تو دیکھ بگلا سفید ہے۔ کوئل کالی ہے۔ طوطا سبز ہے۔ توتُن انجن کی سیٹی کان کو ناگوار ہے۔ اور پپیہا کے نغمے دلنواز۔ تو چکھ۔ املی کھٹی ہے۔ نیم کڑوا ہے۔ گھر سے نکل۔ پہاڑ اونچے ہیں۔ زمین نیچی ہے۔ دریا بہتے ہیں۔ کنارے ساکن ہیں۔ غور کر سورج روز نکلتا اور روز چھپ جاتا ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں نور و ظلمت کی دو حکومتیں بلٹ جاتی ہیں۔

یہ کیوں ہے؟

تیرے صبر و قرار کے لئے سنسار بے قرار ہے۔ شعلے بھڑکتے ہیں۔ دریا بہتے ہیں سمندر موجیں مارتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ بادل آتے جاتے برستے برساتے ہیں بجلی چمکتی کڑکتی ہے۔ بوندیاں اعلیٰ سے اسفل ہوتی ہیں۔ تاکہ تیرا وجود انقلاب ایام سے گھبرا نہ جائے اور جانے کہ گردش ہر موجود کی ڈیوٹی ہے۔ بدلنا ہر حالت کا اقتضا ہے سمندر ہلتا اور نشیب و فراز کے عالم اپنی صحت کی خاطر برداشت کرتا ہے۔ ورنہ اسکا پانی سڑ جائے۔ دریا اپنی زندگی کے لئے رواں دواں ہے ورنہ تالاب کا گندہ پانی کہلائے۔ ہوا نہ چلے تو کمزور زہریلی اور بھاری ہو جائے۔ شعلۂ آتش نہ بھڑکے تو دھوئیں کی تاریکی میں تابود رہے۔ بادل نہ برسیں تو دوسرے سال سمندر میں ابخرے پیدا نہ ہوں۔ اور انکی نسل قطع ہو جائے۔ بجلی چمکنا گرجنا چھوڑ دے تو فلک کے اعیان و اشراف میں بے آبرو ہو جائے۔ بوندیاں خاک کی پامالی سے انکار کریں تو ابرِ رحمت کے خطاب سے محروم کر دی جائیں۔

انسان! آدمی!! خیال کر۔ جب ہر چیز اپنی غرض اور ذاتی مطلب کیلئے متحرک ہے۔ تو تو کیوں پریشان ہوتا ہے۔ کرم کر۔ عمل کر۔ گیان۔ موکش۔ نجات۔ سرور ابدی۔ عمل و حرکت میں ہے۔

دنیا کی بنیاد خوشی و راحت پر ہے

دیوانہ ہوا ہے۔ زندگی کو آلام و مصیبت کی پوٹ سمجھتا ہے۔ تو کیسا نادان ہے بینے نیچر و فطرت کی بنا خوشی و راحت پر رکھی ہے۔ جب تو بیمار ہوتا ہے۔ ابر سورج پر آجاتا ہے۔ دریا کنارے سے اُبل پڑتا ہے۔ تو تو صحت۔ روشنی اور سیلاب سے سلامتی مانگتا ہے۔ اور کہتا ہے میں تکلیف میں ہوں۔ مگر بیماری کے جاتے رہنے بادل کے پھٹ جانے۔ طوفان کے تھم جانے سے کیا کوئی نئی چیز حاصل ہوتی ہے۔ بیماری گئی تو وہ تندرستی آئی جو پہلے تھی۔ بادل پھٹا تو وہ سورج چمکا جو پہلے اسی طرح چمکا کرتا تھا۔ طوفان رُکا۔ دریا سمٹا تو وہی کنارہ نظر آیا جو ہمیشہ خشک رہا کرتا تھا۔ کوئی نئی چیز تجھکو حاصل نہیں ہوئی۔ اسکو سوچ۔ بینے تجھکو تندرست۔ بشاش۔ مطمئن پیدا کیا ہے تیرے اعمال۔ تیرے کرم تجھکو تکلیف دیتے ہیں جو عارضی ہوتے ہیں اور اسکا دور ہونا اور اصل بنیاد کا ازسرِ نو نمودار ہونا میرا اٹل قانون ہے۔ اسواسطے عارضی تکلیفات سے

مضطرب اور مایوس نہ ہوا کر۔
پھانس نکلنے کو چبھتی ہے۔ پیاس بجھنے کو لگتی ہے۔ بھوک پیٹ بھرنے کیلئے پیدا ہوتی ہے۔ جب کانٹا چبھے سمجھ کہ اسکو ایک وقت نکلنا ہے۔ بھوک پیاس کی خواہش ہو خیال کر کہ کھانا پانی ملنا لازمی ہے۔ بیماری آئے تو یقین کر کہ تندرستی بھی اسکے ساتھ ہے۔
جینے آدم کو اپنے وجود محیط الکل کا آئینہ بنایا ہے۔ اسمیں میری کبریائی دیکھ میری رعنائی اور قہاری مشاہدہ کر۔ میری رحمدلی و ملنساری کو محسوس کر۔ اسرار مخفی کے نمود و ظہور کی خاطر یہ کارخانہ بنا ہے۔ انکو نمودار ہونے دے۔ جب تو آئینہ ہے تو میرے ہاتھ میں رہ۔ اور جو کچھ تجھ میں نظر آئے اُس میں دخل انداز نہو۔
معبود عبد نواز کے اس القا کے بعد جینے اپنے جسم۔ اپنی قوم کے جسم۔ اپنے ملک کے جسم اعضا سے خطاب کیا جو حوادث ایام سے آشفتہ تھے۔ اور روح سے نادانی کی مطالبات کر رہے تھے اور کما ظہور صفات کے کرشموں سے ہراساں اور مایوس نہ ہو۔ اور اپنے رب پر توکل و اعتماد سیکھو جسمیں راحت و ایمان ہے۔

ہردواری گنگا کے کنارے چنتامن رتی

کیسا اچھا وقت تھا جب اس مضمون کا لکھنے والا۔ ننگے پاؤں۔ ننگے سر بغل میں جھولی کندھے پر تنبل۔ ہاتھ میں ڈنڈا لئے ہردوار میں۔ ہر کی پیڑی کے سامنے گنگا کے عالم آب کی بہار دیکھ رہا تھا۔
دریا لہریں مارتا۔ نہانے والوں کے میل کچیل کو صاف کرتا۔ پختہ سیڑھیوں کو گلے لگاتا اٹھکیلیاں کرتا ہوا جا رہا تھا۔
مجکو عالم محویت و استغراق میں دیکھ کر ایک سادھو مورتی اُدھر آن نکلی میں سمجھا۔ کوئی پوجاری ہے۔ اسلئے توجہ نہ کی اور مُنہ پھیر لیا۔ کیونکہ تین روز سے پوجاریوں نے میرے اطمینان کو غارت کر رکھا تھا۔ اجنبی دیکھ کر نذرانے مانگتے تھے۔ اور سکوت کے لطف کو برباد کرتے تھے۔
سادھو داتا تاڑ گئے اور بولے۔ گنگا جی کی لہروں میں دُکھ سکھ دونو ہیں۔

دُکھ سے گھبرانا سُکھ سے ہاتھ اُٹھانا ہے۔

کانوں کو اس مزیدار بات نے متوجہ کرلیا۔ مُڑ کر دیکھا۔ عجیب نورانی صورت تھی۔ ساٹھ ستر برس کی عمر۔ مگر آنکھیں عہد شباب کی مستی سے مخمور۔ چہرہ ماہتاب کی مانند پُرنور۔ میں بولا۔ جا بابا اپنا کام کر۔ یہاں دُکھ سُکھ سے غرض نہیں۔ ہر۔ کا نام سُنا تھا۔ دوار کے لفظ نے بیتاب کیا تھا۔ اِدھر بھی آ گئے۔ دُکھ سُکھ کا قصہ اُنکو سُنا۔ جنہوں نے یہ سامنے کا کتبہ لگایا ہے۔ جسمیں گنگاجی کے مناقب ہیں۔ سادھو نے مُنہ پھیر کر اُس پتھر کو دیکھا جس پر اُردو زبان میں گنگا کی تعریف کے اشعار کندہ تھے۔ اور ہنسکر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ ان لکیروں سے تو مجکو بھی کچھ سروکار نہیں۔ اپنی جھولی کو ٹٹولو اسمیں کیا ہے

مینے کہا اسکو نوٹ بک کہتے ہیں جی چاہتا ہے تو اسمیں کچھ لکھ لیتا ہوں۔ کہنے لگا اسکے پانچویں ورق میں کیا یادداشت لکھی ہے۔ اس سوال نے متعجب کیا۔ نوٹ بک نکالی۔ دیکھا۔ لکھا تھا۔ ہردوار یا رشی کیش میں کوئی کام کا فقیر ملے تو اُس سے خواب کا بھید دریافت کرنا چاہیئے۔

سادھو کے مکاشفہ سے حیرانی ہوئی۔ مگر اطمینان کے لہجہ میں کہا۔ مینے وہ ورق دیکھا۔ آپ اسکا جواب دے سکتے ہیں۔

بولے۔ ہاں۔ میں اسی لئے آیا ہوں۔ تم ابھی بیدار ہو۔ اور دُنیا کے بیدار کرنیکا گھمنڈ دل میں ہے۔ اسکو چھوڑ دو۔ آنکھیں بند کرو۔ تاکہ نیند کا طلسم کھل جائے۔

مینے کہا۔ کسکا سونا۔ کیسا جاگنا۔ بات کو چکر میں ڈالو۔ مینے بھی بہت سی آنکھیں دیکھی ہیں۔ جو کہنا ہے صاف صاف کہو۔ فرمایا۔ گنگا میں اشنان کیا؟ عرض کی کئی بار فرمایا۔ کچھ دیکھا۔ کہا۔ کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا۔ اب نہاؤ۔ دل میں خطرہ گزرا کوئی چور ہو کمر کی نقدی کو بھانپ کر کپڑے اُتروانا چاہتا ہو۔ اسلئے عذر کیا کہ اسوقت نہیں نہاؤنگا

بولے۔ اچھا جانے دو۔ دل کو شبہ کے گناہ سے بچاؤ۔ اور لو سُنو کان میں کچھ کہوں۔ مینے سر جھکا دیا۔ اور سادھو داتا نے خواب کی نسبت کچھ کہا۔

بات معمولی تھی جسکو میں اکثر سوچا کرتا تھا۔ مگر اس انداز کی تھی کہ جی بیقرار ہو گیا۔ فرمایا۔ لو جاتے ہیں۔ اور اُٹھ کر چلنے لگے۔ میں نے بے اختیار ہو کر دامن پکڑ لیا۔ اور عرض کی نام بتاتے جائیے۔ ٹھکانے کا نشان فرمائیے تاکہ پھر درشن ہو جائیں۔

بولے چِنتا من اس مورت کا نام ہے اور مقام کا کچھ ٹھیک نہیں۔ آج یہاں۔ کل وُہاں ہردوار میں دہوکہ بازوں سے بچنا۔ رشی کیش جاؤ تو وہاں بھی ہر اچھی صورت پر فریفتہ نہو جانا۔ بہت سے دوکاندار فقیری لباس میں ملینگے۔ مگر جو بات کان میں کہی ہے اُسکو یاد رکھوگے تو گنگا کنارے آنے کا کھیل بَن جائیگا۔

گنگا جسکا نام ہے۔ وہ یہ دریا نہیں ہے جو پانی کی صورت میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ گنگا کی عظمت کو اس خیال سے کیا سروکار۔ جونئی روشنی کے لوگ مادّی صورت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ گنگا کی حقیقت بڑے سوچ بچار سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہا اور چلدئے۔

مۓ وحدت کا پانچواں دَور

مقامِ عبرت

نزع کی بے قراری

جس قوم کا زوال قریب ہوتا ہے وہ موت کے وقت کو بھُول جاتی ہے یا جان بوجھ کر مرنیکا خیال سامنے نہیں آنے دیتی۔ تاکہ عیش زندگی کرکرا نہو۔ قلعہ دہلی کے قصّے مشہور ہیں کہ اُن مغل بادشاہوں کی اولاد جنھوں نے ہمیشہ دریائے مرگ کے کنارے کھڑے ہوکر ملک فتح کئے۔ اب آخر زمانہ میں ایسی ہوگئی تھی کہ اگر کوئی اسکے سامنے کلمۂ توحید پڑہتا تو وہ کانوں میں اُنگلیاں دے لیتی تھی۔ تاکہ وہ چیز جو مرتے وقت پڑھی جاتی ہے کانوں میں نہ پڑے۔ سورہ یٰسین کو قلعہ دہلی کی بیگمات نِتاوِنی کے نام سے یاد کرتی تھیں۔ یعنے مار ڈالنے والی سُورت۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ وہ جب درگاہ حضرت محبوب الٰہی رض کی زیارت کو آتے تو محمد شاہ بادشاہ کے مقبرہ پر پردے ڈلوا دئے جاتے تھے۔ کیونکہ امیرِں

وزیروں کو خوف تھا کہ کہیں بادشاہ کی نگاہ بادشاہ کی قبر پر نہ پڑجائے۔ اور زندگی کے انجام کار کا دھیان انکو تکلیف نہ دے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ موت ان سب کو کھاگئی۔ عیش وعشرت ملیامیٹ ہوگئے اور آج انکی خوابگاہوں میں یورپ والے جوتیوں سمیت سیر کرتے پھرتے ہیں۔

یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ انسان کو ہر وقت آخری منزل کا کھٹکہ دل میں رکھنا چاہیئے۔ ہمارے آقائے نامدار مقبول پروردگار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرلے وہ شہید کا درجہ پائیگا۔ اسکی وجہ صاف ظاہر ہے کہ شہید کو تو ایک دفعہ موت کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔ مگر جو شخص رات دن میں چالیس دفعہ موت کا خیال کرے تو وہ گویا ہر بار موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔ اسلئے اسکا رتبہ شہید کی برابر ہو تو کیا تعجب ہے۔

ہمارے رسول صلعم موت کو اسقدر قریب جانتے تھے اور ہر وقت مرنیکے لئے اتنے آمادہ رہتے تھے کہ اگر آجکل کے آدمی اسکا ذکر سنیں تو حیران ہوجائیں۔ ایک دفعہ آپنے چاروں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت کیا کہ تم موت کو کتنا قریب سمجھتے ہو۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کی صبح کی نماز پڑھنے کے بعد مجھکو امید نہیں رہتی کہ ظہر کی نماز تک زندہ رہونگا۔ فاروق اعظم نے کہا کہ میں ظہر پڑھکر عصر کا وقت ملنے سے ناامید ہوجاتا ہوں۔ عثمان غنی بولے مجھکو عصر کے بعد مغرب کی آس باقی نہیں رہتی۔ حیدر کرار نے التماس کی کہ مغرب ادا کرنے کے بعد عشا کا بھروسہ نہیں رہتا۔

یہ سُنکر ہمارے آقا رسول نامدار نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ جب میں نماز میں دائیں طرف سلام پھیرتا ہوں تو مجھکو بائیں جانب گردن پھیرنے کا یقین نہیں رہتا۔ اور خیال آتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے موت آجائے۔

جنکو مرنے کا اتنا یقین تھا وہ آج کا کام آج ہی ختم کردینا چاہتے تھے۔ اسواسطے ان میں نہایت مستعدی۔ جفاکشی۔ اور استقلال کے اوصاف پائے جاتے تھے۔

اب ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ کالر نکٹائی لگاکر بوٹ پہنکر ہوا خوری کو نکلتے ہیں اور راستہ میں کوئی جنازہ ملجاتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمکو ڈر ہوتا ہے کہ مرنے کا خیال

ہمارے دماغ کو مضمحل کر دیگا - اور ہم کچہری کا کام اچھی طرح نہ کر سکیں گے - مگر کاش ہمکو بہادر شاہ کی مذکورہ مثال سے عبرت ہو جنہوں نے دماغ کی حفاظت میں ملک غارت کر دیا یقیناً تو اگر ہم موت کے خوف سے اسکو بھولنا یا بھُلانا چاہینگے تو ہماری ہستی ناپید ہو جائے گی اور فنا ہمارے بقائے ظاہری کو نابود کر دے گی -

یہ جتنے امیر اور روپئے والے لوگ ہیں یا یہ جسقدر تاج و تخت کے مالک کہلاتے ہیں موت کے نام سے انکا دم فنا ہوتا ہے ۔ مرنے کا ذکر کرو تو انکے چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں - بات کاٹ کر اور ذکر کرنے لگتے ہیں - لیکن ان بدنصیبوں کو خبر نہیں موت کا وقت قریب آرہا ہے - وہ ایک دن ان کی گردن مروڑ کے رکھدیگا - انکا یہ سب مال دولت تاج و تخت دوسروں کے حصّہ میں تقسیم ہو جائیگا -

اسدن یہ چار گز کپڑے کے کفن کو دوسروں کے محتاج ہونگے - اور جو لوگ آج انکی خیرخواہی میں پسینہ پر خون گرانا چاہتے ہیں جھوٹی مخبریاں کرکے ان کے ہاتھوں سے بے گناہوں پر ظلم کراتے ہیں وہ بیک بینی و دوگوش قبر کی اندھیری کوٹھری میں پھینک کر چلے آئینگے جہاں نہ برقی لیمپ ہونگے نہ گیس کے ہنڈے - البتہ دوزخ کی آگ کے شعلوں اور قہر خدا کے شرار و اور عذاب کے فرشتوں کی چمکتی ہوئی خوفناک آنکھوں کی روشنی ضرور ہو گی -

لوح محفوظ اور افق مستور کے حجابات اُٹھ جائیں تو میں انکو وہ سب کچھ دکھا سکتا ہوں جو میری آنکھیں دیکھتی ہیں - مگر قدرت ان پردوں کی ڈوری پکڑے کھڑی ہے کسی کو چھپے ہوئے بھید تک جانے نہیں دیتی - اور جو جا سکتے ہیں اُنکو کہنے نہیں دیتی - کس بھول میں ہو - وقت آخر آن پہنچا - کوچ کی تیاری کرو - ریل کا لائن کلیر ہو چکا اور تمنے ابتک بستر بھی نہیں باندھا -

یہ جو عشرت خانوں میں کمانی دار پلنگ پر پڑے خراٹے لے رہے ہیں - یہ جو تفریح اور ہنسی خوشی کو باعث زندگانی سمجھتے ہیں یہ جو یورپ میں بیٹھ کر تمہارے لئے کتابیں لکھتے ہیں کہ خوب ہنسو عمر دراز ہو گی - موت کا فکر پاس نہ آنے دو - ہمیشہ سلامت رہو گے - یہ سب کے سب نزع کی بیقراری میں بہت جلد گرفتار ہونے والے ہیں - اسوقت ان کی زبان بند ہو جائے گی - آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جائینگی - ایڑیاں رگڑ ینگے - ٹانگیں بیچینی اور بے کلی سے کبھی سمیٹنگے کبھی پھیلائینگے - یاروں دوستوں - بال بچّوں - مال دولت گھر بار

کو حسرت و مایوسی سے دیکھینگے - سانس سینے میں ٹھوکریں کھائیگا - بدن ٹھنڈا پڑجائیگا دم کھینچ کھینچ کر آنکھوں میں آئیگا اور ان میں نشتر چبھوئیگا - جس طرح یہ زندگی میں دوسروں کی دل آزاریاں کرتے تھے - نام نمود کے لئے پرائی جانوں کو بے گناہ برباد کرتے تھے - تاج و تخت کی ہوس میں دغا فریب ظلم و ستم - جفاکاری و خونریزی انکا شیوہ ہوگیا تھا آج انکی آنکھوں کے حلقوں میں حساب کتاب کے دفتر کھولے جائینگے - آج انکو معلوم ہوگا کہ جس سے ڈرتے تھے - گھبراتے تھے - چھوت کا انتظام کرتے تھے - صفائی اور ڈس انفکٹ پر توکل کرتے تھے - وہ چیز کسی سے نہ رُکی اور آگئی - اب یہ سارا ساز سامان دھرا رہ جائیگا - اب کوئی ڈاکٹر نہیں ہے جو جان کو بچائے - اب کوئی پہرے والا نہیں ہے - جو موت کے فرشتہ کو اندر آنے سے روکے - اس گھڑی کسکی مجال ہے کہ ڈپلومیسی اور پالیسی سے موت کی بلا کو ٹالے - سب لن ترانیاں ہیچ ہوگئیں - ساری طرّاریاں عاجز آگئیں - قصہ مختصر موت یاد رکھنے کی چیز ہے - ہندوستانیوں کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اُنکو یہ وقت آخر بار بار یاد دلایا جائے - اگر ان کو کام کا آدمی بنانا ہے تو صاف صاف کہنا چاہیئے کہ جتنی زندگی ہے اسکو غنیمت جانو اور نیکی و پارسائی سے کام شروع کرو - وقت ضائع نہ کرو - کل خبر نہیں کیا پیش آجائے - جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلو -

ترک دولہا دُلہن کی شہادت

جودت نصرتی اکیس سالہ ترک زادہ ایڈریانوپل کے محاصرے سے ایک دن پہلے اپنی سُسرال میں خوش و خورم بیٹھا سگرٹ کا دُھواں اُڑا رہا تھا - اسکی شادی کو پورے سات دن بھی نہیں ہوئے تھے - ارمان بھری دُلہن کے سوا کمرہ میں کوئی نہ تھا - ترکوں کے دستور کے موافق یہ لڑکی بھی گانا اور باجا بجانا جانتی تھی - اسلئے شوہر کی خوش باشی کی خاطر اُسنے اپنا سریلا قانون[1] باجا بجانا شروع کیا -

جودت - باجے کی مستانہ نواؤں سے جھومنے لگا - اُسنے اپنی کرچ کو زمین پر ٹیک کر بغل میں دبالیا - اور اپنی گیسو دراز بیوی سے جنگی گیت گانے کی فرمائش کی - شرمیلی ترکن

[1] باجہ کا نام ہے -

نے مسکرا کر دھیمی مگر سمجھ میں آنیوالی آواز سے "بسر و چشم" کہا۔ اور بولی۔ آپ یہاں بھی قتلگا ہوں کو نہیں بھولتے۔ جودت نے اپنی چھوٹی سی سُرخ مونچھ کو مروڑا۔ اور کہا۔ ہاں میں عشرت خانوں کی بہار میں جنگ کے خارستان کو یاد رکھنا قومی فخر سمجھتا ہوں۔ تم انگلیوں سے کہو وہ قانون کے نغموں میں میری خوراک پیدا کریں۔ اور تم اپنی شیریں آواز کی اس پر نمک ڈالو۔

قانون کے بھاری سُر زنان خانے میں گونجنے لگے۔ اور ترکن نے یہ گیت شروع کیا۔ جب جوانمردوں نے تیغ کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔ دشمن نظر آگیا۔ ہاتھ جوڑنے لگا۔ اور جب توپوں کو بتی دکھائی گئی۔ پہاڑ اور جنگل حواس باختہ ہو گئے۔ ہمارے سپاہیوں نے آج خون میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے کھڑے کھڑے قہوہ کی پیالی پی۔ کیونکہ وہ جان سے ہاتھ دھوکر میدان میں نکلے تھے۔

جودت اس نغمہ سرائی میں محو تھا اور باہر اسکو کوئی شخص آواز دے رہا تھا۔ قانون کی آواز ذرا مدہم پڑی تو اُسنے سُنا کوئی اسکو پکارتا ہے۔ فوراً باہر نکلا۔ دیکھا شکری پاشا کا اڈیکانگ ہے۔ اُسنے کہا۔ نصرتی دُشمنوں کی فوجیں قریب آگئیں۔ شکری آفندی نے یاد فرمایا ہے کہ کپتان جودت نصرتی جس حال میں ہوں فوراً ہمراہ لیکر آؤ۔

جودت اُلٹے قدموں اندر آیا۔ بیوی سے رخصت ہوا۔ کرچ لگا۔ ٹوپی سر پر رکھ اڈیکانگ کے ساتھ چلدیا۔

غنیم نے اڈریانوپل کو گھیر لیا تھا۔ شدت سے گولہ باری ہو رہی تھی۔ پچھلی رات توپیں ذرا خاموش ہوئی تھیں کہ اتنے میں قلعہ کے باہر کچھ سوار نہایت سکوت کے عالم میں دشمن کی فوج کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دئے۔ یکایک بندوقوں کے فیر کی آواز آئی اندھیرے میں شعلے چمکے اور سامنے کی لائن میں افراتفری اور بھاگ دوڑ ہونے لگی۔

صبح کا نور نمودار ہوا۔ تو عیسائی لشکر نے ترکوں کو اپنے مورچوں پر سنگینیں مارتے دیکھا۔ وہ گھبرا گئے۔ اوسان جاتے رہے۔ کپتان جودت نصرتی اور اُسکی بیوی گھوڑوں پر سوار تلواریں اُٹھائے ساتھیوں کو للکار رہے تھے۔

اسوقت بڑی گھمسان کا رن تھا۔ دولھن ترکن کے لمبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ پستول سے اپنے دولھا پر حملہ کرنے والوں کا خاتمہ کر رہی تھی۔ اتنے

میں ایک ظالم عیسائی نے بندوق پر چڑھی ہوئی سنگین پیچھے سے اُس مرادوں والی ناشاد دُلہن کی کمر میں ماری۔ جو سینے کے پار نکل گئی۔ مہندی لگے ہوئے ہاتھوں سے پستول چھوٹ پڑا۔ اور بلبلا کر سینے کو تھام لیا گیا۔ چند سکنڈ کے بعد وہ چکرا کر گھوڑے سے گری۔ اور موت کے وقت کے بے ربط الفاظ میں اتنا مُنہ سے نکلا۔ جُودت خدا حافظ۔

ترک سوار اپنے افسر کی بیوی کا یہ عالم دیکھ کر چاروں طرف سے گھر کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اور دشمن پر غضبناک حملے کرنے لگے۔ جودت گھوڑے سے کود پڑا۔ عروسی پلنگ پر لیٹنے والی کی لاش کو خاک سے اُٹھا لیا۔ پسینہ آلود پیشانی جس پر موت کی زردی کھنڈی ہوئی تھی چومی۔ سنگین خوردہ سینہ کو سینے سے لگایا۔ اور بے قرار آنکھوں سے آسمان کو دیکھا۔ وہ خدا سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس قربانی کو قبول کرے۔ اسکا دل عشق اور مایوسی میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ مگر اسنے دیکھا یہ وقت غفلت کا نہیں ہے۔ دشمن ساتھ کے سپاہیوں کو ختم کئے دیتا ہے۔ اسلئے اُسنے لاش دو سواروں کے سپرد کی کہ جس طرح ممکن ہو قلعہ میں پہنچاؤ۔ اور خود تلوار اُٹھا کر زخمی شیر کی طرح دشمن کی صفوں میں گھس گیا۔ اسکی زبان پر ایک نعرہ تھا۔

میں توحید کا فدائی ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کی سب امیدیں ابھی وحدت کی قربانگاہ میں چڑھائی ہیں۔ اب میرے دل میں زندگی کی محبت نہیں ہے۔ اب میں عربی رسول کی آبرو پر نثار ہونا چاہتا ہوں۔ ہتھیار دو۔ میرے ساتھ چلو۔ جنت میں میری پیاری کا دل تنہائی میں گھبراتا ہوگا۔ تھوڑی دیر یہ آواز آئی۔ اسکے بعد دیکھا تو ایک تڑپتی ہوئی لاش گھوڑے سے زمین پر گرتی ہوئی نظر آئی۔ جسکے مُنہ سے آخری لفظ یہ نکلا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔

یہ جودت نصرتی دولھا کپتان تھا جو اپنی دُلہن کے آدھ گھنٹے بعد دُنیا سے رخصت ہوا۔

سکراتِ موت کی ہچکیاں

گرمی کے موسم میں محمد شاہ بادشاہ پائیں باغ کے حوض پر شام کے وقت محفل جمایا کرتا تھا

حوض میں گلاب کیوڑے کے فوارے چھٹتے۔ در و دیوار پر خس کا عطر چھڑکا جاتا اور پریچہرہ خواصیں عیش پناہ بادشاہ کو برابر پنکھا جھلتی رہتی تھیں۔

ایک دن گل خانم نام ایک گجراتی چھوکری عطر کا کنٹر لئے دیواروں پر عطر چھڑکتی پھرتی تھی کہ بادشاہ محل سے برآمد ہو گئے۔ یہ لونڈی نئی آئی تھی گجرات کے حاکم نے بھیجی تھی رعب شاہی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بے اوسان ہوگئی۔ اور کنٹر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا۔ بادشاہ بالکل قریب آ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا ایک سترہ سالہ کنیزہ مظلوم صورت بنائے سہمی ہوئی کھڑی ہے۔ کبھی شکستہ کنٹر کو دیکھتی ہے کبھی بادشاہ کی صورت کو۔ شاہی سواری رُک گئی۔ پوچھا گیا کیا حال ہے۔ بولی شیشۂ کامرانی ٹوٹ گیا جمال سلطانی امید کے شکستہ شیشوں کو جوڑ دیا کرتا ہے۔ دیکھتی ہوں یہ شیشہ بھی جُڑتا ہی یا نہیں۔ لطیفہ پسند بادشاہ کو یہ برجستگی اور حاضر جوابی بھا گئی۔ فرمایا نام کیا ہے۔ عرض کیا "نشیمن بلبل" ابتو بادشاہ پھڑک گئے۔ بیٹھے کا اشارہ کیا۔ جھک کر آداب بجا لائی۔ اور ہاتھ باندھ نظریں نیچی کر دوزانو بیٹھ گئی۔ ارشاد ہوا "بُلبُل کا نشیمن ایک جگہ نہیں رہتا آج اس گلستاں میں کل اُس چمن میں۔ پر سوں کسی اور غنچہ پر۔ عرض کی جہاں پناہ کے اقبال سے یہ لونڈی وہ گل ہے جسکو دیکھ کر بُلبُل پھر کسی پھُول کے پاس نہیں جاتا۔ ایک ہی جگہ نشیمن بنا لیتا ہے۔

حکم ہوا اسکو محل میں لیجاؤ۔ نہلاؤ۔ دُھلاؤ۔ حرم شاہی بناؤ۔ چند روز کے بعد یہ کیفیت ہوگئی کہ گلنی نم تمام محل کی بیگمات سے زیادہ منظور نظر بن گئی۔ ایک لمحہ کے لئے بادشاہ اپنی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک برس تک یہی عالم رہا۔ دوسرے سال سردی کے موسم میں گل خانم بادشاہ کے پاس تھی۔ کروٹ جو لی تو بچھونے میں کوئی چیز چبھی۔ اور پسلیوں میں جلن ہونے لگی۔ پاس ادب مانع تھا۔ ضبط کیا مگر نہ ہو سکا بے اختیار مُنہ سے اُف نکل گئی۔ بادشاہ گھبرا کر پوچھنے لگے خانم کیا ہوا۔ خیر ہے۔ بولی جہاں پناہ خاطر جمع فرمائیں کچھ تردد کی بات نہیں ہے۔ دل کے پاس کوئی چیز خلش کرتی ہے۔ حضور نے اُسی وقت پہرے والے کو آوازدی لونڈیاں حاضر ہوگئیں۔ شمع قریب لائی گئی۔ بچھونے کو دیکھا تو ایک چھوٹا سا لشتر چارپائی میں اس قرینہ سے رکھا ہوا تھا کہ نوک کروٹ لینے والے کے چُبھ جائے۔ فوراً گل خانم

کی گرم صدری اُتاری گئی۔ دیکھا دل کے پاس ہلکا سا ایک زخم ہے۔ حکیموں جراحوں کی طلبی ہوئی۔ آن کی آن میں سب حاضر ہو گئے۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ کسی بیگم نے رشک وحسد سے زہر کا بجھا نشتر رکھوا دیا تھا۔ وہ چُبھا ہے۔ اب جان کی خیر نہیں کیونکہ دل قریب ہے زہر اثر کر چکا۔

بادشاہ ہائے کر کے بیہوش ہو گئے۔ گل خانم نے البتہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ گاؤتکیہ سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اپنے تمام زیورات اور کپڑے طلب کئے۔ پلی ہوئی آغا مینا کا پنجرا بھی منگوایا۔ اور سب چیزوں کو سامنے رکھ کر نگاہ حسرت سے دیکھا۔

مینا رات کے سبب چُپ تھی۔ اُس سے مخاطب ہو کر بولی۔ لو پیاری تمہاری چاہنے والی دُنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ اب تم خدا کے حوالے۔ خبر نہیں میرے بعد تم پر کیا گزرے۔

اتنا بولنے پائی تھی کہ زہر کا اثر خون پر چھا گیا۔ گردن ڈھلک گئی۔ منہ میں کف آنے لگے۔ لونڈیوں نے دوڑ کر سہارا دیا۔ حکیم جراح دوائیں لیکر آ گئے۔ مگر اسکا نو کام تمام ہو چکا تھا۔ شاہی خوابگاہ کی آرائش کا کیا کہنا۔ چپہ چپہ بہشت کا نمونہ تھا۔ کافوری شمعیں روشن تھیں۔ چھپر کھٹ میں بادشاہ بیہوش پڑے تھے۔ جن کو خوشبوئیں اور دوائیں سونگھا کر ہوشیار کیا گیا۔

بادشاہ اُٹھے۔ گل خانم کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ اور دو آنسو اُسکے اُداس چہرے پر ٹپکائے۔ خانم نے ذرا کی ذرا آنکھ کھولی اور کہا میرے آقا۔ میرے سلطان۔ میرے مالک۔ میرے تاجدار۔ پانی ایک گھونٹ۔ کلیجہ پھُنکا جاتا ہے۔ انتے ... قا ... م . نہ لے ... یا . جائے۔

اُف۔ آہ۔ میں۔ آہ۔ آہ پانی۔ پیاس۔ میں جا نہار نامراد جاتی ہوں اب اس زانو پر اور .... تھوڑا سا پانی۔ اس زانو پر اور سر ہو گا۔

یہ شمعیں ساتھ بھیجدو۔ قبر میں اندھیرا ہو گا۔ میرے زیور میری سوکنوں کو نہ دینا۔ اللہ۔ اللہ۔ اوہ۔ مجھے اُٹھاؤ۔ برف میں ڈالدو۔ آ۔ آ۔ آگ بدن میں۔ قاتل کو سہاگ۔ مبارک۔ ہم تو چلے۔ وہ بھی ایک دن اسی طرح پھڑک کے تڑپے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ الا اللہ۔ الا اللہ۔ محمد۔ محمد۔ رسول۔ رسول اللہ۔

یہ کہنے پائی تھی کہ غش آگیا۔ بدن تھرتھرانے لگا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ ناک کا بانسہ ڈھل گیا۔ اور زور سے ایک ہچکی مسکی طرح آئی۔

حاضرین نے بادشاہ سے عرض کیا۔ حضور اب ان میں کیا رکھا ہے۔ دوسرے کمرہ میں تشریف لے چلئے۔ یہ سُنکر بادشاہ نے مرنے والی کا سر زانو سے اُتار دیا اور تشریف لے گئے۔ جانے کے بعد کل خاتم کو دو ہچکیاں اور آئیں۔ اسکے بعد سکرات موت اور زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔

اے اس عبرت نامہ کے پڑھنے والو۔ سب کو یہ وقت پیش آنا ہے اس سے غافل نہ رہو۔ گناہوں سے توبہ کرو۔ اور اُس زندگی کا اسباب راحت خرید و جہاں موت نہیں ہے۔

قبر کی اشرفیاں

ایک کنجوس روپئے والے کی موت کا قصہ

ایک شخص بہت مالدار تھا۔ اسکے کئی بچے تھے۔ مگر وہ اپنی دولت خرچ کرنی نہ چاہتا تھا۔ میلے ٹھیلے کپڑے پہنتا اُبالی دال کھاتا۔ میلے کچیلے پھٹے پُرانے بچھونے پر سوتا اور اسی حال میں بچوں کو رکھتا تھا۔

جب بچوں نے ہوش سنبھالا تو اُنہوں نے خیال کیا۔ ہمارا باپ اتنا پیسے والا ہے۔ مگر ایسے غریبی حال میں کیوں رہتا ہے۔ ایک دن اُنہوں نے باپ سے پوچھا کہ بابا جان یہ کیا بات ہے۔ کہ اور لوگ جب اُنکو خدا کھانے پینے کو دیتا ہے تو اچھے سے اچھا کھاتے ہیں۔ اچھے سے اچھا پہنتے ہیں لیکن آپ ہمیشہ مفلس کنگالوں کی طرح رہتے ہیں۔ اور ہم کو بھی رکھتے ہیں۔ آخر یہ دولت کس کام آئے گی۔

باپ نے ہنسکر کہا۔ نادان۔ روپیہ جمع کرنے کے لئے ہے یا خرچ کرنے کے واسطے۔ یہ جتنے اُجلے اُجلے کپڑے والے سفید پوش بازاروں میں پھرتے ہیں بس یہ اُنکا خالی لفافہ ہی لفافہ ہے۔ اندر کچھ بھی نہیں۔ وقت پڑے تو دو روپئے

بھی انکے گھر میں نہ نکلیں - اور میں چاہوں تو لاکھوں روپیہ ایک وقت میں نکال سکتا ہوں
یہ سُنکر بچّوں نے کچھ اور بولنا چاہا - مگر باپ نے دھمکا کر چپکا کر دیا - اور کہا میں زیادہ
باتیں نہیں سُنتا - آدمی کو چاہیئے کمائے اور جمع کرے - خرچ کرنے کا نام لو گے تو
گھر سے نکال دونگا -

بڑے بیٹے کو یہ بات بہت بُری لگی - اور تاک میں رہا کہ باپ کی آنکھ بچے تو روپیہ چراؤں
آخر یہی ہوا - ایک دن باپ باہر گیا ہوا تھا - لڑکے نے کوٹھڑی کا کونہ کھودا یہاں روپیہ دفن
تھا اور سب توڑے نکال لئے - اسکے بعد مٹی ڈال کر جگہ برابر کر دی - اب اسنے یہ روپیہ اُڑانا
شروع کیا - خوب عیاشیاں کیں اور فضول خرچی میں سارا روپیہ برباد کر دیا - باپ کو ایک دن شبہ
ہوا - اسنے لڑکے کے اچھے کپڑوں کو دیکھکر دریافت کیا یہ کہاں سے آئے - لڑکے نے
جھوٹ موٹ باتیں بنائیں - مگر باپ کو یقین نہ آیا اور کوٹھری میں جاکر کونہ کھودا - تو روپیہ کی
تھیلیاں غائب تھیں - یہ دیکھکر اسنے ہائے کا نعرہ مارا - اور کلیجہ پکڑکے بیٹھ گیا - آنکھیں
پتھرا گئیں - لڑکا یہ دیکھ کر بہت گھبرایا اور معافی مانگنے لگا اور کہا اب تو مجھ سے خطا
ہو گئی آئندہ نہو گی - باپ نے کچھ جواب ندیا - اور کہا بازار سے حلوا خرید لاؤ - لڑکا گیا
اور حلوا خرید لایا - باپ نے اپنا کُرتہ اُتارا - اندر ایک گدڑی پہنے ہوئے تھا - اُسکو دھیرے
تو اشرفیاں نکل آئیں - اُسنے اُن اشرفیوں کو ایک ایک کرکے حلوے میں کھا اور نگل لیا -
یہانتک کہ ساری اشرفیاں اور حلوا کھالیا - اور کہا تم اس قابل نہیں ہو - کہ دولت تم کو
دوں - اسلئے میں نے سب کھالی -

یہ کہکر وہ وہیں لیٹ گیا - دم توڑنے لگا - اور مر گیا - لڑکوں نے کفن کا سامان کیا
اور قبرستان میں جاکر دبا آئے -

اس بات کا چرچا سارے محلہ میں تھا - اور لوگ مرنے والے کنجوس پر لعنت بھیجتے
تھے - اس محلہ میں چند کفن چور بھی رہتے تھے - اُنھوں نے سُنا تو دو دن کے بعد رات کو
کنجوس کی قبر پر گئے - تاکہ لاش کو چیر کر اشرفیاں نکال لیں - چنانچہ اُنھوں نے قبر کھودی
اور پٹاؤ کا پتھر ہٹایا - کیا دیکھتے ہیں لاش بھٹی پڑی ہے اور اشرفیاں چاروں طرف بکھری
ہوئی ہیں - چور نے ایک اشرفی پر ہاتھ ڈالا تاکہ اُسکو اُٹھائے - اشرفی کو ہاتھ لگانا تھا
کہ یہ معلوم ہوا گویا آگ کی چنگاری پر ہاتھ پڑا - بلبلا گیا - ہاتھ کھینچ لیا - اور قبر سے باہر
آگیا - مگر ہاتھ کی جلن کم نہ ہوتی تھی - گھر آیا تو ہاتھ کو پانی میں ڈالدیا - اُسوقت ذرا کی

ذرا چین آیا۔ لیکن جہاں پانی سے ہاتھ باہر نکالا پھر وہی آگ لگنے لگی۔ تین دن یہی حالت رہی۔ بہتیرے علاج معالجے کئے۔ ایک فائدہ نہ ہوا۔ یہانتک کہ تیسرے دن ہائے جلا۔ ہائے جلا۔ چیختا ہوا مرگیا۔

کنجوسوں اور چوروں کا یہ انجام ہوتا ہے۔

بے چین مُردہ

غدر سے پہلے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پاس ایک مکان میں کوئی شاہ صاحب رہتے تھے۔ اس مکان کے صحن میں دہلی کے شہزادوں کا قبرستان بھی تھا۔ ایک دن کسی نوجوان شہزادہ کا جنازہ یہاں لاکر دفن کیا گیا۔ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ جب رات ہوئی اور میں سوگیا تو ایکا ایک ہی کسی کی ہائے ہائے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ حیران تھا کہ الٰہی یہ آواز کہاں سے آئی۔ باہر صحن کی طرف خیال کیا تو معلوم ہوا ایک سایہ سا ہے جو قبر کے چاروں طرف دوڑتا پھرتا ہے۔ اسمیں سے آواز آتی ہے۔ ہائے ہائے۔ ارے میں جلا۔ ہائے میں جلا۔ شاہ صاحب کہتے ہیں۔ میں ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ مگر دل مضبوط کرکے مینے زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ اور کہا۔ میاں تم بھی کلمہ پڑھو۔ عذاب کم ہوجائے گا۔

میرا اتنا کہنا تھا کہ آواز جاتی رہی۔ اور سایہ غائب ہوگیا۔ میں لیٹ رہا اور آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں پھر وہی غل شور پیدا ہوا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ سایہ اُسی طرح قبر کے چاروں طرف گھبرایا گھبرایا پھر رہا ہے۔ اور ہائے ہائے کی آواز آرہی ہے۔

اب کے میری ہمت ٹوٹ گئی۔ اور خوف کے مارے بڑی دیر تک کلمہ مُنہ سے نہ نکلا۔ لیکن جب مُردہ کی بے چینی حد سے بڑھی تو مینے پھر کہا۔ کہ میاں کلمہ پڑھو۔ یہ سُنتے ہی آواز خاموش اور سایہ غائب ہوگیا۔

صبح کو اُس مُردے کے گھر والے پھولوں کی چادر چڑھانے آئے۔ تو مینے اُن سے رات کا قصہ بیان کیا۔ یہ سُنتے ہی ایک بُڑھیا عورت نے چیخ ماری اور رونے لگی۔ یہ اُس مُردے کی ماں تھی۔ اسنے کہا مرنے والے کا سلوک میرے ساتھ اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ مینے تو اسی وقت اسکا قصور معاف کیا۔ اور گھر جاکر اسکی نوجوان مظلوم بیوہ سے

بھی قصور معاف کراؤں گی۔ شائد ان گناہوں کے سبب اسکی پکڑ ہوئی ہو۔ اور معاف کر دینے سے بخشا جائے اور عذاب سے چھٹکارا پائے۔

دیکھو ماں اور بیوی کو ستانے اور اُن پر ظلم کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ ڈرو اور توبہ کرو۔ تم کبھی اپنی ماں۔ بہن۔ بھائی۔ بیوی بچّوں کو نہ ستانا۔

اہل آسمان نے مجھ سے کہا

تو دیکھ! علاؤالدین خلجی کیسا سلطان تھا۔ وہ تمام ہندوستان پر خود مختاری کی حکومت کرتا تھا۔ اسکی تلوار کا زور جنگلوں پہاڑوں میں مشہور تھا۔ اسکو دوسرا اسکندر بننے کی ہوس تھی۔ اسکے دربار کی شان شوکت بے مثال تھی۔

مگر آج خیال کر۔ کیا وہ کہیں ہے؟ اسکی تاجداری کا کچھ نشان ملتا ہے؟ قطب مینار کے نیچے دیکھ۔ مغربی رُخ ٹوٹے پھوٹے در و دیوار ہیں۔ خس و خاشاک کے انبار ہیں۔ یہاں اس سلطان کا شاندار مقبرہ تھا۔ مگر اب قبر کا تعویذ بھی باقی نہیں۔ جہاں اس عظیم الشان سلطان کی لاش دفن کی گئی تھی۔ وہاں ایک ویران گڑھا نظر آتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ نہ یہاں مخملی شامیانہ ہے۔ نہ پہرے والے سپاہی ہیں۔ نہ آواز دینے والے چوبدار ہیں۔ گھاس کے تنکوں۔ چونے کے کنکروں۔ خارا کے پتھروں میں مردہ بدن خاک بنا پڑا ہے۔

ذرا دوسری طرف نگاہ اُٹھا۔ غیاث الدین بلبن غلام خاندان کا مشہور شہنشاہ۔ اور اسکا بیٹا محمد خاں شہید شکستہ مقبروں میں پڑے سوتے ہیں۔ انکے گورغالے بھی برباد و تباہ پڑے ہیں۔ اور نظر بڑھا۔ گیارہ گیارہ میل پرانی دہلی کے کھنڈروں کو دیکھ۔ کیا کیا محل تھے۔ کیسی کیسی مسجدیں و خانقاہیں تھیں۔ حویلیاں اور بلند عمارتیں تھیں۔ مگر اب سب سرنگوں پڑی دم توڑ رہی ہیں۔

میں نے کہا۔ آسمان والو۔ مجھ سے کیا کہتے ہو۔ تم خود دیکھ۔ بابل۔ نینوا۔ روما۔ کے آثار قدیم کا انجام دیکھ چکے ہو۔ دہلی کو بھی اسپر قیاس کر لو۔

کیا تم مجھ سے کہوانا چاہتے ہو۔ کہ دُنیا کے جاہ پرست نام نہود کے طلبگار

نئی عمارتوں کے بنانے والے اگلے وقتوں کے اس انجام سے عبرت حاصل کریں۔ لیکن مجھ سے نہ کہواؤ۔ لوح محفوظ میں دیکھو کہ وہاں کیا لکھا ہے۔ اسکے بعد تم بھی انتظار کرو اور میں بھی راہ دیکھوں۔

دوسرا پان

ایڈریانوپل کے سہرے کی یاد میں

دولھا ایڈریانوپل کو پھر ہلالی سہرا مبارک

انور بے برات لیکر چڑھے ہیں۔ باجوں کی سُہانی آوازیں آرہی ہیں۔ یہ دُنیا کے مسلمان مجھ سے کہتے ہیں اپنی ڈبیہ کے محصور پان کو آزادی دو۔ کفار مقام دین سے نکالدئے گئے۔ ایڈریانوپل پھر اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا۔ اُس غم کے بعد کچھ دن پہلے ارض ادرنہ نے دل کو دیا۔ پان ہمیشہ طیش وغضب میں چبایا گیا۔ اب آواز آتی ہے تو ادرنہ کی آزاد زمین میں عقدہ کشائی کا بھرپور سانس لے اور سہرے کی یادگار شادی میں ایک پان کھا۔

ہر مسلمان پان دینا چاہتا ہے۔ انکو فتح ادرنہ کی بڑی خوشی ہے۔ یہ ولّی کے مستانہ فقیر کو بھی مصنوعی لہو کی سُرخی سے شہیدوں میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ سات کروڑ پان کا بیڑا ایک وقت میں پیش کرتے ہیں۔

اچھا اچھا حجاز کی صدا پر لبیک کہنے والو۔ ہاں ہاں حرمت ناموس کی بحالی سے شادیاں رچانے والو۔ میں تمہارا برگِ سبز قبول کرتا ہوں۔

دولھا کے چہرۂ انور پہ اسلام کا ہلالی سہرا

کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسمیں لال پھول ہیں۔ سفید پھول ہیں۔ زرد بھی اور کالے بھی

دو پھول نرگس کے

دولھا کی آنکھوں کے پاس جو لڑی ہے اسمیں دو پھول نرگس کے ہندوستان کی چشم

دیدار طلب نے لگائے ہیں۔ یہ دونو مجکو اشاروں سے اپنے پاس بُلاتے ہیں مگر انہیں کیا خبر کہ میں ابھی فکر استقبال سے فارغ نہیں ہوا۔

مجکو ابھی بہت سے شہیدوں کی قبروں کے لئے پھولوں کی چادریں بنوانی ہیں۔ مجھکو سمندر کی مچھلیاں پکارتی ہیں۔ اور اپنی خوراک مانگتی ہیں۔ میں بہت جاگا ہوں۔ کئی رات قضا و قدر کے انتظامات کی سیر میں سونا نصیب نہیں ہوا۔

مینے دیکھا یورپ و ایشیا کی درمیانی سرحد میں سمندر پر جہازوں اور توپوں کے دُھوئیں چھائے ہوئے ہیں اور انسان اپنی گردن اونچی رکھنے کی خاطر دیوانوں کی طرح آپس میں دست و گریباں ہو رہے ہیں۔ مینے فضائے آسمانی کو ہوائی جہازوں سے بھرا ہوا دیکھا جو پانی کی سطح پر موت کا مینہ برسا رہے ہیں۔

مجھ سے وائنا۔ پیرس۔ سینٹ پیٹرزبرگ کے ہوٹل والوں اور تھیٹر والیوں نے سسک سسک کر کہا۔ اُنکے سب آباد کرنے والے۔

حسد کی مہا بھارت

میں کٹ کر مر گئے۔ اسلئے آج وہ بھوک پیاس سے بیقرار ہیں اور کوئی اُنکی خبر لینے والا نہیں ہے۔ مجھ سے جنگل کی زمین نے فریاد کی۔ کہ فرشتے لاکھوں قبروں کے لئے مجھکو مانگتے ہیں جو بلقان کی خاک پر ساری یورپین دُنیا سے مرنے آئینگے۔

مینے دیکھا گوری مخلوق دوزخ میں اُلٹی لٹکائی گئی ہے اور اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ بے زبان ناتوانوں پر کیوں ظلم کیا۔

یہ مناظر دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں کی نیند اُڑ گئی۔ میں خوف خدا سے کانپنے لگا۔ مجھکو قہر الٰہی کی ہول نے لرزا دیا۔ اور مینے اپنے سر کو خاک پر جھکا کر ڈرتے ڈرتے کہا مالک! ان گوروں کالوں کی خطا معاف کر۔ یہ تیرے بندے ہیں۔ انکے قصور سے درگزر۔

اگرچہ انہوں نے تیری نافرمانی کی۔ تیری پاک زمین پر فساد پھیلایا۔ مگر تیری سرکار رحیم و کریم ہے۔ ایک دفعہ اور معاف کر دے۔

ہاتف نے کہا تو اس بحث سے کچھ سروکار نہ رکھ۔ تو گورے کالے اور پاس دور کے جھگڑے میں نہ پڑ۔ تو نہ بول۔ آج گنہگاروں کی سزا کا دن ہے۔ ہمنے بسمارک کی زبانی

اور اپنے بہت سے حلیم و فہیم بندوں کے ذریعے انکو آچکے سخت دن سے ڈرایا تھا۔ مگر انہوں نے حرص و ہوس کا دامن نہ چھوڑا۔ اب جبکہ ساعت آگئی تو وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اب کوئی ہماری برہنہ شمشیر کو داخل غلاف کرانیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ مینے ادب سے پیشانی خاک پر رگڑی اور توبہ کرکے اپنے کلمہ گو بھائیوں کے لئے پناہ مانگی۔

حکم ہوا۔ آج کا دن یوم العدل ہے۔ ذرہ ذرہ کا حساب کیا جائیگا۔ یہ قیامت صغرا ہے ہر ہستی اپنے کئے کی سزا پائے گی۔

مینے عرض کی یہ میرے ایڈریا توپل کا سہرا اور اسکے پھول؟ ارشاد ہوا کوئی نہیں جانتا کہ اس سہرے کے اندر کس کا منہ ہے۔

لیکن تو خوش باش رہ کہ انجام کی بہتری تقوی کا رسلم و مومن کے حصہ میں ہے یہ دیکھ کر۔ یہ سُنکر میری ہمت نہیں جو پان کا بیڑا اُٹھاؤں۔ مگر نہیں آخری تسکین۔ انتہائی بشارت سے میرے دل کو ڈھارس ہوتی ہے۔ اچھا لاؤ مسلمانو یہ دوسرا خوشی کا پان کھاؤں۔ تم فرط مسرت میں گاؤ۔ اور میں جاؤں۔

بہادر شاہ کی پہلی عید رنگون میں

شاید کبھی سُنا ہو ایک وقت دہلی میں مسلمانوں کی بادشاہت تھی سارا ہندوستان دلّی کے سائے تلے مانا جاتا تھا۔ شہنشاہ دہلی کا دہ دبہ اور شان و شوکت تھی کہ آجکل دُنیا کے کسی جمہوری یا شخصی بادشاہ کو نصیب نہیں۔

غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے مغل بادشاہوں کی آخری یادگار ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی ملک کے بادشاہ نہ تھے تو اپنے دل کے تاجدار ضرور تھے۔ ملک کو اجنبی طاقتوں نے سنبھال لیا تھا۔ بہادر شاہ لال قلعہ میں بے دست و پا گوشہ نشینی کے دن بسر کرتے تھے۔ مگر رسم و قواعد دربار کی وہی آن بان تھی۔ مر مٹے مر گئے مگر کسی انگریز کو اپنے سامنے کرسی نہ دی جب غدر ہوا اور گرفتار ہو کر انگریزی کورٹ میں پیش کئے گئے تو انگریزوں نے محض ضد توڑنے کیلئے کرسیاں بچھا رکھی تھیں تاکہ ایک پر بادشاہ بیٹھے اور باقی کرسیوں پر انگریز افسر بیٹھ جائیں۔ بادشاہ نے جب یہ رنگ

دیکھا تو فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ لاچار انگریزوں کو بھی زمین پر بیٹھنا پڑا اور کرسی پر برابر بیٹھنے کی ہوس یوں ہی دلوں میں گئی۔

ایسے ہیٹلے اور بات کے پکّے بادشاہ کی جو بات ہوتی اپنی وضع میں نرالی اور انوکھی ہوتی تھی۔ تیموری دربار داریاں عیدین اور نوروز میں بہادر شاہ اُس شان سے کرتے تھے کہ دیکھنے والے کی نگاہ میں سیکڑوں برس گزشتہ کا سماں پھر جاتا تھا۔

لیکن غدر کے بعد جب بادشاہ قید ہو کر رنگون گئے تو ساری باتیں خواب خیال ہو گئیں۔ بہادر شاہ کی صاحبزادی کلثوم زمانی بیگم مرحومہ نے راقم درویش سے اس عید کا ذکر بیان کیا جو بادشاہ کو رنگون پہنچکر پہلے پہل پیش آئی تھی۔

وہ کہتی ہیں۔ رنگون میں جس دن رمضان ختم ہوا اور عید کا چاند دکھائی دیا تو جہاں پناہ مغرب کی نماز پڑھ کر وظیفہ میں مشغول تھے۔ پیش خدمت نے عید کا مجرا عرض کیا۔ ظل سُبحانی نے ہاتھ کے اشارہ سے پوچھا کیا ہے؟ عرض کی۔ ہلال عید کا آداب قبول ہو۔ شاہ نے تسبیح ہاتھ سے رکھدی۔ اور فرمایا۔

"کیا ہندوستان میں اب بھی عید کا چاند نظر آتا ہے"

خدمتگار یہ سُنکر آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کچھ جواب نہ دیسکا۔

اسپر بادشاہ نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا۔ ارے ہم قیدیوں کی کیا عید اور کیا بقر عید اور پھر یہ ارشاد ہوا کہ انسان کی غفلت ہی جو وہ خوشی اور غم کے جنجال میں پھنسا ہوا ہے ورنہ یہ دُنیا تو دار العمل ہے۔ یہاں تو کام کرنا چاہئے۔ اسکے بعد جب آخرت کا زمانہ آئیگا تو وہاں خوشی و غم رنج و راحت کا لطف ہوگا۔ کیونکہ وہ ایسا زمانہ ہے جہاں ہم سب کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اور یہ زندگی تو چند روز کی مہمان ہے۔ اسکی نہ خوشی کا اعتبار نہ تکلیف کا۔ دونو فانی اور عارضی ہیں۔

مئے وحدت کا چھٹا دور

سیاست معاشرت تمدن

چمار زادہ سیّد کی گود میں

نیچ ذات چھوکرے - آ - میری گود میں آجا - تو شودر ہے - کمین ہے - چمار ہے - پلید ہے گندہ ہے - مگر میرے واحد خدا کا بندہ ہے - مجھ جیسا آدمی ہے - ناک کان - ہاتھ پاؤں آنکھ زبان - دل دماغ رکھتا ہے - تجھکو کسنے اچھوت اور ناپاک بنادیا - نہیں تو پاک پوتر ہے - عزّت دار بلند مرتبہ ہے - کون ہے جو تجکو خدا کی درگاہ میں جھکنے سے روکتا ہے مندر مسجد اور گرجا میں جانے سے منع کرتا ہے - کیا ہندو تجکو اسلئے مندر شوالے میں نہیں آنے دیتے کہ تو نے نیچ ذات کے گھر میں جنم پایا ہے - کیا عیسائی گورا اسواسطے اپنے بڑے درجہ کے گرجا میں تیرے گھسنے کا روادار نہیں کہ تو ناشائستہ - جاہل اور کالا دیسی ہے - کیا مسلمان تیرے میلے میلے ہاتھ پاؤں دیکھ کر گھن کھاتا ہے اور مسجد میں نہیں آنے دیتا -

تو آ - سیّد فقیر - عربی رسول کا فرزند - تیرے ہاتھ پاؤں دھوئیگا اور اپنے باپ کی بنائی ہوئی مسجد تو حید میں ساتھ لے چلیگا -

بابا - اپنی قدر پہچان - میں تجھ پر قربان - تو انسان ہے - بلند شان ہے خلیفۃ المسلمین محمد خامس کا لختِ جگر - خاقان الہند جارج خامس کا نورِ نظر - اور تو اے غریب چمار کے پسر خدا کی درگاہ میں سب برابر ہو - آؤ عرب دیس کے مہاراجہ - اونچی ذات اور نیچی ذات کو برابری کی نگاہ سے دیکھنے والے پتی کی سیوا اور نمسکار کریں - جسنے پریم پرچار میں - امیر غریب - ادنیٰ اعلیٰ - چھوٹے بڑے - پڑھے اَن پڑھ کی کچھ تمیز اور قید نہیں کھلی اوپدیش دیا - ذات پات نہ پوچھے کوئے - ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے -

تو آ - ہر کے نام کی بانسری بجائیں - ہر کو ڈھونڈیں - ہر کو پائیں -

رُوس ہوسِ خوں آشامی سے باز آئے

جرمنی فوجی تیاریاں چھوڑ دے ۔ انگریز ہتھیار رکھدیں ۔ ترک تلوار میان میں کرلیں ۔ چینی تبتی فقرا کی قتل بازیوں سے کنارہ کش ہوں ۔ ہندوستانی بم بازی و فتنہ پردازی کے دفتر کو گاؤ خورد کریں ۔ امن کا تاجدار پروردگار کا حکم لیکر آیا ہے ۔

غافل ہستیو ! خودنمائی کی حرص میں انسان جیسی پُر اسرار نعمت کو توپ و تفنگ تیغ و سنگین کے حوالے کرتی ہو ۔ وہ عرفان خودی کے لئے نمودار ہوا ہے ۔ اسکو اپنے نفس کے آئینہ میں رب الکائنات کی شانیں دیکھنی ہیں ۔ راز و نیاز کا مزا چکھنا ہے ۔ اس کو فرصت دو کہ وہ اپنے معبود کا بندہ بنکر تھوڑی دیر سر جُھکائے ۔ جلوے دیکھے ۔ نغمے گائے ۔

جیبی گھڑی کی سازش

غلطی یہ ہوئی کہ گھڑی کو بائیں طرف کی جیب میں رکھا ۔ وہاں اس شریر چھوٹی کھوٹی فتنی نے میرے دل کو بہکالیا ۔ صحبت کا اثر مشہور ہے ۔ دل آخر گوشت کا لوتھڑا تھا ۔ گھڑی کے چلتے پُرزوں سے کیونکر بچ سکتا ۔

گھڑی نے جب وہ جیب کے ہوٹل میں اُتری پاس ہی ایک دھڑکنے والی آواز سُنی ۔ اسکو معلوم ہوا کہ یہاں قریب میں کوئی بے قرار چیز ٹھہری ہوئی ہے ۔ اسلئے اُسنے کہا تم کون ہو ۔ کیا تم بغیر انٹرڈیوس اور تعارف کے بات کر سکتے ہو ۔

دل اُسوقت ذکر خدا کر رہا تھا ۔ مرشد کا بتایا ہوا پاس انفاس اسکے پاس تھا ۔ اسکو کسی غیر سے مخاطب ہونے کی اجازت نہ تھی ۔ نہ یاد الٰہی کے سرور و لطف میں وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہونا پسند کرتا تھا ۔

مگر نئے مہمان کی خاطر سے اُسنے اتنا کہا ۔ میں دل ہوں ۔ سینہ کے حجرے میں مدت سے رہتا ہوں ۔ آپ کب تشریف لائیں ؟ میرے قابل کوئی خدمت ہو تو بتائیے ۔

کیونکہ مجکو میرے رسولؐ نے حکم دیا ہے کہ اپنے پڑوسی کے کام آنا چاہیئے اپنے مہمان کی خاطرداری کرنی چاہیئے ۔ ولائتی گھڑی نے اس گوشہ نشیں اللہ والے

کی نرم اور مہربان آواز سنکر ناز دلربا یانہ سے کہا۔

تھینکیو مائی ڈیئر ہارٹ۔ شکریہ میرے پیارے دل۔ کیا آپ میرے پاس آسکتے ہیں؟ میں آپ کی شرکت سے اپنی میز کا فخر بڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ کا دم سینہ کی اندھیری کوٹھری میں گھبرا گیا ہوگا۔ باہر نکلئے۔ میرے فنر دار سائے کو دیکھیے۔ اور ہیرے یاقوت کے زیور ملاحظہ فرمائیے۔ جنکو میںنے پہن رکھا ہے۔

زاہد خشک مزاج دل نے آہ سرد بھری۔ لیکن ایٹی کیٹ (آداب فیشن کے خلاف) پریزاد گھڑی کے پُر ارمان پیام کا جواب دیا۔

فیشن ایبل (شائستہ) گھڑی نے اس خاموشی کو اپنی انسلٹ (توہین) سمجھا اور تیوری پر بل ڈال کر اندر ہی اندر جزبز ہوکر رہ گئی۔

اب اسنے انتقام لینا چاہا۔ وہ خلوت نشیں عابد کا تقوی توڑنے کے لئے تیار ہوگئی۔ اور سوچنے لگی۔ کیونکر میں اس نیم وحشی مگر خوبصورت چیز کو اپنے پہلو میں لاسکتی ہوں۔

اتنے میں بارہ بجے کی توپ چلی۔ گھڑی والے نے اسکو جیب سے نکالا۔ اور دست شوقین کی انگلیوں سے چٹکی بجاتے کوک بھردی۔ یہ کوک گھڑی کی غذا تھی۔ جسنے اُسکے دماغ میں کام کرنے اور دل کے خلاف غصہ نکالنے کے لئے۔ ایک طاقت و پھرتی پیدا کردی۔

پہلے گھڑی نے اپنا کھٹکہ دل کے کھٹکے سے ملادیا۔ اور اس طرح گویا اُسنے دل کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ دل نے جب گھڑی کی صدائے وحدت سُنی تو بہت خوش ہوا اور اپنی مشغولی حق سے یکسو ہوکر گھڑی سے یوں خطاب کیا۔ تمہارا کھٹکا بہت مضطرب اور جلد بازانہ ہے۔ ذرا آہستہ آہستہ سانس کو روک کر ذکر کرو۔ ورنہ عمر جلدی تمام ہوجائیگی۔ میرے مرشد نے حبس دم کی اسی واسطے تلقین فرمائی ہے۔ کہ سانس کے اضطراب کو قرار رہے۔ اور سکون و طمانیت سے سب کام پورے ہوں۔

گھڑی۔ بولی۔ میں بے تہذیب دیسی سے ہم کلام ہونا نہیں چاہتی۔ تو ولایت کے آداب سے واقف نہیں ہے۔ تونے ابھی سوسائٹی کے اعلیٰ رکن عورت ذات کی توہین کی ہے۔ کیوں اسکی منہ مانگی مراد کو پورا نہ کیا۔

دل نے جواب دیا۔ میں نامحرم کے پہلو میں ایسے وقت جبکہ تیسرا وہاں کوئی نہ تھا کیونکر آسکتا تھا۔ یہ میرے مذہب کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ کسی غیر عورت کے پاس تخلیہ میں

بیٹھنا کجا صورت دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

کواری گھڑی نے دل کی بات سُنکر ایک بجلی بھرا تبسم کیا۔ اور کہا معاف کیجیے۔ میں آپ کے مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کیونکہ یہ تہذیب و شائستگی نیز قانون حکومت کے خلاف ہے کہ کسی کے مذہبی عقیدے میں دخل دیا جائے۔ مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ آپ زندگی کے مزے سے محروم ہو گئے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ عورت اسلیے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مجلسوں اور محفلوں کی کیفیت اور زیب و زینت کو بڑھائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کی عصمت ایک شخص کی جائز ملکیت ہونی چاہیئے۔ مگر یہ بالکل ظلم ہے کہ وہ اجنبی مردوں کو اپنے ہنسمکھ چہرے اور اپنی میٹھی باتوں سے محروم کردے۔ ہماری ولائت کا دستور بہت اچھا۔ کہ غیر شخص دوسرے کی بیوی سے تخلیہ کی ملاقات کرسکتا ہے۔ ہوا خوری کو ساتھ لیجا سکتا ہے۔ اور اُسکے خاوند کے سامنے بیوی کے حسن و جمال کی تعریف کرسکتا ہے۔ تم دیسی لوگ بڑے وحشی ہو اگر کسی کے سامنے اُسکی بیوی کی تعریف کردی جائے تو وہ یقیناً چھری مارنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

دل گھڑی کی جادو بھری تقریر سے موم ہو گیا۔ اُسنے اپنا مقدس ہاتھ ڈرتے ڈرتے اُٹھایا اور گھڑی کے ہاتھ کو پکڑ کر چومنا چاہا۔ مگر یکایک اسکو خدا کے ڈرنے اس گناہ سے روکا اور اُسنے کانپ کر ہاتھ چھوڑدیا۔ دل کی اس حرکت سے گھڑی کھل کھلا کر ہنسی۔ اور بلیک فول بلیک فول (بے وقوف کالا بے وقوف کالا) کہکر عشق کے کوچے سے ناآشنا غریب دل کو پریشان کردیا۔

آخر دل سے نہ رہا گیا اور اُسنے کہا۔ تم میں ایسی کیا خوبی ہے جو سو روپیے خرچ کرکے تم کو خریدا گیا۔ تم جن چیزوں کو ہیرے یاقوت کے زیور کہتی ہو وہ معمولی پتھر کے ریزے ہیں۔ تمہارے اندر پیتل کے چند پرزوں کے سوا رکھا کیا ہے ہندوستانی درحقیقت کالے بیوقوف ہیں۔ جنکو وقت کی پابندی کا تو کچھ خیال نہیں مگر یورپ کی تقلید میں پیتل کے چند ٹکڑوں کو چاندی کے سکے دیکر خرید لیتے ہیں۔ ہندوستان میں صرف یہ بیکار پیتلی ٹکڑے رہ جاتے ہیں اور ولائت میں چاندی پہنچ جاتی ہے۔

میرا بس ہو تو سارے ہندوستان میں ڈھنڈورا پیٹ دوں کہ گھڑی وہی رکھے جو وقت کی قدر جانتا ہو۔ ظاہری نمائش کیلیئے کوئی اپنی دولت غیر ملک میں نہ بھیجے۔ بلکہ میں تو یہی کہونگا کہ جبتک اپنے ملک میں گھڑی کے کارخانے قائم نہ ہولیں یہاں

گھڑیاں نہ بننے لگیں کوئی ہندوستانی گھڑی نہ خریدے۔
دل کی اس باغیانہ تقریر سے گھڑی کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اُسنے اپنے خانساماں کو بُلایا اور اس درویش صفت مگر سرکش وجود کو دھکّے دے کے نکلوا دیا۔
جناب دل نکل تو آئے مگر اب ان پر گھڑی کے عشق کا جنون سوار ہے۔ گھڑی کی طلائی زنجیر کے خیال کو اپنے پاؤں کی بیڑی بنا رکھا ہے۔
میں کیونکر کہوں کہ گھڑی کی سازش نے میرے دل کو کہیں کا نہ رکھا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا رہا

متوالی آنکھ میری بندوق کی

چہرہ پر فقط ایک ہی آنکھ۔ مگر مست بھری۔ رسیلی۔ کٹیلی۔ جسکو نظر بھر کے دیکھ لے۔ وہ کلیجہ تھام کے رہ جائے۔ اس چشمِ سیاہ میں جادو ہے۔ یہی وہ آنکھ ہے جسکا نام نشانہ باز مشہور ہے۔
میری بندوق تو سیاہ پری ہے۔ راجہ اندر کی سبز پری اور سُرخ گلفام تجھ سے آنکھ نہیں ملا سکتی۔ پھر میں کیوں نہ تیری تعریف کروں۔ شاعروں کے معشوق بات نہ کرتے ہیں تو اُنکو اُنکے مُنہ سے پھول جھڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ میری پیاری بندوق جب اپنے دہن سیاہ فام کو کھولتی ہے تو نور و نار کا جلوہ دکھا دیتی ہے۔ میں بھی دیکھتا ہوں اور دُنیا کے اور سب انسان و حیوان بھی۔
جب میں اسکو گلے لگاتا تھا تو شرما کر اپنا مُنہ دوسری طرف کر لیتی تھی۔ اور اُسوقت اگر کوئی اسکے سامنے آجاتا تو پاس نہیں آنے دیتی تھی۔ دور ہی سے کام تمام کر دیتی تھی تاکہ رازِ خلوت فاش نہو۔
نازکبدن ہے مگر دل آہنی رکھتی ہے۔ کم سخن ہے لیکن بولتی ہے تو ایک ہی بول میں بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ سب کچھ ہے۔ مگر آہ وہ آجکل میری نہیں ہے۔ اغیار کے پہلوؤں میں آرام کرتی ہے اور مجکو ترساتی ہے۔ جرمن۔ روس۔ فرانس۔ اٹلی۔ آسٹریا ترکی۔ بلقان نے اسکے کان میری طرف سے بھر دئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی سرکار کا

بھی حکم نہیں کہ یہ موہنی سُندر میرے پاس رہے۔ خیر کچھ ڈر نہیں۔ لاؤ اسکی متوالی آنکھ کی دور سے زیارت کرلیں یہ خیال کیا کم ہے کہ بندوق ہمارے جبار قہار خدا کی صفت جلالی کا ایک ظہور ہے تو پھر خدا کی ذات کو اپنا بنالیں تاکہ یہ صفت خود بخود اپنی ہو جائے۔

پیاسا ہندوستان اور اسکی سوکھی زبان

حلق خشک ہو گیا۔ زبان پر کانٹے پڑ گئے۔ پیاس حد سے بڑھی جاتی ہے۔ لاؤ نئی روشنی کے سوڈا واٹر کے چند قطرے مُنہ میں ٹپکائیں اور اس پیاسے ملک کو تشنگی کے عذاب سے چھڑائیں۔ مگر نمکین سوڈا یا ترش شیریں غالموینڈ بیکار ہے۔

جسکا پیٹ خالی ہو اسکو یہ بناوٹی پانی نقصان دیتے ہیں۔ بھوکے کلیجے پر تیز نشتر کی طرح چبھتے ہیں۔ لہذا پرانے زمانہ کا ٹھنڈا ٹھنڈا۔ میٹھا میٹھا شربت لاؤ۔ اس میں دو بوند کیوڑے کی ڈالو۔ اسکے پینے سے دل کو سہارا ہوگا۔ دل کی جلن دور ہوگی۔

تم سمجھے۔ اس مثال کا مطلب کیا ہوا۔ بات صاف ہے کہ ہندوستانی پیٹ بھرنے کی فکر تو کرتے نہیں کھانے سے پہلے پانی مانگتے ہیں اور پانی بھی ایسا جو خالی کلیجہ کو توڑ لے۔ صنعت و تجارت قوموں کی خوراک کا سامان ہے۔ اور عزت آبرو اسکے ہضم کرنیکا سوڈا واٹر ہے۔ ہندوستانی غذا مہیا کرنے سے پہلے یعنے تجارت اور صنعت و حرفت کے میدان میں قدم بڑھانے سے پیشتر آنر کی کرسیاں تلاش کرتے ہیں۔ تمغوں اور خطابوں کی ہوس میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس طرح کہیں پیاسے ہندوستان کی تشنگی دور ہو سکتی ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

چھڑکاؤ کی گاڑی

گرد آباد سڑک پر دیکھا ہوگا۔ چھڑکاؤ کرنیوالی گاڑی کیونکر تپتی ہوئی زمین کو سیراب کرتی ہے۔ راستہ چلنے والے مسافروں کو تکلیف دینے والی خاک کا مُنہ بند کرنے

کے لئے اپنا سارا سرمایہ مٹی میں ملا دیتی ہے۔

تمہارے لئے اس میں عبرت و نصیحت ہے۔ اگر تم ذرا غور و فکر کی عادت ڈال لو تو دنیا کی ہر چیز تم کو راستہ بتاتی ہے مگر تم تو زندگی کی کش مکش میں آنکھ بند کر کے پڑا رہنا چاہتے ہو۔ کہیں اس طرح زندگی بسر ہوا کرتی ہے۔

ظاہر میں چھڑکاؤ کی گاڑی بڑی فضول خرچ معلوم ہوتی ہے۔ اپنا پانی بے تحاشا بہاتی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک گنوار کا قصہ مشہور ہے کہ جب وہ کسی شہر میں گیا اور وہاں چھڑکاؤ کی گاڑی کو دیکھا تو کہنے لگا یہ گاڑی والا بھی بڑا بے وقوف ہے۔ پانی بہ رہا ہے اور اسکو خبر نہیں۔ گھر پہنچتے پہنچتے تو ایک بوند بھی باقی نہیں رہیگی۔

مگر تم گنوار کی طرح انجان اور ناسمجھ نہ بنو۔ چھڑکاؤ کی گاڑی پر فضول خرچی کا الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنی دولت دوسروں کی فائدہ رسانی میں خرچ کرنی سیکھو۔

اب تم اپنے عیش آرام کیلئے۔ اپنے نام نمود کے واسطے شادی میں۔ غمی میں۔ ہزاروں روپے خرچ کر ڈالتے ہو۔ مگر خدا اور اسکے بندوں کا کوئی کام پیش ہوتا ہے تو ہاتھ سمیٹ لیتے ہو۔ فضول خرچی کا سہم چڑھ جاتا ہے۔

فضول خرچی بہت بری چیز ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے ولا تبذر تبذیرا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ اسراف نہ کر۔ اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کھاؤ پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔

اگر چار آنے گز کے کپڑے میں تمہاری تن پوشی ہو سکتی ہے۔ اگر دو روپے کی دیسی جوتی تمہاری پہنے پانی کو دور کر سکتی ہے۔ اگر ایک طرح کے دال سالن سے تمہاری روٹی چل سکتی ہے تو تین چار روپے گز کے کپڑے پہن کر اپنے جسم کی عادت نہ بگاڑو۔ دس روپے کا ولائتی بوٹ اور پانچ روپے کی کامدار جوتی نہ پہنو۔ دس دس طرح کے کھانے دسترخوان پر نہ لگاؤ۔ تم ایک غریب ملک کے باشندے ہو۔ تم ایک مفلس قوم کے فرد ہو۔ دوسرے بھائیوں کا بھی خیال رکھو کہ وہ کس حال میں ہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے حال میں لکھا ہے کہ سردی کے موسم میں جب انکو گرم کپڑا پہنایا جاتا تو وہ آنکھوں میں آنسو لا کر فرماتے۔ پہلے مسجدوں اور بازاروں کے گوشوں میں غریبوں کو دیکھ آؤ۔ ان میں کوئی ننگا تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو پہلے اسکو دو۔ وہ حقدار ہے۔

چھڑکاؤ کی گاڑی تم کو یہی نصیحت کرتی ہے کہ اسکا سب کچھ دوسروں کیلئے ہے اپنے واسطے وہ ایک بوند بھی گھر لیکر نہیں جاتی ۔

پسینہ

گرمی کے موسم سے تمہارا جی گھبراتا ہے ۔ دھوپ میں باہر نکلو تو دماغ پکنے لگتا ہے ۔ گھر میں بیٹھو تو پسینہ چلا آتا ہے ۔ جس سے کپڑے تر ہو جاتے ہیں ۔ اور ان میں بساندی بساندی بُو آنے لگتی ہے ۔

جانتے بھی ہو پسینہ کیا چیز ہے ۔ یہ تمہارے بدن کی زکوٰۃ ہے ۔ اللہ میاں گرمی کا موسم بھیجکر آدمی کے بدن کا وہ میل کچیل جو مسامات اور کھال کے نظر نہ آنے والے چھوٹے سُوراخوں میں ہوتا ہے ۔ پسینے کے پانی سے دھو دیتے ہیں ۔ پسینہ ایک طرح کی بھاپ ہے جو گرمی کے اثر سے بدن کے اندر پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور پسینہ بنکر بہ جاتی ہے ۔

پہاڑوں اور بعض ملکوں میں گرمی کا موسم نہیں آتا تو وہاں کے رہنے والے حمام میں جاکر بناوٹی گرمی سے پسینہ نکلواتے ہیں ۔ کیونکہ پسینہ آدمی کی تندرستی کیلئے بہت ضروری چیز ہے ۔

پسینہ اللہ میاں کی بڑی نعمت ہے ۔ غریب لوگ گرمی کے موسم میں دن بھر جنگلوں اور بازاروں میں محنت اور مزدوری کرتے ہیں ۔ اور ہر وقت پسینے میں شرابور رہتے ہیں ۔ مگر جب شام کو اپنے گھر جاتے ہیں تو انکا دل باغ باغ ہوتا ہے ۔ کیونکہ محنت اور پسینہ سے انکے بدن کی ساری بیماریاں دور ہو جاتی ہیں ۔ امیر لوگ خس کی ٹٹیاں لگاتے ہیں ۔ پنکھے جھلواتے ہیں اور ہر وقت ہائے گرمی ہائے گرمی پکارتے رہتے ہیں ۔ جب شام ہوتی ہے تو انکے چہرے پر اُداسی اور پریشانی چھائی ہوئی ہوتی ہے ۔ کیونکہ پسینہ نہ آنے اور بیکار پڑے رہنے سے انکے بدن کا میل بدن کے اندر رہتا ہے ۔ اسواسطے یہ بیچارے ہمیشہ حکیموں اور ڈاکٹروں کے دروازے پر پڑے رہتے ہیں ۔ اور رات کو اُس چین سے پاؤں پھیلا کر نہیں سو سکتے ۔ جیسے ٹکے کا آدمی غریب مزدور سوتا ہے ۔

اور ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ جس طرح موسم کی گرمی پسینہ کے ذریعہ بدن کے میل کو دور

کرتی ہے۔ اسی طرح انسان کی روح پر چھایا ہوا میل نماز روزے اور زکوٰۃ سے دور ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب پسینہ آتا ہے تو آدمی کا جی بہت گھبراتا ہے۔ ایسی ہی نماز کی محنت۔ روزے کی مشقت اور زکوٰۃ کے خرچ سے پہلے پہل تو انسان کو ذرا تکلیف ہوتی ہے مگر جب روح کا میل صاف ہو جاتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے جسکی کوئی حد نہیں۔

لہذا اے اخبار توحید کے پڑھنے والو آنے والے موسم گرما کو خدا کی نعمت سمجھو جو غریبوں کے لئے بھیجا گیا ہے اور پسینہ کی قدر کرو۔ اور روح کا میل دور کرنے کے لئے نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ تاکہ خدا کے گھر جاکر آرام سے رہو۔

پاؤں کا جیل خانہ

لوگو! میں ایک آزاد جنٹل مین کا پاؤں ہوں۔ مجھکو روز صرف صبح کے وقت غسل دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد سوتی یا اونی یا ریشمی قبا پہنائی جاتی ہے۔ جسکو جراب کہتے ہیں۔ اُسوقت میں خوش ہوتا ہوں کہ ایک امیر اور خوش حال آدمی کا پاؤں بنا جو یہ لباس میسر آیا۔ غریب کا پاؤں ہوتا تو کیچڑ میں۔ کانٹوں میں دُھوپ کی تپتی جھلستی زمین پر چلنا پڑتا۔

لیکن جب مجھکو بوٹ کے جیلخانہ میں ڈالا جاتا ہے تو بہت پریشان ہوتا ہوں۔ اپنی عارضی خوشی پر نفریں کرتا ہوں۔ مگر جنٹلمین نہایت بے پروائی سے مجکو قفس چرمی میں بند کر دیتا ہے۔ اور مجھپر زور دیکر کھڑا ہوتا ہے تو لیکچر دیتا ہے کہ اے لوگو آزادی حاصل کرو۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ اُسوقت بے اختیار میرا جی چاہتا ہے کہ زبان ہو تو کہوں۔ کہ تیری آزادی کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ تو نے ٹھنڈے اور گورے ملکوں کی تقلید میں جہاں بوٹ پہننا ضروری ہے ہندوستان میں رہ کر خواہ مخواہ اسکو پہنا اور اپنے جسم کے ضروری حصے کو قید کر کے "پابند" ہو گیا۔ اب آزادی کیسی؟ آزادی جب تھی کہ دیسی جوتا پہنتا پانچوں وقت کی نماز کے وقت پاؤں کو دھوتا۔ اور ہندوستانی شریفوں کی محفلوں مسجدوں میں بے روک ٹوک جاتا۔ اب بوٹ اُتارنے کی مشکل کے سبب سب سے محروم ہے۔

سوئی کی لن ترانی

کالے برقع میں چھپی ہوئی۔ کاغذ کی سیاہ پڑیہ میں بند سوئی نے اپنا نوکدار مُنہ باہر نکالا اور کہا۔

کون کہتا ہے انگریز ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔ یہ ملک میرا ہے۔ اسکے رہنے والے میری رعایا ہیں۔ آئندہ کوئی شخص میرے سوا کسی کو یہاں کا تاجدار نہ کہے۔ نہ سمجھے نہ مانے۔ ورنہ سزا دی جائے گی۔

انگریزوں کا اور میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ جہاں میں پیدا ہوئی ہوں وہیں یہ پیدا ہوئے ہیں تو اسکے لئے اتنا ہو سکتا ہے کہ میں ان کو اپنی دوسری ہندوستانی رعایا کے مقابلہ میں کچھ امتیاز دیدوں۔ لیکن ناممکن ہے کہ انکے دعوای ہمسری کو برداشت کیا جائے۔

سب لوگ میرے محتاج ہیں۔ میں نہ ہوں تو گورے کالے ننگے پھریں۔ یا درخت کے پتوں سے اپنا بدن چھپائیں۔ میرا ہمجنس لوہا سوت کاتتا ہے۔ کپڑا بنتا ہے اور میں اُسکو سیتی ہوں۔ عزت مجھ سے ہے۔ حرمت مجھ سے ہے۔ راحت مجھ سے ہے۔

جب میں پہلے پہل اس ملک پر حملہ آور ہوئی تو دیسی سوئیوں نے جو کچی تھیں میرا سامنا کیا۔ مگر میں نے انکو زک دی اور ناپید کر دیا۔

آج میری وہ شان ہے کہ اگر انگریزوں کو اور سب یورپ والوں کو بلکہ سب انسانوں کو نیچا دکھانا چاہوں تو دکھا سکتی ہوں۔ اور ننگا دھڑنگا پھرا سکتی ہوں۔

دیسی کالے بائیکاٹ کا نام لیں تو میں انکو بائیکاٹ کرکے حیران پریشان کر سکتی ہوں۔ جب وہ جوش کے مارے آپے سے باہر ہوں اور میں ذرا سے ذرا اپنا مُنہ چھپالوں تو نشہ ہرن ہو جائیں۔ اور ہائے سوئی ہائے سوئی کا غل مچنے لگے۔ ہندوستان سوئی سوئی کا محتاج ہے آواز آنے لگے۔

لہذا میں اعلان کرتی ہوں کہ کوئی آدمی دم نہ مارے اور چپ چاپ کام کرتا

رہے - کیونکہ تاج میرا - کالج میرا - راج میرا -

فٹ بال

بیچاری گیند میدان فٹ بال میں کھیلنے والوں کی کس طرح ٹھوکریں کھا رہی ہے - بڑا ترس آتا ہے - چمڑے کا بوٹ چمڑے کی گیند کو ٹھکراتا ہے - وہ بھاگتی ہے تو یہ پیچھے دوڑتا ہے ایک طرف سے بچتی ہے تو دوسرا حریف سر پر آتا ہے -

اس گیند کے اندر ہوا بھری ہوئی ہے - اگر ٹھوس ہوتی تو کسکی مجال تھی جو یوں سر بازار ٹھوکریں کھا سکتا -

آدمی کو دیکھو جسکا باطن ایمان حق سے بھرا ہوا ہو - اسکو کسی کا خوف نہیں رہتا مگر کھوکھے ضمیر والے ہمیشہ گردش ایام کے بوٹوں سے ٹھکرائے جاتے ہیں -

فٹ بال بڑا اچھا کھیل ہے - گرمی کے موسم میں شام کے وقت دیکھا ہوگا نوجوان اس سے جی بہلایا کرتے ہیں - یہ ایک طرح کی ورزش ہے - جس سے ہاتھ پاؤں اور بدن میں چستی اور پھرتی پیدا ہوتی ہے -

اگلے زمانہ میں کبڈی کا کھیل تھا جسمیں سانس روک کر دوسرے فریق کے پالے میں کبڈی کبڈی کہتے ہوئے جاتے تھے - اب کبڈی کا رواج کم ہوتا جاتا ہے - حالانکہ کبڈی میں فٹ بال سے بڑھ کر فائدے تھے - اوّل تو یہ کہ سانس کے روکنے اور دوڑنے سے پھیپھڑہ مضبوط ہو جاتا تھا - دوسرے گیند خریدنی نہ پڑتی تھی - تیسرے فٹ بال کی وردی اور ایک خاص قسم کا جوتہ نہ لینا ہوتا تھا - اب یہ عالم ہے کہ دسویں پندرہویں دن گیند خراب ہو جاتی ہے - جوتے ٹوٹ جاتے ہیں - اور غریب ہندوستانی ولایت والوں کی جیب میں چاندی کے سکے ڈالکر چمڑے کے چند ٹکڑے دوبارہ خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں -

بھائی ایسے کھیل کو دور سے سلام جس سے ملک کی دولت برباد ہوتی ہو - گھر پھونک تماشہ اچھا نہیں -

برف کا پانی

یہ مئی کا مہینہ بھی کیسا آتشی ہے۔ درو دیوار سے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں پیاس کا یہ عالم ہے کہ گلاس منہ سے ہٹنے کی دیر تھی کہ پھر تشنگی موجود۔ خدا سائنس دانوں کو خوش رکھے جنہوں نے برف کی مشینیں چلادی ہیں اور گھر بہ گھر برف آسانی سے ملجاتی ہے۔ ورنہ پہلے غریبوں کو ٹھنڈا پانی کہاں میسر تھا۔ برف کے پانی میں صرف ایک ذراسی خرابی ہے کہ یہ معدہ کو خراب کر دیتا ہے۔ پھیپھڑے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ قلب کی حرکت میں رخنہ ڈالتا ہے۔ دماغ کے پٹھوں کو ٹھٹھرا دیتا ہے۔ سو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ ہم کو دل و دماغ اور معدے سے کام ہی کیا لینا ہے۔ پیاس کے وقت برف کا پانی جو مزا دیتا ہے اسپر سب تکلیفیں قربان ہیں۔ سائنس داں ایسی دو چار چیزیں اور بنادیں تو اچھا ہے۔

ابتو آرام سے گزر جائے عاقبت کی خبر خدا جانے

ہاتھ کی بغاوت

سالن کی آزادی

میرا ہاتھ سالن کی پیالی میں نہیں جانا چاہتا۔ کہتا ہے پیالی کی اونچی دیواروں سے دم گھٹتا ہے۔ شوربے اور بوٹی قتلے کے قیدخانہ میں نہیں جاؤنگا۔ مجھکو انگریزی پلیٹ چاہیئے جہاں سالن کو آزادی ہے۔ بوٹی الگ نظر آتی ہے قتلہ جدا معلوم ہوتا ہے۔ شوربا اپنی شان علیحدہ دکھاتا ہے۔ ہاتھ کو اختیار ہے۔ پلیٹ کے کھلے میدان میں جسطرف چاہے جائے۔ پیالی میں انگلیوں کو غوطے مار مار کر بوٹیاں نکالنی پڑتی ہیں۔

الٰہی خیر۔ ہاتھی باغی ہو گیا تو پیٹ بھوکا مرجائیگا۔ اسکو سمجھاؤ۔ اور کہو دیوانے

غریبوں میں پیدا ہوا ہے - غریبوں کی سی باتیں کر - ہمارے یہاں بھی پلاؤ زردہ کھلی
قاب اور میدانی رکابی میں ہوتا ہے - مگر دال اور غریبانہ سالن پیالی کی دیواروں
کے پردہ میں اچھا - پردہ کے باہر آنا آبرو میں بٹہ لگائیگا - انگریز ملک کے بادشاہ ہیں
دولت حشمت ان کی غلام ہے - وہ تر بہ تر کھانے کھاتے ہیں - اسلئے کھلی رکابیاں
انکو زیبا ہیں - تو مفلس کنگال اُبالی دال کھانے والا - تجکو یہ فضول خرچیاں مناسب
نہیں - جبتک پلاؤ زردہ میسر نہ آئے صبر شکر سے پیالی پر گزارہ کر - آج تو لیفاوت
کرتا ہے - کل عورتیں سرکشی اختیار کرینگی کہ ہم کو بھی پردہ سے نکالو - اسوقت کیا ہوگا
انکو پردہ میں پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑے چھپے ہوئے ہیں - پردہ نہ رہا تو ملک کا سارا
بھرم کھل جائیگا - اور غریب شوہر اچھے کپڑے بناتے بناتے پاگل بن جائینگے
نادان بات کو سمجھ اور دوسروں کی ریس چھوڑ -

پیاسے گلے پہ چھری

حاملہ کا قتل

مسلمان کہتے ہیں بلغاریوں اور سرویوں نے ترکی عورتوں کو انکے بچوں کے سامنے قتل
کیا - انگریز کہتے ہیں غدر میں ہندوستانیوں نے انکے ساتھ یہی سلوک کیا - فقیر کہتا ہے
اُس بے زبان جانور کو بھی کسی نے دیکھا جسکا نام بکری ہے - جو شہروں کے قتل خانوں
میں ہزاروں بھوکی پیاسی بیدردی کی چھُری سے ذبح ہو جاتی ہیں - تم اپنی بیوی
بچوں کو لیکر خوش خوش آراستہ دسترخوان پر کھانا کھاتے ہو - تمہارے سامنے
قلیہ - قورمہ - کوفتے - پسندے کی قابیں ہوتی ہیں - ہاتھ بڑھاتے ہو - مظلوم
بوٹیوں کو دانتوں سے بھنبوڑتے ہو - مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ گوشت کہاں
سے آیا اور کیونکر آیا -
کسی دور کے گاؤں سے بکریوں کا ریوڑ چلا - مئی کی دھوپ انکے سر پر تھی - بیچاریاں
دن بھر کی منزل طے کر کے شام کو شہر میں پہونچیں - جلادوں نے ایک تنگ مکان میں

بند کر دیا۔ اور وہ ہستیاں جنکو دیہات کے کھلے میدانوں میں رہنے کی عادت تھی شہر کے تیرہ و تاریک جیلخانوں میں بھوکی پیاسی مقید رہیں۔ صبح کو مقتل کی بُلاوہوئی دیسی ڈاکٹر کی نظر طماع نے ایک سرسری معائنہ کیا۔ لبن دین کے خفیہ اشارے ہوئے اور ناتوان مظلوم قیدی جنکی زبانیں پیاس کی شدت سے نکلی پڑتی تھیں۔ جو حسرت اور مایوسی سے اپنے جلادوں کو دیکھکر رحم کی درخواست کرتے تھے۔ ڈنڈوں اور لاتوں کے زور سے کان اور دُم کھینچ کھینچ کر قتلگاہ میں پہنچائے گئے۔ جہاں جلاد چھُری تیز کئے بغیر بے پروائی سے آستینیں چڑھائے کھڑا تھا۔ اُن میں ایک بکری حاملہ تھی۔ اُسکو دو قدم چلنا دوبھر تھا۔ وہ ظالموں کی لاتوں سے حواس باختہ تھی۔ دم چڑھا جاتا تھا۔ مُڑ مُڑ کر دیکھتی تھی کہ کوئی خدا کا بندہ ترس کھائے۔ اور پیٹ میں بچہ رکھنے والی کو موت سے بچائے۔ وہاں کون سُنتا تھا۔ سب کے کلیجے پتھر کے تھے۔ کسی نے رحم نہ کیا۔ یہانتک کہ سب کے ساتھ وہ بھی مقتل کی زمین پر پچھاڑی گئی۔ اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پیاس کے مارے حلق سوکھ گیا تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر آواز نہ نکلتی تھی۔ اُسنے چھُری کو دیکھا اور سمجھی کہ اب اسکی دھار پانی پلائے گی۔ آخر یہی ہوا۔ جلاد نے گلے کی کھال پر چھُری رکھدی۔ حاملہ بکری نے کانپ کر اور لرز کر ایک دفعہ چیخ ماری۔ چھُری نے اُسکے بالوں کو کاٹا۔ کھال کو کاٹا۔ رگوں کو کاٹا اور ہڈی کے پاس جا کر دم لیا۔

خون کے فوّارے اُبلے۔ ہاتھ پاؤں سے دم کھینچنا شروع ہوا۔ بیجان لاش چند منٹ تڑپی اور ٹھنڈی ہوگئی۔ اسکے بعد کھال کھینچی گئی۔ پیٹ چاک کیا گیا۔ اور وہ بچے نکالے گئے جو مرنے والی کے پیٹ میں تھے۔ اُسوقت سفاک جلاد نے اتنا کہا اوہو یہ گیابھن تھی۔ بچّوں کو جلدی سے چھپانے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ اب قانون کی گرفت کا ڈر تھا۔ اس گوشت کے ٹکڑے پارچے ہوئے۔ کوئی حصّہ قلیہ کے کام آیا۔ کوئی قورمے میں بھُنا۔ کسی کا قیمہ بنا۔ پسندے کو لے گئے۔ کسیکو کوفتہ کی کوفت اُٹھانی پڑی۔

یہ ہے تمہارے دسترخوان کی بہار۔ جسکو فخر اور گھمنڈ سے کھا رہے ہو۔ کھا چکو گے تو اخباروں میں بلقانی سفاکیوں پر مضمون لکھو گے۔ اور خیال کرو گے

کہ تمنے قوم کا ایک بڑا فرض ادا کیا ہے - ہاں بیشک تم نے فرض ادا کیا ہے - تمہاری تعریف کرنی چاہیئے - لیکن یہ فرض خود غرضی کا فرض تھا - ورنہ تم ان بے زبان ہستیوں کا بھی خیال کرتے -

کیا یہ ممکن نہ تھا کہ تم ذبح خانوں کی نگرانی پر زور دیتے اور پبلک سے کہتے کہ وہ بیزبان جانوروں کی خبر گیری کا انتظام کریں - اس میں تم پر بیجا دست کا الزام نہ لگتا - اگر تم لکھتے کہ جن پر چھری چلائی جائے اُن کو پانی پلا دینا چاہیئے - اُنکو حبس بیجا میں نہ رکھا جائے - گیا بھن اور حاملہ کی تحقیق خاص طور پر ہو - اور جو لوگ اسکے خلاف کوئی حرکت کریں اُنکو عبرتناک سزائیں دی جائیں - مگر تم سب (جن میں راقم فقیر بھی شامل ہے) دوسروں کو کہتے ہو اپنی خبر نہیں لیتے - کل قیامت کے دن احکم الحاکمین تم سب سے اسکا جواب طلب کریگا -

میں مانتا ہوں کہ جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں - بیشک تم انکا گوشت کھا سکتے ہو - مگر ان سفاکیوں کی کسی مذہب نے اجازت نہیں دی - خصوصاً اسلام نے ان ناروا ظلموں کو نہایت سختی کے ساتھ روکا ہے -

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے غلاموں کو چاہیئے کہ وہ اپنی صوفیانہ نرم دلی کو کام میں لائیں اور ہر شہر میں ایسی انجمنیں قایم کریں جنکے ممبر روزانہ صبح کے وقت ذبح خانوں میں جاکر حاملہ - بیمار - کمزور - کمسن - بھوکے پیاسے جانوروں کو ذبح ہونے سے بچائیں - اور اسکا خیال رکھیں کہ ایک جانور دوسرے کے سامنے ذبح نہ ہو - چھریاں تیز کرلی جائیں تاکہ ذبح کے وقت زیادہ تکلیف نہو - اگر آپ ایسا کرینگے تو مظلوم اور غریب نواز خواجہؒ اور حضرت رب العالمین کی خوشنودی حاصل کرینگے -

ایک بڑے ہندوستانی کی گرفتاری

اور جلاوطن کرنے کی تیاری

ہندی بھائیو؟ مجھکو بے قصور ملک بدر کیا جاتا ہے - میں تمہارا ہوں تم میری مدد

نہیں کرتے؟

میرا نام **دانۂ گندم** ہے۔ میں غریب کاشتکاروں کی سخت محنت اور جفاکشی کے سبب اسی مئی سنہ ۱۹۱۴ء میں گھر سے باہر نکلا تھا کہ بھوکے ہندوستان کے کام آؤں۔ مگر یہ باہر کے ملک والے تاجر مجھکو بوریوں میں قید کرکے اپنے دیش کو لئے جاتے ہیں۔ خدا کے لئے مجھکو چھڑاؤ۔ اور جلاوطن نہونے دو۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت آدم میرے سبب بہشت سے نکالے گئے تھے۔ مجھکو معلوم ہے کہ میرے سبب ہوس پرستی کا خمار پیدا ہوتا ہے۔ اور عشق کے نام پر بٹہ لگتا ہے جیسے مثنوی مولانائے روم میں پڑھا ہے۔

ایں خمار از خوردن گندم بود ٭

مگر دیش کے فداکارو۔ جیسا ہوں۔ تمہارا ہوں۔ اپنے گنہگار خدمتگزار کو روپیہ کے لالچ میں غیروں کے حوالے نہ کرو۔ میری آبرو تمہاری عزت ہے۔ اپنے دیش میں ہونگا تو تمہارے بھوکے بچوں کے کام آؤنگا۔

کوئی ہے جو بے ترس ریلی برادر کے پنجہ سے مجھکو چھڑائے اور فدیہ کا روپیہ دیکر غلام کو آزادی دلوائے۔

اے دیا دھرم کی رکشا کرنے والے اور جیو آتما کی حفاظت میں جان لڑانیوالے بیوپاریو تم میری فریاد سنو۔ اور بدیش نگری میں مجکو نہ بھیجو۔

ہندوستان میرا جنم استھان۔ جہاں میرے بال بچے آباد ہیں مجھکو پیارا ہے۔ اس سے جدا نہ ہونے دو۔

اے آستان خواجہ پر حاضری دینے والے سوداگرو۔ ہندو مسلمانو اپنے دانۂ گندم کی فریاد بھی خواجہ تک پہنچانا۔ اور اس قید کی ایذا سے بچانا۔

ایک بڑی آندھی

دیکھنا کمروں کے کواڑ بند کرنا۔ بڑے زور کی آندھی آتی ہے۔ آسمان کے کنارے کچھ گدلے گدلے سے ہو رہے ہیں۔ ہوا کا سنسناٹا معلوم ہوتا ہے۔ اور غبار اُمڈا ہوا چلا آتا ہے۔ کوئی دم میں اندھیرا ہو جائیگا۔ درخت ہوا کے زور سے زمین کو لگ جائینگے۔

آندھی بھی خدا کی نعمت ہے۔ جو گرمی کے موسم میں بندوں کے فائدے اور نصیحت کے لئے بھیجی جاتی ہے۔

فائدہ تو اس میں یہ ہے کہ بستیوں اور شہروں کی گندی اور زہریلی ہوا کو آندھی کا زبردست پنکھا صاف کر دیتا ہے۔ جنگل کی پاک صاف مٹی آبادی کے میلے کچیلے مقامات پر چھا جاتی ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ طاعون اور ہیضہ کی بیماریاں کسی علاج سے دور نہ ہوئیں مگر دو چار آندھیوں نے ان موذی امراض کا صفایا کر دیا۔

الغرض آندھی خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ بندوں کو اسکی قدر کرنی چاہئے۔

آندھی میں خدا کے بندوں کے لئے ایک نصیحت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جنگل کی کاہل مٹی۔ افسردہ پتے۔ بیکس تنکے اور کوڑہ کرکٹ جنکو سب آدمی حقیر ذلیل سمجھتے ہیں۔ پیروں میں روندتے ہیں۔ اور گھروں کی تمام غلاظت اُنکے سروں پر ڈالتے ہیں۔ چلتے ہیں تو بیچاروں پر تھوکتے ہیں۔ غرض کوئی ذلت و رسوائی باقی نہیں جو ان غریبوں کو پیش نہ آتی ہو۔ مگر آندھی ان کو اپنے زوردار بازوؤں پر سوار کرکے اور اُنکا

ہوائی جہاز

بنکر آدمیوں کے گھروں پر حملہ کرتی ہے۔ مغرور اور متکبر آدمی جو کل تک تنکوں۔ پتوں اور مٹی کو حقارت سے دیکھتا تھا۔ آندھی کے حملہ سے عاجز آجاتا ہے۔ سوکھے پتے اور تنکے اسکے مُنہ پر طمانچے مارتے ہیں۔ خاک اسکے کان اور ناک میں گھُس گھُس کر بیدم کئے ڈالتی ہے۔ اُسوقت اگر اُسکو سمجھ اور ہوش ہو تو خیال کرتا ہے کہ میں نے بڑی غلطی کی کہ خدا کی کمزور مخلوق کو حقیر جانا۔ اسکے بعد اسکے ذہن میں ایک دوسری بڑی آندھی کا خیال آتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جسمیں بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اور گھاس پھونس کی مانند اُڑتے پھرینگے۔ اسروز آسمان زمین کو آندھی کے جھونکے توڑ پھوڑ کر رکھدینگے۔ یہ آندھی ایسی ہوگی جسکے شور سے قبر کے مُردے گھبرا کر باہر نکل آئینگے اور ہر جاندار کے چہرے پر مایوسی اور ہراس چھائی ہوئی ہوگی۔ نفسی نفسی کی پکار مچے گی۔ خدا حساب کتاب کی ترازو کھڑی کریگا۔ اور درحقیقت یہ آندھی سب سے بڑی آندھی ہوگی۔

پانی کا گھونٹ اور نمک کی کنکری

آج تم افطار کے وقت رنگ برنگ اشیاء سے دسترخوان آراستہ کرتے ہو۔ کچھ دن پہلے تمہارے

شہنشاہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم پانی کے گھونٹ اور نمک کی کنکری سے روزہ افطار کرتے تھے۔ یہ کون تھے؟ وہ جنکے لئے آسمان زمین پیدا ہوا۔ مگر انہوں نے ہمیشہ غریبوں اور مسکینوں کی طرح زندگی بسر کی۔ اور دعا مانگی کہ آخر تک انکا شمار مسکینوں اور غریبوں میں ہو۔

لہذا اے غریب نواز اور شریک غربا رسول کی امت تو بھی نعمت اور فارغ البالی میں اپنے غریب بھائیوں کو نہ بھول۔ انکی افطاری وسحری کا انتظام کر۔ اور اپنے شاندار عرشی فرشی (میز و زمین کے) دسترخوان پر نمک کی کنکری اور سادے پانی کے گھونٹ کو بھی رکھ۔

فقیروں کی عید

قوموں کی زندگی اور ترقی جن ذرائع سے معلوم ہوتی ہے اُن میں قومی تہواروں کی شان و شوکت کو بہت کچھ دخل ہے۔ اسلام نے ظاہر ہو کر عرب اور اکثر حصہ عالم کی رسم قبیحہ اور ناز یبا رواجوں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور مٹا دیا۔ مگر جو رسمیں بشریت کی فطرت میں داخل تھیں۔ اُنکو باوجود اپنے بھاری بھرکم طرز عمل اور تقویٰ و متانت کے جاری رکھا بلکہ اُن میں اور چار چاند لگائے۔

چنانچہ وہ کھیل جو جنگ جو قوموں میں بطور مشق جاری تھے۔ اسلام نے اُنکو منع نہیں کیا۔ خود بانی اسلام علیہ التحیۃ والسلام بارہا ایسے کھیلوں میں شریک ہوئے ہیں حالانکہ کھیل تماشہ اور لغو مشغلوں سے آپ نے ہمیشہ نفرت کا اظہار کیا۔ اور لوگوں کو اس سے روکتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھیل جن سے قوم میں کوئی کارآمد بات پیدا ہو اسلام نے بند نہیں کئے اور اُنکو اپنی متانت اور بردباری کے خلاف نہیں سمجھا۔ مثلاً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیزہ بازی اور تیراندازی کے کھیلوں کا خود بھی تماشہ دیکھتے تھے اور اپنے عیال کو بھی دکھاتے تھے۔ متعدد روایتوں سے یہانتک ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ دوڑ کے کھیل میں شریک ہوتے اور خود بنفس نفیس دوڑتے اور فرماتے۔ دیکھیں کون آگے نکلے۔

بہادری اور مردانگی کے کھیلوں میں خود ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک ہونا دلیل ہے اس امر کی ہر زمانہ میں جو کھیل دلیری اور شجاعت کا جذبہ پیدا کرنیوالے ہوں

ان میں ہر ثقہ اور متین مسلمان شامل ہو سکتا ہے اور کوئی شخص اُسپر اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ جو ذات سب سے زیادہ متین اور بردبار تھی وہ بھی ایک مفید حد تک ان کھیلوں کو جائز رکھتی تھی۔

اسی پر ایام خوشی کو قیاس کرنا چاہیئے کہ سال بھر میں ایک دن ایسا ہونا جس میں قوم کا ہر فرد اپنی حیثیت اور طبیعت کے موافق خوش ہو ضروریات سے تھا۔ اسواسطے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الضحیٰ دو دن مقرر فرمائے۔ یہ دونوں دن اسلام کے دو عظیم الشان فرائض کی تکمیل کی خوشی میں مقرر ہوئے۔ عید الفطر مہینہ بھر کے روزے ادا کرنے کے بعد اور عید الضحیٰ حج کعبہ کے بعد۔ اس طریقہ سے مسلمانوں کی خوشی کو اپنے معبود کی عبادت کے ساتھ جیسی کچھ وابستگی ہوگئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہر شخص خود غور کر سکتا اور سمجھ سکتا ہے۔

حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور اُنکے جلیل القدر صحابہؓ دلی یکجہتی اور شادمانی سے ان تہواروں میں حصہ لیتے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قومی تہواروں کو اُنکی شان کے موافق کرنا متانت اور بھاری بھرکم پن کے خلاف اور منافی نہیں ہے۔ درویش اور مشائخ بھی بشر ہیں اور انسانوں کے دل سینوں میں رکھتے ہیں اور حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کی شان کچھ اعلیٰ اور برگزیدہ نہیں ہے جو اپنے دینی اور قومی تہوار کی خوشی کے اظہار میں شریک ہونا اپنے وقار اور منصب کے خلاف تصوّر کریں۔ خوشی اور رنج کا حس مٹ جانا دوسری چیز ہے۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے حواس آدمیت سے معطل ہو جائے بلکہ وہ ایک مقام رضا و تسلیم ہے۔ جسمیں درویش رضائے الٰہی کی طلب میں ایسا بے خبر ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تکلیفات اور خوشیاں اُسکی طلب میں مخل نہیں ہونے پاتیں۔ اور وہ ایک ہی دُھن میں مستغرق رہتا ہے۔

پس عید جیسے قومی و دینی تہوار میں فقرار و مشائخ کا یا اُنکے اخبار و رسالہ کا شریک ہونا اور اُسکی خوشی میں اپنے دیگر ہم مذہب بھائیوں کی مثل برابر حصہ لینا نامناسب و ناروا نہیں ہے۔ بلکہ لازمی اور ضروری ہے۔

ٹراموے کے پہیہ کا بیان

میں آہنی پہیہ ولد مشین ولائیت ساکن ٹرام آفس صدر بازار دہلی عمر ۵ سال -

فلک گردش مآب کے حافظ اور اپنے خالق کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں مسٹر جی جی گریفن جنرل منیجر کو جانتا ہوں - وہ محنتی مستعد اور اپنے فرض کے پکّے آدمی ہیں وہ میری خوراک تیل کی کافی خبر داری رکھتے ہیں - انکو میری صفائی کا بھی بہت خیال رہتا ہے -

تمنے آجتک کتنے آدمیوں کا خون کیا ؟

حضور میں غریب لوہا ہوں - مجکو بجلی چین نہیں لینے دیتی - صبح کے چھ بجے سے رات کے دس گیارہ بجے تک گردش میں رکھتی ہے - مجھے کیا خبر خون کسکو کہتے ہیں - برسات میں دہلی کی کیچڑ بہت ستاتی ہے اور خلقت میرے سر پر سوار رہتی ہے -

تم سے جو کچھ سوال کیا جائے اسکا جواب دو - ہم دریافت کرتے ہیں کہ تم نے دہلی کے کتنے باشندوں کو جان سے مارا -

مینے کسی کو نہیں مارا - خلقت خود بخود مرجاتی ہے - ملک میں افلاس اور پریشانی زیادہ ہے - جن غریب لوگوں کو شہر میں رہنے کے لئے مکان نہیں ملتے وہ قبرستان اور مرگھٹ میں آرام کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ میرے سامنے آجاتے ہیں - گھنٹی بجائی جاتی ہے سپاہی آوازیں دیتے ہیں - مگر وہ نہیں مانتے اور سامنے آکر مرجاتے ہیں -

دیکھو جواب مختصر دو - فضول باتوں ست کرو - تم بتا سکتے ہو کہ پانچ برس میں کسقدر آدمی تمہاری ضرب سے زخمی ہوئے -

مسٹر گریفن منیجر نے اخبار ہمدرد میں شائع کرایا ہے کہ سولہ آدمی آجتک مرے ہیں زخمیوں کی نسبت بھی آپ انہی سے سوال کیجئے -

کالے آدمی کی موافق دیکھو تم ٹھیک ٹھیک جواب کیوں نہیں دیتے -

جناب مینے ٹھیک ٹھیک کہا منیجر صاحب سے دریافت کیا جائے - دہلی کے زخمیوں کا شمار انہی کو معلوم ہوگا -

تم کو معلوم ہے کہ تمہارا ہانکنے والہ بھیڑ بھاڑ کے موقع پر تمکو تیز چلاتا ہے یا آہستہ -

حضور میری انسلٹ نہ کیجئے - میں ہمیشہ سے تیز ہوں بجلی کے بل پر کام کرنیوالا اشست

نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی آسمان کی بجلی سے بھی پوچھا کہ وہ کتنی مرتبہ زمین پر گری اور خلقت کی جانیں لیں۔

ڈرائیور ٹرام چلانے کا نوکر ہے۔ خدا اپنی خلقت کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ وہ آئے اور لوگوں کو بچائے۔ ڈرائیور کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ وہ بھیڑ بھاڑ اور وقت بیوقت دیکھنے کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اسکو ڈیوٹی میں لیٹ ہو جانیکا ڈر رہتا ہے۔

تم بتا سکتے ہو کہ ڈرائیور۔ عورتوں۔ بچوں اور کمزور آدمیوں کے لئے چڑھنے اُترنے کے وقت گاڑی روکنے میں رعائت کرتا ہے یا نہیں۔

نہیں جناب۔ بمبئی میں تو یہ قاعدہ ہے۔ جہاں ایک آنہ فی کس محصول لیا جاتا ہے دہلی والے ایک پیسہ دیکر یہ حق نہیں لے سکتے۔ عزت اسی کی ہے۔ خبرداری اسی کی کی جاتی ہے جو زیادہ دام خرچ کرے۔

کیا گاڑی ٹھہرنے کے مقامات مقرر ہیں۔ جہاں لوگ اطمینان سے چڑھتے اُترتے ہیں۔

جی ہاں ہیں۔ مگر دہلی والے پابندی نہیں کرتے۔ ہر جگہ کھڑے ہو کر غل مچاتے ہیں چھتریاں اور ہاتھ دکھا کر گاڑی ٹھہراتے ہیں اور گاڑی کو ٹھہرنا پڑتا ہے۔

تم اور کچھ کہنا چاہتے ہو۔

بس جی نہیں۔ اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ٹرام گاڑی کے افتتاح کے وقت مسٹر ہمفریز ڈپٹی کمشنر دہلی نے فرمایا تھا کہ اب خلقت راستہ چلنا بھول جائے گی۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ دہلی والے دو قدم کے لئے ٹرام کے منتظر رہتے ہیں۔ آپ کو مسٹر گریفن کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہوگا کہ آجکل ہر ہفتہ میں ایک لاکھ آدمی ٹرام میں سفر کرتے ہیں۔ بمبئی کلکتہ میں تو ٹرام تجارتی کاروبار کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ مگر دہلی والے ہوا خوری بھی اسی میں کرتے ہیں۔ اسمیں میرا یہ نقصان ہے کہ بوجھ زیادہ اُٹھانا پڑتا ہے۔

مئے وحدت کا ساتواں دور

تعلیم و تلقین

اللہ ایک ہے

یاد کرلو تمہارا اور سارے جہان کا پیدا کرنیوالا ایک ہے۔ اگر کئی خدا ہوتے تو اُنکے آپس میں لڑائیاں ہوا کرتیں۔ ایک کہتا میں آج مینہ برساؤنگا۔ دوسرا کہتا میرا دل کیچڑ پانی سے گھبراتا ہے۔ اسلئے مینہ نہیں برسنے دیتا۔ اسپر دونوں میں تکرار ہوتی۔ ایک آسمان کو توڑ ڈالتا۔ دوسرا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ اور بچارے غریب آدمیوں اور زمین پر رہنے والوں کی مشکل آجاتی شکر کہ سب کا مالک ایک ہے۔ ہر چیز کا اسکو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ کسی کو اسکے کام میں دخل دینے کی مجال نہیں ہے۔

ہر چیز عبادت کیلئے پیدا ہوئی ہے

کچھ خبر ہے۔ سانپ بچھو۔ چھپکلی۔ گلہری ہر وقت زمین سے کیوں چمٹے رہتے ہیں۔ اور اپنے سر کو خاک پر کیوں جھکائے رکھتے ہیں۔ سُنو وہ خدا کی عبادت میں ہیں۔ اور ایک آن سجدے سے سر نہیں اُٹھاتے۔ سانپ کبھی کبھی اپنا پھن اونچا کر کے کھڑا ہوتا ہے۔ اور گلہری بھی پیچھے کے پاؤں پر سہارا دیکر دونوں ہاتوں کو سینہ کے پاس لاکر کھڑی ہوتی ہے مگر یہ ان کی نماز کا طریقہ ہے۔ آدمی بھی جب نماز پڑھتے ہیں تو پہلے کھڑے ہوتے ہیں کانوں پر ہاتھ رکھکر سینہ یا ناف پر باندھ لیتے ہیں۔ اسی طرح ان جانوروں کی نماز ہے ریچھ بندر۔ گھوڑے ہاتھی۔ بیل وغیرہ کو دیکھو وہ ہر وقت خدا کے سامنے کمر جھکائے رکھتے ہیں۔ جیسے آدمی نماز میں کھڑے ہوکر رکوع کرتے ہیں۔

پہاڑوں اور درختوں پر خیال کرو وہ خدا کے سامنے ہر وقت ادب سے کھڑے رہتے ہیں۔ جس طرح آدمی نماز میں چُپ چاپ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔

تم سمجھے ۔ تمہارا خدا کتنا بڑا اور کتنی طاقت رکھتا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور ادب سے اسکے سامنے جُھکی ہوئی ہے ۔

تم بھی اس سے ڈرو اور اپنا سر اسکے آگے جُھکاؤ ۔ اگر ایسا کروگے تو خدا تم سے بہت خوش ہوگا ۔ اور تم کو اور تمہارے ماں باپ کو بہت سا انعام دیگا ۔

تاش کا اِکّہ

تمنے کبھی تاش کا کھیل دیکھا ہے ۔ اسکی مورتیں تو ضرور دیکھی ہونگی ۔ تاش کے پتّوں میں چار رنگ ہوتے ہیں ۔ دو کالے ۔ اور دو لال ۔ کالے رنگ میں ایک کا نام حکم ہے ۔ دوسرے کا چڑی تن ۔ حکم پان کی شکل کا ایک نشان ہوتا ہے اور چڑی تن کی صورت ایک پھُول کی ہوتی ہے ۔

لال رنگوں میں ایک کا نام اینٹ ہے اور دوسرے کا نام پان ہے ۔ اینٹ کی صورت چوکور اینٹ کی سی ہوتی ہے اور پان بھی اس پان کی شکل ہوتا ہے جسکو لوگ کھاتے ہیں ۔ ان چاروں رنگوں میں ہر رنگ کی الگ الگ تین تین مورتیں ہوتی ہیں ۔ یعنی حکم میں بھی تین ۔ چڑی تن میں بھی تین ۔ ایک مورت کا نام بادشاہ ہے ۔ اس مورت کے سر پر تاج اور ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے دوسری مورت کا نام میم ہے ۔ اور بعضے آدمی اسکو بیگم بھی کہتے ہیں ۔ یہ مورت عورت کی ہوتی ہے ۔

تیسری مورت کا نام غلام ہے ۔ اس مورت کے کپڑے بادشاہ اور بیگم کے کپڑوں سے ذرا گھٹیا ہوتے ہیں ۔ جیسے امیروں کے نوکروں کے کپڑے تمنے دیکھے ہونگے ۔

مگر حکم کے پتّوں میں چار مورتیں ہوتی ہیں ۔ حکم کا اِکّہ آفتاب کہلاتا ہے جو کالے رنگ کی ایک مورت ہوتی ہے باقی تینوں رنگوں کے اکّوں پر فقط چڑی تن کا ایک پھُول یا اینٹ کا ایک نشان یا پان کی ایک صورت بنی ہوئی ہوتی ہے ۔

اِکّے ۔ بادشاہ ۔ بیگم اور غلام کے سوا ہر رنگ میں نو نو پتّے اور ہوتے ہیں جسمیں دو نشان ہوں اسکو دُکّی کہتے ہیں ۔ جس میں تین ہوں اسکو تِکّی بولتے ہیں ۔ اسی طرح چوّا ۔ پنجا چھکّا ۔ ستّا ۔ اٹھّا ۔ نہلا ۔ دھلا گنتے چلے جاؤ ۔

اِن پتّوں میں سب سے بڑا درجہ اِکّہ کا ہے ۔ یعنے اِکّہ کے سامنے نہ بادشاہ کی کچھ حقیقت

ہے نہ بیگم کی ۔ نہ غلام کی نہ اور باقی پتّوں کی ۔ اِکّہ سب کو جیت لیتا ہے ۔ یوں تو تاش کھیلنے کے بہت سے طریقے ہیں ۔ مگر جب تین آدمی کھیلنے بیٹھیں تو پہلے اینٹ کی دُگی پتّوں سے نکال کر الگ کر دیتے ہیں ۔ کیونکہ یہ پتہ تین آدمی کے کھیل میں فالتو رہ جاتا ہے ۔

جب کھیل شروع ہوتا ہے تو پہلے آفتاب یعنے حکم کے اکّے کو سامنے ڈالتے ہیں ۔ اسکے بعد اور اکّے اور بیگم غلام وغیرہ میدان میں آتے ہیں ۔

تین آدمی کے اس کھیل میں شرط یہ ہے کہ سب پتّوں کا رنگ نہ بگڑنے پائے ۔ جسکے پاس کوئی رنگ کم ہو یا ختم ہو جائے تو پھر اسکو ہار ہو جاتی ہے یہانتک کہ اکّہ تک کو بدرنگی میں دوسرے کاٹ کر لے جاتے ہیں ۔

اچھا تو تمنے تاش کا کھیل سمجھ لیا ۔ اب اسمیں تم کو ایک اور مزے کی بات بتائیں ۔ اوپر پڑھ چکے ہو کہ ہم سب کا خدا ایک ہے اور اسمیں بڑی طاقت ہے ۔ سب چیزیں اُس سے ڈرتی ہیں ۔ دیکھو تاش کے کھیل میں بھی اکّہ سب سے بڑھکر طاقت رکھتا ہے ایک نشان ۔ دو چار ۔ سات آٹھ ۔ نو دس یہانتک کہ غلام ۔ بیگم بادشاہ تک کو جیت لیتا ہے ۔ ایسا ہی تمہارا ایک خدا سب کو چاہے وہ کتنے ہی بہت سے ہوں ۔ اور کیسی ہی تلواریں بندوقیں اور توپیں انکے پاس ہوں ۔ جب چاہے ایک دم میں ہرا سکتا ہے ۔

ہاں اسکو بھی یاد رکھنا کہ جو خدا کے بندے اپنے ایک خدا پر پکا بھروسہ رکھتے ہیں تو انکا دل بھی تاش کے اِکّے کی طرح ایک اور مضبوط ہو جاتا ہے پھر وہ بھی سب بادشاہوں کو جیت لیتے ہیں ۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جو لوگ اپنے دین اور ایمان کے رنگ کو بچاتے نہیں اور بدرنگ ہو جاتے ہیں تو اُنکے دل کا اِکّہ بھی بدرنگی میں کٹ جاتا ہے ۔ اور انکی ہار ہو جاتی ہے ۔

اپنے اُستاد سے کہو کہ وہ تم کو اچھی طرح تاش کا کھیل سمجھا کر اِکّہ کی بہادری کی کہانیاں سُنائے ۔ ہمنے تو تم کو بہت تھوڑا سا بتایا ہے ۔

ہیرامن طوطا

دیکھنا طوطے کے پنجرے میں اُنگلی مت ڈالنا ۔ یہ بڑا کٹ کھنا جانور ہے ۔ لوہے کے تاروں

پراس کی چونچ کا بس نہیں چلتا۔ نہیں تو پنجرے کو بھی کُتر ڈالے۔

جب بولتا ہے تو کیسی ہنسی آتی ہے۔ بالکل ننھے ننھے بچوں کی سی باتیں کرتا ہے بڑا عقلمند ہے۔ جو بات سکھاؤ یاد کرلیتا ہے۔ بیگم صاحبہ جنہوں نے اسکو پالا ہے روز بلاناغہ سبق پڑھاتی ہیں۔ کبھی تو یہ اپنا سبق جلدی یاد کرلیتا ہے اور کبھی روٹھ جاتا ہے تو بیگم صاحبہ میاں مٹھو۔ مٹھو۔ بیوی کے پیارے مٹھو۔ بولو۔ کہہ کہہ کر اسکو مناتی ہیں۔

جب ہیرامن طوطے نے پہلے پہل بولنا سیکھا تو اسکو یہ پڑھایا گیا۔ اللہ حق اللہ۔ پاک ذات اللہ۔

طوطے نے اسکو یاد کرلیا۔ جہاں سویرا ہوا۔ چڑیاں بولیں۔ اور اسنے کہنا شروع کیا۔ اللہ۔ حق اللہ۔ پاک ذات اللہ۔ بیگم صاحبہ کی آنکھ کھُل جاتی تھی۔ اور وہ خوشی خوشی اُٹھکر وضو کرتی تھیں۔ اور نماز ادا کرتی تھیں۔ دوسرا سبق طوطے کو نبی۔ نبی محمدؐ رسول۔ رسول۔ نبی جی بھیجو۔ نبی جی بھیجو۔ پڑھایا تو طوطا مولوی صاحب بن گیا۔ جہاں گھر میں کوئی آدمی آیا۔ اور اسنے پڑھنا شروع کیا۔ گویا آنے والوں سے وہ کہتا تھا کہ میں بڑا پڑھا ہوا طوطا ہوں۔

میاں لڑکو تم نے یہ بھی خیال کیا کہ طوطہ بیگم صاحب کا کہنا کیوں مان لیتا ہے اور جو کچھ وہ بتاتی ہیں کیوں سیکھ لیتا ہے۔ سُنو اسواسطے کہ وہ جانتا ہے کہ بیگم صاحبہ مجھ کو دانہ پانی دیتی ہیں سو تم بھی اپنے خدا کا نام لینا سیکھو جو تم کو روز کھانے پینے کو دیتا ہے اگر تم خدا کو یاد کرنا سیکھو گے تو وہ تم سے ایسا ہی خوش ہوگا جیسے بیگم صاحبہ اپنے ہیرامن طوطے کو پیار کرتی ہیں۔

حور کی گڑیا

کیوں بی حور بانو تمہاری گڑیا کا جی کیسا ہے۔ آج ابتک پڑی سوتی ہے۔ مسلمانوں کے بچے بہت سویرے اُٹھا کرتے ہیں وضو کرتے ہیں۔ اماں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اور جب وہ قرآن شریف لیکر پڑھنے بیٹھتی ہیں تو یہ بھی پاس بیٹھ کر سُنتے ہیں۔ اماں پڑھ چکتی ہیں تو اپنے ان پیارے پیارے اچھے اچھے بچوں پر دم کرتی ہیں کیونکہ قرآن شریف پڑھکر دم کیا جائے

تو اس سے کوئی دُکھ بیماری اَلا بَلا پاس نہیں آنے پاتی۔

میں جانتا ہوں کہ تمہاری اماں مرگئیں اور تم نے یہ باتیں نہیں دیکھیں تو کیا ڈر ہے آؤ ہم تم کو بتائیں۔ یوں سمجھو۔ یہ گڑیا تمہاری بیٹی ہے اور تم اسکی اماں ہو۔ روز سویرے سویرے اُٹھا کرو۔ اور اپنی بیٹی گڑیا کو بھی جگایا کرو۔ گڑیا کو جگا کر وضو کرو۔ نماز پڑھو اور اپنا سیپارہ لے بیٹھو۔ اسکو پڑھو۔ جب پڑھ چکو پہلے اپنے اوپر دم کرو۔ پھر گڑیا کے پاس جاؤ۔ اور اس سے کہو۔ آ میری ننھی مُنی بیٹی تجکو بھی دم کروں۔ اپنی گڑیا سے یہ بھی کہنا کہ بچی میں ہر وقت تیرے پاس نہیں بیٹھی رہونگی۔ مجھے اور کام بھی کرنے ہیں۔ کتاب پڑھوں گی۔ تختی لکھوں گی۔ سینا پرونا پڑا ہے۔ اسکو دیکھنا ہے۔ کیا سارا دن تیرے ہی پاس بیٹھی رہوں۔ تو تو ننھی سی بے جان گڑیا ہے اور میں آدمی ہوں مجھے تو گھر کے سو دھندے ہیں۔

سُنتی ہو میری لاڈلی حورا، تم میری بیٹی ہو۔ میں تم کو اچھی اچھی باتیں بتاؤں اور یہ گڑیا تمہاری بیٹی ہے تم اسکو سمجھایا کرو۔ اس طرح باتوں باتوں میں تمہارا سبق یاد ہو جائے گا۔

نیم کے پھول

لڑکیو ابکے تم نے نیم کے پھولوں کی ہنڈکلیا نہیں پکائی۔ ذرا دیکھو نیم کے درختوں پر کیسی بہار آرہی ہے۔ ہرے ہرے پتوں میں سفید سفید پھول کیسے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے سبز کپڑے پر روپہلی سلمہ ستارہ کا کام ہوتا ہے۔ دیکھو۔ اللہ میاں کی بھی کیا قدرت ہے نہ کوئی درزی ہے نہ مغلانی ہے مگر ہزاروں لاکھوں درختوں پر خود بخود پھول ٹک گئے۔ ابکے نیم میں پھول بہت سے آئے ہیں۔ یہ جھڑ جائینگے تو نبولیاں پیدا ہونگی۔ جس سال نبولیاں زیادہ ہوتی ہیں آم کم آتے ہیں۔ تمہارا جی کڑھیگا کہ کڑوی نبولیوں سے تو میٹھے آم اچھے تھے۔ اللہ میاں آموں کو زیادہ پیدا کرتے تو خوب ہوتا۔ مگر نہیں یہ خیال نہ کرو۔ خدا کا کوئی کام حکمت اور بھید سے خالی نہیں ہوتا۔

آم کھانے سے پھوڑے پھُنسیاں بہت پیدا ہوتے ہیں۔ اسواسطے اللہ میاں آموں کی شروعات سے پہلے نبولیاں پیدا کرتے ہیں کیونکہ نیم میں خدا نے بڑے بڑے فائدے رکھے ہیں۔ اسکے پتے۔ اسکے پھول۔ اسکی نبولی۔ اسکی چھال۔ اسکی لکڑی۔ آدمیوں کی سینکڑوں بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ خاصکر نبولیاں خون کو صاف کرتی ہیں۔ اور خون صاف ہو جائے تو پھر پھوڑے پھُنسیاں نہیں ہوتیں۔ جو بچے آموں کے موسم سے پہلے نبولیاں کھایا کرتے ہیں پھر اُنکو آم کی گرمی سے نقصان نہیں ہوتا۔

ذرا سامنے آنا۔ میں تم سے ایک اور بات کہوں۔ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو۔ واری جاؤں میں اپنے خدا کے اسنے ہمارے لئے کیسی اچھی اچھی چیزیں بنائی ہیں۔ رونگ رونگ شکرانہ بھیجتا ہے۔ اور اسکے بعد ہاتھوں کو کنپٹیوں پر رکھ کر چٹخاؤ۔ جس طرح تمہاری اماں تمپر پیار سے واری صدقے ہوا کرتی ہیں۔ تم اپنے اللہ میاں پر تصدق ہو۔

سگرٹ

خدا کے لئے اس لڑکے کو منع کرو۔ سگرٹ پیتا ہے۔ اس بیچارے کو کیا خبر کہ سگرٹ میں زہر ہوتا ہے۔ سگرٹ کا زہریلا دھواں کلیجہ کو چھلنی کر دیتا ہے اور سینہ اس سے کالا ہو جاتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں حقہ کی نے اندر سے کیسی کالی ہو جاتی ہے یہ تمباکو کے دُھوئیں کا اثر ہے۔

لڑکو تم کبھی سگرٹ نہ پینا۔ یہ تو دوزخ کی چنگاری ہے۔ جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے وہ مُنہ میں جہنم کی آگ لیتے ہیں۔ تم ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو اور سگرٹ کے پاس نہ جاؤ۔ اور جو لڑکے سگرٹ پیتے ہوں اُن سے ملنا جُلنا چھوڑ دو خبردار خبردار ایسے بُرے اور شریر لڑکوں کے پاس نہ بیٹھنا۔ جو تم کو دوزخ کی چنگاری سگرٹ پلانا چاہیں۔

جتنے بڑے آدمی سگرٹ پیتے ہیں سب دیوانے ہیں۔ لوگوں کی دیکھا دیکھی حرص

اور رئیس میں اپنا سیتہ کالا کرتے ہیں۔ تم اچھے بیٹے ہو کبھی بُرے بیٹوں کے کام نہ کرنا۔ اس سے خدا بھی خوش ہوگا اور تمہارے اماں ابا بھی راضی ہونگے۔

بن ماں باپ کا غریب بچّہ

اور اسکی بھولی بھولی باتیں

میری اماں بھی مرگئیں۔ ابا بھی کہیں چلے گئے۔ میری بڑی آپا سویرے میرا مُنہ دُھلاتی ہیں۔ چنے مُرمُرے کھانے کو دیتی ہیں۔ پھر میں سیپارہ لیکر مکتب جاتا ہوں۔ سبق پڑھتا ہوں اُستاد جی سب لڑکوں کو مارتے ہیں مگر مجھکو نہیں مارتے۔ کہتے ہیں کہ یہ بے ماں باپ کا بچّہ ہے۔ خبر نہیں یہ کیوں کہتے ہیں۔ میرے تو اماں ابا تھے۔ اب نہیں ہیں کیا ڈر ہے آپا کہتی ہیں حکیم کے ہاں گئے ہیں آجائینگے۔

آج میں آپا سے کہونگا کہ ابا کو خط لکھکر بُلا لو۔ اور لکھنا میرے لئے جوتی لیتے آئیں دھوپ میں پاؤں جلتے ہیں۔ سب لڑکوں کے پاس اچھی اچھی جوتیاں ہیں۔ میں یہ ٹوٹی جوتی نہیں پہنتا جس میں سے پاؤں نکل نکل جاتا ہے۔ اور ہاں دیکھو بی آپا یہ بھی لکھنا کہ میرے واسطے مہین جالی دار جس میں پھول ہوتے ہیں کپڑا بھی لائیں۔ یہ میلے اور موٹے موٹے گاڑھے کے کپڑے کبتک پہنوں گا۔ میرا جی ان سے گھبراتا ہے۔

غریب بچّہ یہ خیالی پُلاؤ پکاتا ہوا گھر میں آیا اور اپنی بڑی بہن کو چمٹ گیا اور ساری باتیں اس سے کہیں۔ وہ بیچاری آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ گیہوں چنے کی روٹی۔ اور چٹنی بچّے کے آگے رکھی۔ بچّے نے اسکو مزے لے لیکر کھایا۔ جب وہ روٹی کھا رہا تھا تو بہن نے اسکے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ میرے بیر بھیّا۔ اب تم بڑے ہو جاؤ گے۔ پڑھ لکھ کر ہوشیار ہوگے۔ تو آپ سے آپ اچھے اچھے کپڑے اور اچھی اچھی جوتیاں آجائینگی اماں باوا کو یاد نہ کرو سب کے اماں باوا مرتے آئے ہیں۔ اور جب کوئی مرجاتا ہے تو پھر دُنیا میں نہیں آنے پاتا۔ خدا کے پاس ہمیشہ رہتا ہے اور وہیں سے دعا مانگتا ہے کہ الٰہی میرے بچّے نیک ہوں۔ خوب پڑھیں۔ خوب محنت کریں۔ اور تیرے سچّے بندے بن جائیں۔ حلال کی روٹی کمائیں۔ آپ کھائیں اور اپنے دوسرے غریب مفلس

بھائیوں کو کھلائیں۔
اچھا تو پھر ان کی دعا کون سُنتا ہے۔ بہن بولی۔ خدا جو سب کی دعائیں سُنا کرتا ہے اور سب کام پورے کرتا ہے۔ اسپر بچّہ کہنے لگا۔ تو آپا لاؤ ہم تم بھی اللہ میاں سے دعا مانگیں کہ ہمارے اماں ابا کو یہاں بھیجدو۔ ہمارا اکیلے جی گھبراتا ہے۔ بہن اس بھولپن کی بات سے رونے لگی۔ اور کہا نہیں میاں اس دعا کی کیا ضرورت ہے یوں کہو کہ خدا ہم کو ایسا کردے کہ اپنے مرنے والے ماں باپ کا نام روشن کریں۔
بچّے نے کہا۔ اچھا آپا کل میں مسجد میں جاکر یہ بات اللہ میاں سے کہوں گا۔

یتیم

بچو۔ کچھ جانتے ہو کہ یتیم کسکو کہتے ہیں۔ سُنو جس بچّے کا باپ مرجائے اُسکو عربی زبان میں یتیم بولتے ہیں۔
تم نے دیکھا ہوگا آجکل بن باپ کے یتیم بچّے لکھنے پڑھنے میں جی نہیں لگاتے۔ کھیلتے پھرتے ہیں۔ مگر اگلے وقتوں میں یتیم بچّوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ آؤ تمہیں وہ باتیں سُنائیں۔
پہلے یتیم ہم سب کے آقا حضرت محمد مصطفےٰ پیغمبر خدا صلعم تھے۔ جنکے والدان کو ماں کے پیٹ میں چھوڑکر اللہ میاں کے یہاں سدھار گئے تھے۔ مگر دیکھو اس یتیم بچّے نے کیسے بڑے بڑے کام کئے کہ آج کروڑوں آدمی انکا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بھی جنکا آجکل عرس ہورہا ہے بچپن میں یتیم ہوگئے تھے۔ لیکن اُنہوں نے پڑھنے لکھنے اور نماز روزے میں ایسا دل لگایا کہ خدا کے ولی ہوگئے۔ یہی سبب تو ہے جو لاکھوں آدمی انکے مزار کی زیارت کو جاتے ہیں۔ تیسرے یتیم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی تھے۔ انکی عمر ڈیڑھ برس کی تھی جب انکے والد کا اس دُنیا سے کوچ ہوگیا۔ پر دیکھو یہ بھی اپنے وقت کے کتنے بڑے بزرگ اور قطب ہوئے۔ چوتھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی تھے جنکی عمر پانچ برس کی تھی جب انکے باوا جان نے قبر میں آرام فرمایا۔ لیکن انہوں نے پڑھنے لکھنے میں خوب محنت کی اور خدا کے مقبول و محبوب بن گئے۔

پس تم کو چاہیے کہ اگر کوئی لڑکا بن باپ کا ملے اور شوخی شرارت کرتا ہو پڑھنے سے بھاگتا ہو تو اسکو یہ باتیں سناؤ اور کہو کہ بھائی اگر مسلمان ہو تو اپنے پیغمبر اور ولیوں کی سی باتیں سیکھو۔

گیند بلّا ہو چکا

اب دین کی باتیں کرو

چلو بھئی چلو۔ کھیل چکے۔ شام ہو گئی۔ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ دیکھو اذان کی آواز آ رہی ہے۔ اب چلکر وضو کریں۔ اور نماز پڑھیں۔

کیوں لڑکو تمہیں معلوم بھی ہے کہ مغرب کی نماز میں کے رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

اوّل تین فرض کی نیت باندھی جاتی ہے۔ اسکے بعد دو سنت۔ پھر دو نفل۔ بیچے بس نماز ختم ہوئی۔

یہ بھی جانتے ہو کہ مغرب کا وقت کب آتا ہے۔

ہاں جب سورج چھپ جائے اور سورج نکلنے کی جگہ سے اندھیرا اٹھکر آسمان پر آنے لگے۔

اچھا یہ بتاؤ کہ مغرب کے بعد کونسی نماز کا وقت آتا ہے۔ یہ سنکر ایک لڑکا بولا۔ جناب میں تو سویرے سو جاتا ہوں۔ مگر اماں سے سنا ہے کہ تیرے سونے کے بعد عشا کی نماز آیا کرتی ہے۔

اس جواب سے سب لڑکے ہنسنے لگے اور بولے۔ ہم تو روز عشا کی نماز پڑھکر سوتے ہیں۔ اماں کہتی ہیں جو عشا کی نماز نہ پڑھے اسکو بڑا گناہ ہوتا ہے۔

شاباش۔ اگر تم عشا کی نماز پڑھتے ہو تو بتاؤ اس میں کے رکعت ہیں۔

واہ اس میں کون سی مشکل بات ہے۔ عشا کی نماز میں ۱۵ رکعت ہیں۔ پہلے چار سنت پھر چار فرض۔ اسکے بعد دو سنت۔ اور پھر تین وتر واجب۔ پھر دو نفل۔

بھائی تمنے خوب جواب دیا۔ بڑے اچھے بیٹے ہو۔ اچھا تو عشا کی نماز کا وقت کب آتا ہے۔

ایک چھوٹا بچہ - جب مغرب کا وقت اپنے گھر چلا جائے تو عشا کا وقت مسجد میں آجاتا ہے -

ہاں ہاں ٹھیک کہا - یہی بات ہے کہ جسوقت خوب اندھیرا ہوجائے - تارے چمکنے لگیں - اور مغرب کی نماز کو سوا گھنٹہ کے قریب ہوجائے تو عشا کا وقت آجاتا ہے -

یہ تو معلوم ہوگیا - اب یہ بتاؤ کہ رات دن میں سب کے نماز ہیں -

پانچ ہیں - ایک مغرب - دوسری عشا - تیسری صبح - چوتھی ظہر - پانچویں عصر مغرب عشا کا حال تو بیان کردیا - صبح کی چار رکعت ہوتی ہیں - پہلے دو سنتیں اور پھر دو فرض - اسکا وقت فجر کی روشنی پھیلنے کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے تک ہے - اور دن کے بارہ بجے دوپہر ڈھلنے کے بعد ظہر کا وقت آتا ہے - اسکی بارہ رکعت ہیں - اوّل چار سنّت - پھر چار فرض - پھر دو سنّت - پھر دو نفل - رہی عصر - سو اسکا وقت ظہر کی نماز کے بعد جب آتا ہے کہ ہم اپنے مکتب کے صحن میں سورجکے سامنے کھڑے ہوں تو دھوپ میں ہماری پرچھائیں ہمارے قد سے دُگنی لمبی دکھائی دینے لگے - اُسوقت عصر کی آذان ہوتی ہے - اور ہمکو چھٹی ملتی ہے - عصر کی نماز میں پہلے چار سُنت پڑھتے ہیں - پھر چار فرض -

بس جناب اب ہمیں جانے دیجئے ہمیں گھر بھی جانا ہے -

اچھا اچھا جاؤ - مگر پہلے مغرب کی نماز پڑھ لو - پھر جانا -

بچّوں نے وضو کرکے مغرب کی نماز پڑھی -

اسکے بعد ایک لڑکا کھڑا ہوا اور سب لڑکوں سے کہا کہ لو بھائی - وہی سبق ان کو سُنا دو - جو روز مولوی صاحب چھٹی کے وقت مُنہ زبانی یاد کرایا کرتے ہیں - میں بولتا جاؤں - تم سب جواب دیتے جاؤ -

تمہارا دین کیا ہے ..... اسلام -

اسلام کی کتنی شرطیں ہیں ..... پانچ -

ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ - دوسرے نماز - تیسرے روزے رمضان کے - چوتھے حج - پانچویں زکوٰۃ -

ایمان کیونکر لاتے ہیں -

سب لڑکے ایک مُنہ ہوکر بولے - ایمان لائے ہم اللہ پر - وہ ایک ہے - کوئی اُس کا

شریک نہیں۔ اور ایمان لائے اُسکے سچے رسول حضرت محمد مصطفےٰ پر۔ جنہوں نے خدا کا بھیجا ہوا قرآن شریف ہم کو لاکر دیا اور اچھے بُرے کا رستہ بتایا۔ اور ایمان لایا خدا کے سب رسولوں پر جو ہمارے پیغمبر سے پہلے آئے تھے۔ اور ایمان لائے خدا کی سب کتابو پر جو پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں۔ اور ایمان لائے کہ سب اچھے بُرے کاموں اور ہر چیز کا اختیار خدا کو ہے۔ اور ایمان لائے کہ موت برحق ہے اور قیامت آنے والی ہے جہاں ہم سے ہمارے کاموں کا جو ہمنے دُنیا میں کئے حساب لیا جائیگا۔ اچھے لوگوں کو بہشت ملے گی۔ بُرے دوزخ میں ڈالے جائینگے۔

اسکے بعد لڑکوں نے خدا کی حمد میں شعر پڑھے اور جوتیاں لیکر بھاگ گئے۔

پان کی پیک

لڑکے تو بڑا بدتمیز ہے۔ دیکھ تو ذرا اپنے کپڑوں کو۔ تمام دامنوں پر لال لال دھبے پڑے ہوئے ہیں۔

اوّل تو بچّوں کو پان ہی نہ کھانا چاہئے۔ اور خیر اگر کھالیا تو تمیز کے ساتھ پیک اوگالدان میں تھوکنی چاہئے۔

جو بچّے گھر کے فرش پر۔ دیواروں پر پیک تھوکتے پھرتے ہیں بڑے بدسلیقہ اور بے تمیز کہلاتے ہیں۔ اچھے بچوں کے یہ کام ہیں کہ وہ ہمیشہ میل کچیل اور چکنائی سے اپنے کپڑوں کو صاف رکھتے ہیں۔ انکے ہاتھ پاؤں کیسے دھوئے دھائے اور اُجلے رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ پانچ وقت نماز کے لئے وضو کرتے ہیں۔ جس سے اُنکا مُنہ اور ہاتھ پاؤں پاک صاف رہتے ہیں۔ نمازی بچّے پان بھی کھائیں تو صفائی کی عادت کے سبب اُنکے کپڑے پان کی پیک سے خراب نہیں ہونے پاتے۔

مے وحدت کا آٹھواں دور

سیر حوادث

لارڈ ہارڈنگ کی ناقدری

بنگال سے برابر خبریں آرہی ہیں کہ وہاں پھر بم بازی اور ڈاکہ زنی کا شور پیدا ہوا ہی۔ یہ لوگ بیچارے لارڈ ہارڈنگ کی ناقدری کرتے ہیں۔ جنہوں نے تقسیم بنگالہ منسوخ کراکے انپر احسان کیا تھا۔ تعجب ہے کہ لارڈ ہارڈنگ تو انپر بھروسہ کریں۔ سختی اور گرمی کو اپنی حکومت میں روکیں اور بنگالی اسکے عوض بم پھینکیں ڈاکے ماریں۔

یہ سارا قصور مروجہ انگریزی تعلیم کا ہے۔ انگریزوں نے خود یہ فتنہ مول لیا ہی۔ اب بھی انکو چاہیے کہ ہندو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ اسکے بغیر ہرگز یہ آفت دور نہو گی۔

مذہب کی روحانیت آدمی کو فرمانبرداری سکھاتی ہے اور انگریزی تعلیم مادی جنون پیدا کرکے گستاخ و سرکش بناتی ہے۔

انجیل کا طمانچہ

انجیل شریف میں عیسائیوں کو نصیحت ہے کہ جب تمہارے کلے پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا کلہ بھی سامنے کردو۔ اور ضرب ثانی کی درخواست کرو۔ مگر آجکل کوئی عیسائی اس نصیحت پہ عمل نہیں کرتا۔

اب خبر آئی ہے کہ سرویہ اور بلغاریہ اور یونان اسپر عمل کرنیوالے ہیں۔ کیونکہ ترکوں

نے انکے صرف داہنے رخسار کی تواضع کی تھی - بائیں رخسار کی خدمت کے وقت انکا ہاتھ تھک گیا - اسلئے مجبوراً انہوں نے آپس میں لڑائی کی ٹھانی ہے - تاکہ انجیل کا مقولہ پورا ہو اور بایاں گلہ محروم نہ رہے -

انکے لڑنے کا تو چنداں مضائقہ نہیں - اندیشہ اور خطرہ یورپ کی دوسری طاقتوں کے جدال وقتال کا ہے - ان میں سے ہر طاقت مسیح کی آسمانی بادشاہت کی طلبگاری میں لڑائی کے ساز و سامان درست کر رہی ہے - کروڑوں اشرفیوں کے فوجی خزینے پاس ہو رہے ہیں -

اس لڑائی میں لاکھوں جانیں ضائع ہونگی - اور معلوم نہیں مسیح کی آسمانی بادشاہت کا لطف اُٹھانے والا کوئی باقی بھی رہے یا نہیں -

آتشی طوفان

پچھلے ہفتہ تمام ہندوستان سے آگ لگنے کی ہولناک خبریں آتی رہیں - میرٹھ میں بھی ایک تماشہ کا تھیٹر تمام ساز سامان سمیت جلکر خاکستر ہوگیا - شومی اعمال سے طوفانی سیلابوں کے ساتھ آتشی طوفان بھی آنے لگے - لوگو توبہ کرو اور ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو -

حال قال کا شہید

حیدرآباد کے روزانہ اسلامی پرچہ صحیفہ نے وہاں کی ایک مقامی خبر لکھی ہے کہ ایک درویش کو مجلس سماع میں وجد ہوا - اور حالت کیف میں وہ فقیر سماع خانہ سے بے خود و مدہوش سڑک پر نکل آئے - راستہ میں ایک باؤلی تھی - بعالم بے اختیاری اسمیں گر پڑے اور شہادت پائی - لاش نکالی گئی -

خدا یہ محبت کی شہادت سب کو نصیب کرے -

خانۂ خدا پر حملہ - تازہ شرارت

ولائت سے خبر آئی کہ وہاں کی حقوق طلب عورتوں نے ایک بہت بڑے مقدس گرجا میں

بم کا گولہ رکھدیا۔ خیر ہوگئی کہ گولہ پھٹنے نہ پایا۔ ورنہ بڑا نقصان ہوتا۔ لاٹ پادری صاحب نے اس سے بال بال بچنے پر شکرانہ کی نماز کا حکم دیا۔ اور سب پروردگار کے آگے جھک گئے۔

بم نے چپکے چپکے کچھ کہا

بیان کیا جاتا ہے کہ گرجا والے بم میں سے کھٹ کھٹ کی آواز آرہی تھی یعنے بم کے اندر کوئی چیز چپکے چپکے گھڑی کے کھٹکہ کی طرح بول رہی تھی۔

عورتیں کہتی ہوگی کہ گولہ حق مانگ رہا تھا۔ اہل گرجا کا خیال ہوگا خانہ خدا پر حملہ کرنیوالیوں پر لعنت بھیج رہا تھا۔ ہم کو کہنا چاہیئے عورتوں کی آزادی کی خلاف ہندوستانیوں کو بے تار کا تار دے رہا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کی آزادی کا ابھی سے علاج سوچ رکھیں۔ ایسا نہو انکو بھی انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

رونے والے درخت کا ظہور

گورے ملکوں نے خبر بھیجی کہ وسط افریقہ میں ایک درخت نمودار ہوا ہے جسکے پتوں پر اگر خاک مٹی ڈالدی جائے تو وہ رونے لگتا ہے۔ اور رونے کی آواز صاف سنائی دیتی ہے درخت برابر روتا رہتا ہے جبتک اسکے پتے گرد و غبار سے صاف نہ کردئے جائیں۔

دیکھئے اس خبر کو سنکر وہ لوگ کیا کہتے ہیں جنکو ستون حنانہ کا یقین نہ آتا تھا یعنے آنحضرت صلعم کے زمانہ کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور رسالتمآب صلعم ایک چوبی ستون سے لگ کر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا اور آپ ستون سے الگ ہوکر منبر پر تشریف لے گئے تو وہ ستون رونے لگا۔ جسکی آواز سب نے سنی۔ آنحضرتؐ ستون کے پاس تشریف لائے۔ اسکو پیار کیا۔ اور پوچھا کیوں روتا ہے۔ ستون نے کہا آپ کی جدائی مجھ پر بھاری ہے بے اختیار جی بھرا چلا آتا ہے۔ اسکی نسبت نئی روشنی کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے مگر امید ہے کہ گورے ملکوں کی اس تازہ حدیث پر وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔

غافلو۔ افریقہ کا درخت دنیا کی خاک مٹی پڑنے سے روئے اور تم اپنی ملت و

قومیت کو خاک آلودہ دیکھ کر ٹس سے مس نہو - افسوس تمہارے حال پر -

دولھا دولھن کی ہیز پر
آگ - پانی - ہوا کا ملاپ

پچھلے ہفتے خبر آئی کہ قیصر جرمنی کی بیٹی کی شادی میں زار روس اور جارج خامس بحیثیت مہمان گئے ہیں -

خدا کی شان ہے جرمنی دولہا دولہن کی ہیز نے آگ - پانی - ہوا کو ملا دیا - کیونکہ شاہ جارج جہازی طاقت کے سبب پانی کے بادشاہ ہیں - اور زار روس بڑی فوجوں کی قوت و کثرت سے آگ کے بادشاہ مانے جاتے ہیں - جرمن جو دونو مہمانوں کا میزبان ہے - ہوائی جہازوں کا مالک ہے - اسلیئے اسکو ہوا کا بادشاہ کہنا چاہیئے

آگ پانی ہوا میں جس طرح قدرۃً ایک دوسرے سے جُدائی اور اختلاف ہے اسی طرح جرمن - روس - انگریزوں میں دشمنی ہے - مگر شکر کرنا چاہیئے کہ دولھا دُلھن کی ہیز نے ان تینوں کو جمع کر دیا اور ملا دیا -

امید رکھنی چاہیئے کہ اس تثلیث کی یکجائی ایشیا خصوصاً مسلمانوں کے لئے ضرور کوئی تازہ بتازہ تحفہ بھجوا ئے گی -

بم کا لین دین

ریل نے دُنیاوی کاروبار میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں - لین دین کرنے والے ہزاروں کوس پرے سے تھوڑی سی مدت میں اپنی چیزیں بھیج سکتے ہیں - پچھلے ہفتے خبر آئی بنگالی بم لاہور میں پہنچا اور ایک بوڑھے چپراسی کی جان لی -

یہ لین دین بند ہونا چاہیئے - کیونکہ انسانی وجود کی قیمتی جنس مادّی خواہشوں کے بدلے اس لین دین کے ہاتھوں برباد ہوتی رہیگی -

ہارڈنگ باباسلامت

لارڈ ہارڈنگ اچھے آدمی۔ اچھے انگریز۔ اچھے وائسرائے اور اچھے خدا کے بندے ہیں۔ انکے ہاتھ سے ہندوستان میں کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اسی واسطے خدا نے بھی ان کی آئی بلا ٹالی اور دہلی میں بم سے جان بچائی۔ ۲۰ جون کو انکی سالگرہ کی دھوم تھی تمام ملک میں ہزاروں بچوں کو کھانے کھلائے گئے اور طرح طرح کی خوشیاں منائی گئیں۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ خدا کا یہ گورہ بندہ ہندوستان کا سچا عاشق ہے۔ جب اسنے دیکھا اور اپنی دانست میں سمجھا کہ بنگال کی شورش تقسیم بنگالہ کے سبب ہے تو اسنے لارڈ کرزن اور لارڈ مارلے کے نوشتۂ تقدیر کو مٹا دیا اور تقسیم منسوخ کرادی۔

ظالموں نے اسکو زخمی کیا۔ عالمگیر جوش کے وقت ماتم برپا کرایا۔ مگر لارڈ ہارڈنگ نے تسلیم و رضا اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ورنہ وہ چاہتا تو توپ کو بھی دکھا دیتا اور جس طرح جی میں آتا شریروں کو پیس ڈالتا۔ ہارڈنگ کی صحت سلامتی کے بعد یہ پہلی سالگرہ ہے جسمیں تمام ہندوستان دلی صداقت اور محبت سے شریک ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ ایسے ہی نرم دل اور نیک خیال وائسرائے ہمیشہ یہاں آئیں۔

ہماری خواہش ہے کہ لارڈ ہارڈنگ مقررہ میعاد سے زیادہ اس ملک میں رہیں۔ تاکہ ملک ان کی نیک مزاجی سے فائدہ اٹھائے۔

السلام علیکم

مسلمانوں کا ذریعہ خطاب ہے۔ اسکے معنی ہیں کہ تم سلامت رہو۔

ہندوستان میں اسکی جگہ آداب۔ تسلیمات کا رواج ہوگیا تھا۔ اور اب گڈ مارننگ گڈ نائٹ۔ گڈ بائی کے چرچے ہیں۔

یہ زمانہ کا اثر ہے۔ مگر مسلمان وہ ہے جو اپنے دل کو آثار وقت سے محفوظ رکھے اور وہی امور کو اپنا شعار بنائے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قدار سول کے مقرر کردہ سلام کی پیروی کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو سلام علیکم۔ وعلیکم السلام کہکر

ہم کلام ہوتے ہیں۔

ہمارے خیال میں جن لوگوں کو خط وکتابت زیادہ کرنی پڑتی ہے وہ بڑے خوش قسمت ہیں۔ کہ ہر روز صبح اُٹھتے ہی سلامتی کی دعائیں انکو ملتی ہیں۔

ہم جسوقت توحید کے خطوط کھولتے ہیں تو سب سے پہلے جس چیز پر نگاہ پڑتی ہے وہ سلام علیکم ہے۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج پچاس سلامتی نامے ہم کو ملے تو خدا کا شکرانہ بھیجتے ہیں کہ اُسنے ہم کو ایسے مذہب میں پیدا کیا ہے جسمیں سلام علیکم جیسی پیاری اور مبارک چیز سے بات شروع ہوتی ہے۔

مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی خط میں سلام علیکم نہیں ہے یا اسکی جگہ کوئی انگریزی لفظ ہے تو بے اختیار ہماری زبان سے افسوس نکلتا ہے۔ کاش وہ جانتے کہ سلام نہ لکھنے سے انہوں نے اپنا اور ہمارا دونوں کا نقصان کیا۔ اگر وہ سلام علیکم لکھتے تو ہم اسکے جواب میں وعلیکم السلام کہتے۔ گویا اس طرح دونوں طرف سے دعا ہوجاتی۔

اجنبی ملکوں میں جہاں مسلمان ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے۔ سب سے پہلی اور سب سے بڑی چیز یہی سلام علیکم ہے۔ جس سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ ہم اپنے دینی بھائی سے مخاطب ہیں۔

لہذا اے مسلمانو تم کو لازم ہے کہ جب آپس میں ملاقات کرو یا کسی کو خط لکھو تو السلام علیکم ضرور استعمال کیا کرو۔ السلام علیکم

خدا تم کو سلامت رکھے

مرغ کی اذان

ہر سچا مسلمان جو رمضان شریف کی سحری کے لئے آجکل پچھلی رات بیدار رہتا ہی۔ مُرغ کی اذان سُنتا ہوگا۔ اس پر دار جانور کی آواز میں غور کرنیوالے مومنین کیلئے ایک بڑی نصیحت ہے۔ مُرغ کہتا ہے میری اذان نیچرل ہے۔ مگر بے نتیجہ ہے۔ مسجد کے مؤذن کی اذان ان نیچرل لیکن بانتیجہ ہے۔ جو مسلمان خدا و رسول کے نام کو تقریروں میں اثر پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر احکام الٰہی پر عمل نہیں کرتے اُن کی مثال مُرغ

کی اذان کی سی ہے کہ دوسروں کو جگاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا۔ اصل اذان مسجد کے مؤذن کی ہے جو نماز کے لئے بُلاتا ہے اور خود بھی نماز پڑھتا ہے۔

تیس راتوں کی شان

اندھیارا روشنی پر غالب ہے

گیارہ مہینے کے رات دن رمضان کی تیس راتوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔ لوگ کہتے ہیں روزہ دن کا ہے۔ میں کہتا ہوں دن دُنیا ہے اور رات دین۔ جس طرح دُنیا میں انسان اعمال کرتا ہے اور دین یعنے عالم آخرت میں اسکا بدلہ پاتا ہے۔ اسی طرح رمضان میں دن کے وقت بھوک پیاس کے اعمال ہیں اور شام کو افطار کے بعد آخرت کی بہاریں۔

کیا خدا کی شان ہے رمضان کی تیس راتیں سارے سال کے روشن دنوں پر بھاری ہیں۔ افطار کا لطف رات کے شروع میں۔ تراویح کی کیفیت اسی شب تار میں۔ سحری کی بہار اسی وقت تاریک میں۔ اندھیرا جسقدر فخر کرے کم ہے کہ خدا نے اسکی آبرو کو نور کے سامنے چاند لگا کے دوبالا کر دیا رمضان کی راتیں وہ راتیں ہیں جن میں قرآن شریف نازل ہوا جنمیں ایک رات ہزاروں راتوں سے بڑھکر ہے۔

جسکی تجلیاں آفتاب و ماہتاب اور تمام برق صفات انوار سے اعلیٰ ہیں۔

مئے وحدت کا نواں دور

تعبیر رویا

حیدر حسن صاحب شوکت ناگپور

سے لکھتے ہیں۔ پرسوں ایک عجیب خواب دیکھا۔ گویا میں اپنی سُسرال میں ہوں میری

بیوی اپنے باپ کے ساتھ تاڑ کے درخت پر چڑھ رہی ہے۔ میں ڈرتا ہوں وہ انجان ہے گر پڑیگی یکایک تاڑ کا درخت ریل کا سگنل بن گیا۔ اور اسمیں دو لالٹینیں نظر آنے لگیں۔ خسرے اور بیوی غائب ہو گئے۔ لالٹینوں کے شیشے بجائے سبز و سُرخ ہونیکے نیلے اور زرد ہیں۔ اتنے میں ریل آگئی جسکے انجن پر ایک جہاز رکھا ہے۔ وہ جہاز قلیوں نے میرے سر پر رکھدیا جسکے بوجھ اور پریشانی سے آنکھ کُھل گئی۔ گیارہ روپئے بھیجتا ہوں کسی نیک کام میں صرف کر دیجئے۔ کیونکہ مجکو اس وحشتناک خواب سے بہت پریشانی ہے۔ شاید کوئی بلا آنیوالی ہو تو وہ صدقہ سے دور ہو جائے۔

تعبیر۔ خواب بُرا نہیں ہے۔ آپ اندیشہ نہ کیجئے۔ آپ کو ایک با اقبال لڑکے کی بشارت دی گئی ہے۔ غالبًا آپ کی بیوی اور آپ کے خُسر اولاد کی آرزو میں بڑے بڑے اونچے ارمان رکھتے ہیں۔ جو آپ کے خیال میں آئیں تو پُر خطر سمجھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بزرگ کی دعا کے طفیل جنکی ہدایت و رہبری سگنل کی روشنی کی مثل نمایاں اور بلند ہے۔ آپ کو اولاد دیگا۔ اور آپ کی امیدوں کا جہاز عدم کی ریل میں سوار ہو کر آپ کے سر پر آجائے گا۔ یعنی بچّہ کی ذمہ واری پرورش و تربیت آپ پر عاید ہو گی گیارہ روپئے وصول ہو گئے۔ محتاجوں اور مستحقوں کو دیدئے جائینگے۔

ایک پیرزادی صاحبہ

جو اپنا نام مخفی رکھنا چاہتی ہیں رقمطراز ہیں:۔

الٰہی تیری پناہ۔ خواجہ بابا۔ رات کا خواب تھا یا قیامت۔ ابتک لرز رہی ہوں۔ دل قابو میں نہیں۔ کیا دیکھتی ہوں۔ کسی نے میرا سر کاٹ ڈالا اور بدن کو موگریوں سے کوٹا۔ اور پھر سب کو کاغذ کی پوڑیہ میں باندھ طوطے کے پنجرے میں ڈالدیا۔ طوطا پوڑیہ کو کترنے لگا۔ یہ طوطا میرا پالتو ہے۔ صبح کی نماز کے وقت مجکو جگایا کرتا ہے اُٹھو بی بی اُٹھو۔ سو یہی خواب میں لے دیکھا۔ کہ طوطا پوڑیہ پر چونچیں مارتا ہے اور کہتا ہے اُٹھو بی بی اُٹھو۔ خدا خیر کرے۔ خبر نہیں مینے یہ کیا دیکھا۔ اوسان باختہ ہوئے جاتے ہیں۔

تعبیر۔ ہاں خواب واقعی تشویش انگیز ہے۔ مگر گھبرانے کی کیا بات ہے طوطے کی خبرگیری اچھی طرح کیا کرو۔ معلوم ہوتا ہے اسکے دانے پانی کا دھیان نہیں

رکھیں۔ قدرت نے ڈرایا ہے کہ ہم تم کو بھی اس طرح دوسرے کے پنجے میں ڈال سکتے ہیں۔ والسلام۔

فہرست تصانیف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

سفرنامہ مصر و شام و حجاز نہایت دلچسپ چیز ہے جسکا غلغلہ تمام ہندوستان میں ہو چکا ہے۔ جو باتیں اس سفرنامہ میں ہیں۔ آجتک کسی سفرنامے میں نہیں دیکھی گئیں چھپکر تیار ہے۔ صرف تصاویر کا انتظار ہے وہ تیار ہو کر آجائیں تو کتاب شائع کر دی جائے گی۔ تصاویر میں چند چیزیں ایسی ہیں جنکا دیکھنا ہندوستان میں پہلی بار ہوگا۔ یعنی فرعون کی لاش کا فوٹو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اصلی تصویر و زنجیرہ وغیرہ۔ ابھی قیمت کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ تصویروں کی لاگت معلوم کر کے اسکا فیصلہ ہو سکیگا۔ مگر امید ہے کہ یہ ضخیم کتاب تین روپے سے زیادہ کی نہوگی۔

تسخیر مہر و قہر یعنے اعمال حزب البحر فن عملیات میں آجتک ایسی بیش قیمت اور مفید کتاب ہندوستان میں کبھی شائع نہیں ہوئی۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی یہودی اصحاب کو دعائے حزب البحر کے اعمال سے عجیب و غریب فائدے پہنچے اور جیسے حیرت خیز کرشمے انہوں نے اسکے دیکھے اسکا بیان حضرت خواجہ صاحب نے اپنی جادو بھری تحریر میں ایسے انداز سے کیا ہے کہ پڑھنے والا کتاب شروع کر کے بغیر ختم کئے ہاتھ سے نہیں رکھ سکتا۔ اسکے علاوہ حزب البحر کے اعمال کے مختلف طریقہ عمل جو ہندوستان کے نامور مشائخ مثلاً حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی اور حضرت میاں حامد صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف وغیرہ حضرات سے حاصل ہوئے ہیں نیز وہ مخفی اصول جو حضرت خواجہ صاحب کو مصر بیت المقدس دمشق مدینہ منورہ مراکو وغیرہ کے شہرہ آفاق عاملوں سے دستیاب ہوئے تھے وہ سب اسمیں درج ہیں۔ تسخیر حکام تسخیر محبوب تسخیر احباب تسخیر خلائق تسخیر اہلخانہ کے نو تجربہ اور سچے اعمال ہلاکی اعدا اور دفع شر جمیع مخالفین کے اعمال ادائگی قرض حصول اولاد صحت جسم۔ رہائی اسیر ترقی رزق۔ افزونی عزت و جاہ وغیرہ کوئی ضروری چیز ایسی نہیں جو اسمیں اسکا عمل نہو۔ ظاہری اور انشاپردازی کی اعتبار سے بھی یہ کتاب اردو ادب میں بیش قیمت اضافہ ہے یہ وہ کتاب ہے جسکی اشاعت سے پہلے لوگوں نے سیکڑوں جلدوں کے سفت تقسیم کرنیکے آرڈر دیدئے ہیں۔ قیمت صرف ۸ر۔ محمد انوار ہاشمی۔ مدیر مکتبہ قادریہ لال کورتی کیمپ میرٹھ

حصّہ دوم

اس حصّہ میں وہ منتخب مضامین درج کئے گئے
ہیں جو اخبار توحید کے معزز قلمی معاونین یعنی ملک
و قوم کے ممتاز اور نامور انشا پردازوں کی دماغ
سوزی کے بہترین نتائج ہیں۔ فہرست مضامین
کتاب کے شروع میں ملے گی ✣

ذوقیہ حمد

(ازجناب منشی سید مدد علی صاحب - قادری اکبرآبادی)

مالک بحر و بر موجد شمس و قمر خالق جن و بشر مسجود شجر و حجر حافظ سفر و حضر مرجع خیر و شر معطی خلد و سقر قاسم کرم و بجل رازق نحل و نمل عالم صدیق و زندیق رب الارض و السموات ہادی نور و الظلمت حاکم ما و طین الہ العالمین -

ہے کرتار تیرے دربار راجا پرجا - امیر فقیر کنگال مالدار - گرو - چیلا برابر ہیں - کیونکہ ایک ہی پرتھوی پر تیرے سامنے ماتھا ٹیکتے ہیں -

جل تھل پرتھوی اکاش ترلوک میں تیری ہوک کوک گونج رہی ہے -

تجھ سے گیانی کا گن گاتے ہیں تجھ جیسا مہاتما اور نہیں - تو سب جگہ ہے اور کہیں تیرا ٹھور نہیں - سیانوں میں تو ہی سیانا ہے - دیکھا تو ہردے اور کنٹھ میں تیرا ٹھکانا ہے -

تیرے ماٹ کی پریم رس بچی کچی کا سواد جسکے منہ لگا برم چاری ہو جنگل میں منگل منایا - اپنا کھوج کھویا تو تجھے پایا -

جسنے تیری جھلک پائی سنسار کی طرف پلک نہ اٹھائی - تیری دیا اور کرپا کا چھور نہیں - اگن کو چمن بنادے - بادلوں سے اگن برسادے - لکڑی کو سرپ کردے سرپ کو پھر وہی لکڑی کی لکڑی کردے -

بھتر کو دکھ میں رکھے بیری کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ تجھ کو یاد تک نہ کرے تیرے انگنت کھیل ہیں - جو تیری اچھا میں آیا کر بیٹھا - جو سمجھ گیا سنبھل گیا - اور جسنے نمانا اپنی کرتوت کا پھل پایا -

توحیدی رباعیاں

از مولانا شفق عمادپوری

اوّل یہ پتا دیتا ہے آخر ہے وہی
باطن یہ پتا دیتا ہے ظاہر ہے وہی
مصنوع سے صانع کا نشاں ملتا ہے
تصویریں یہ کہتی ہیں مصوّر ہے وہی

کثرت کے یمن کا لعل شب تاب وہی
وحدت کے عدن کا دُرِّ نایاب وہی
پہنچا کوئی اُسکی تہ کو ابتک نہ شفق
دریا میں گہر، گہر میں ہے آب وہی

سب عرش سے فرش تک ظہور اُسکا ہے
روشن شمس و قمر سے نور اُسکا ہے
ہر رنگ و شر میں اُسکا جلوہ ہے شفق
جس کو دہ کو دیکھتا ہوں طور اُسکا ہے

خمخانہ ہے خلد بھی ارم بھی اُسکا
کاشانہ ہے دیر بھی حرم بھی اُسکا
دم بھرتے ہیں شیخ و برہمن جسکا شفق
اک نام صمد ہے اک صنم بھی اُسکا

ہر آئنہ دل میں ہے نقشا اُسکا
ہر دیدۂ بینا میں ہے جلوا اُسکا
آنکھیں ہوں تو انسان بعینہٖ دیکھے
ہر پردے میں در پردہ تماشا اُسکا

ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا بھی ہے وہی
ہر درد و الم کا آشنا بھی ہے وہی
ہر ڈوبتی ناؤ کا بچانے والا
بندوں کا خدا بھی ناخدا بھی ہے وہی

کثرت میں بھی وحدتِ صمد کو دیکھا
بحرِ عرفاں کے جزر و مد کو دیکھا
حد یہ ہے، اُٹھا میم کا پردہ جو شفق
احمدؐ کے لباس میں احد کو دیکھا

جمالِ شاہد مستور کو عین العیوں سمجھو

از بلبل کشمیر پنڈت جواہر ناتھ صاحب ساقیؔ دھلوی

بہار جلوۂ گلزار نیرنگ شیوں سمجھے — طلسم ہستی اسرار راز بیچگوں سمجھے
یہ جذب قلب اے دل بذل و ایثار و جنوں سمجھو — ہوئے سرمست جب ہم کیف جذب ذوفنون سمجھے
قلندر لی مع اللّٰہی بنے جب کاف و نوں سمجھے — صراط المستقیم دہر کو ہم واژگوں سمجھے
تجھے اے زاہد سادہ ہم از خلوت بروں سمجھے — طراز سادہ لوحی تیرا نیرنگ و فسوں سمجھے
ہمیں کیوں اہل ظاہر نابلد از حد بروں سمجھے — یہ تجدید مثالی کو بھی تحریک جنوں سمجھے
ہوا جسوقت جلوہ اسکو ہم خیر القروں سمجھے — جمال شاہد مستور کو عین العیوں سمجھے
سراپا نور ہوکر نور ذات بیچگوں سمجھے — وہ عکس و شخص تھے ہم جنکو بیرون و دروں سمجھے
حسن ثانی نوا پرواز الفت ہو — تمہارے نغمۂ دلکش کو مستکن یکوں سمجھے
سلوک جذب تیرا ساقیؔ مجذوب نو آئیں — تجھے سرمست جلوہ حب منا اسرار البطوں سمجھے
سمجھ اے بلبل کشمیر خاموشی مناسب ہے — کہیں اس وارد قلبی کو نامحرم جنوں سمجھے
سنا دیکھا نہیں ہے حال مجذوبان وحدت کا — جو تھے نا آشنائے راز بادہ کشت و خوں سمجھے

پانچ اشارے

از یمین السلطنۃ عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد - جی - سی - ایس - آئی -
سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن

ہے دشت و جبال کا عجب کچھ منظر — ہر رنگ کے گل ہر اک طرح کے ہیں شجر
قدرت کے بھی اے شاد ہیں جلوے کیا کیا — ہٹتی نہیں جس سمت کو پڑتی ہے نظر

*

ہے کوہ میں اور شجر میں جلوا اس کا — اے شاد مرا دل ہے یہ شیدا اک کا
دیکھا جس کو وہی نظر میں آیا — ہے مردم چشم میں تماشا اک کا

*

ہستی میری جو ہے وہ ہستی تیری — مستی میری جو ہے وہ مستی تیری
تو شخص ہے میں عکس ہوں کچھ فرق نہیں — کیا جنس معرفت ہے پستی تیری

مایوس ہوا ہوں کامرانی ہو جائے — ہاں شاد پہ لطف خسروانی ہو جائے
اب تاب نہیں صبر و شکیبائی کی — مولا مرے جلد مہربانی ہو جائے

کیا کفر ہے اور کیا مسلمانی ہے — اے شاد دوئی خطور شیطانی ہے
کچھ صوم صلوٰۃ پر نہیں ہے موقوف — توحید جو ہے یہ وصف رحمانی ہے

مثنوی اسرار خودی

(از ترجمان حقیقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی بیرسٹر ایٹ لا لاہور)

یہ نظم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شہرہ آفاق اور ہر دلعزیز شاعری میں ایک نئے باب کا افتتاح کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں۔ اقبال مثنوی لکھو۔ عرض کیا مثنوی کا حق تو آپ ادا کر گئے۔ فرمایا نہیں تم بھی لکھو۔ التماس کی آپ فرماتے ہیں۔ خودی کو مٹاؤ۔ اور مجھکو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خودی قائم کرنے کی چیز ہے۔ ارشاد ہوا نہیں ہمارا مطلب بھی یہی ہے جو تم سمجھے ہو۔ آنکھ کھولی تو زبان پر یہ شعر تھے۔ جنکو قلمبند کرنا شروع کیا۔ پہلی قسط شائع کی جاتی ہے جسمیں کچھ حصہ نعت کا ہے اور کچھ متفرق اشعار قیام خودی کی نسبت ہیں۔ ناظرین نظر غور سے پڑھیں۔ نوکری کی نسبت جو کچھ جناب اقبال کے قلم سے نکلا ہے وہ اس قابل ہے کہ در حاضر کے وہ تمام نوکری پرست لوگ جو دوسروں کی غلامی کیلئے باہمی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہم غلام بنینگے۔ مسلمان کہتے ہیں یہ حلقہ ہمارے کان میں ڈالنا چاہیئے۔ ایسے دار و گیر کے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم ہندوستانیوں میں ایک نئی زندگی پیدا کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ ناظرین اس نظم کو خود بھی یاد کریں اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کرا دیں۔

در دل مسلم مقام مصطفاست
آبروی ما ز نام مصطفاست

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندانیم ما

ما که از قید وطن بیگانه ایم
چون نگه نور دو چشمیم و یکیم

بندهٔ سلطان او ادنیستیم
قم باذنی گفت و ما برخاستیم

سرّ مکنون دل او ما بدیم
نعرهٔ بیباکانه زد افشا شدیم

امتیازات نسب را پاک سوخت
آتش او این خس و خاشاک سوخت

چون گل صد برگ ما را بو یکیست
اوست جان این نظام و او یکیست

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

بوریا ممنون خواب راحتش
تاج قیصر زیر پای امتش

از کلید دین در دنیا کشاد
همچو او بطن ام گیتی نزاد

سینهٔ مسلم تجلی گاه او
طورها بالد ز گرد راه او

شور عشقش در نی خاموش من
می تپد صد نغمه در آغوش من

پیکرم را آفرید آئینه اش
صبح من از آفتاب سینه اش

من چه گویم از تولایش که چیست
خشک چوبی در فراق او گریست

در تپید متصل آرام من
گرم تر از صبح محشر شام من

ابر آذار است و من بستان او
تاک من نمناک از باران او

چشم در کشت محبت کاشتم
از تماشا حاصلی برداشتم

خودی

گر فنا خواهی ز خود آزاد شو
گر بقا خواهی بخود آباد شو

از خودی مگذر بقا انجام باش
قطره ئی می باش و بحر آشام باش

چیست مردن از خودی غافل شدن
تو چه پنداری فراق جان و تن

هستی را از نیستی ترسیدهٔ
ای سرت گردم غلط فهمیدهٔ

هر که آقائی نداند چاکر است
مردمی از چاکری بالاترست

الحذر از نان چاکر الحذر
رزق خویش از دست دیگر الحذر

خود فرود از شتر مثل عمرؓ
الحذر از منت غیر الحذر

فطرت کو بر فلک بندد نظر
پست میگردد ز احسان دگر

خود ز سیم داد آزاد آمدی — پیش قاضی طالب داد آمدی
اے گدائے ریزهٔ از خوان غیر — جنس خود میجوئی از دکان غیر
غافل از آداب فاروقی شدی — زیں سبب منت کش قاضی شدی
ایں قدر از خویشتن غافل مشو — بے خبر فاروق تو سائل مشو
ذوق استحکام اصل زندگیست — یعنی از خود رفتگی بیچارگیست
هر که برخود نیست فرمانش رواں — میشود فرماں پذیر از دیگراں
چوں زمیں بر هستئ خود محکم است — ماه پابند طواف پیهم است
روح خورشید از زمیں محکم تر است — پس زمیں زنجیری ایں نیر است
خویش را دریاب از ایجاب خویش — سیم شو از بستن سیماب خویش
چوں خبر دارم ز ساز زندگی — با تو گویم چیست راز زندگی
غوطه در خود صورت گوهر زدن — پس ز خلوت گاه خود سر بر زدن
زیر خاکستر شرار اندوختن — شعله گردیدن نظرها سوختن
تا بہ کے مانند گل باشی خموش — همچو بلبل ناله را ارزاں فروش
فاش گو اسرار پیر مے فروش — موج مے شو کسوت مینا بپوش
در گره هنگامه داری چوں سپند — محمل خود بر سر آتش ببند
خنده را سر منزل صد ناله ساز — اشک خونی را جگر پرکاله ساز
ناله را انداز نو ایجاد کن — بزم را از های و هو آزاد کن
آتش است ایں بزم عالم بر فروز — دیگراں را هم ز سوز خود بسوز
اے که مضراب انا داری بدست — ایں چنیں غافل نمی باشد نشست
نسخهٔ پیدا کن از تار حیات — آشکارا ساز اسرار حیات
سوز مضموں دفتر منصور سوخت — جلوه رقصید و مطاع طور سوخت
رفت از تن روح گرد دل تازه او — از اجل بیگانه ماند آوازه او
نعره اش در لب چو گویائی ندید — سر بروں از قطره خونش کشید

رسالت عین وحدت

از یمین السلطنتہ مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شاد - جی - سی - ایس - آئی -
سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن

توحید کے تین نمبر دیکھے - انکے درشن سے آنکھ کو نور دل کو سرور ملا - اور کیوں نہو کہ اُسکی شان اور اوج موج ہی اور تھی -

بالائے سرش زہوشمندی میتافت ستارۂ بلندی

اُسکی ابتدا بتلاتی ہے کہ ع یہ بچپنا ہے تو اسکا شباب کیا ہوگا +

یہ ہونہار اپنے ہمعصروں میں فرد فرید اور لاجواب ہوگا - یہ پودہ حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی کا لگایا ہوا ہے - اور آپ ہی کے آغوش محبت میں پرورش پا رہا ہے - آپکی ذات جامع الصفات ہے اور آپ جذب جنسیت اور اتحاد طبیعت میں یکتائے روزگار مانے جاتے ہیں - آپ کے اخلاق کریمانہ کا دستر خوان نہایت وسیع پیمانہ پر ہے - آپ بحر وحدت کے گوہر یکتا بزم عرفان کے شمع تجلی - محبوب الٰہی کے پیارے صلح کل کے آسمان کے تارے ہیں - اس سے ظاہر ہے کہ یہ توحید اس موحد پاک نظر پاکباز حقیقت کے ہمراز عارفوں میں ممتاز - راہ طریقت کے یکہ تاز - اہل شریعت کے دمساز خلعت فخر سے سرفراز دردمندوں کے چارہ ساز شاد نواز کے سایۂ عاطفت میں صاحب عمر دراز ہوگا - اور انشاء اللہ یہ بیل منڈھے چڑھیگی - سالکان طریقت محققان حقیقت عارفان معرفت - ساجدان محراب شریعت اس سے استفادہ حاصل کرینگے اور اُسکے خوشگوار ثمر سے برخوردار ہونگے - اللّٰھم زد فزد - اس ہونہار بچے کا نام جو توحید رکھا گیا ہے اسکی تصدیق کے لئے دو گواہ بھی موجود ہیں - ایک کلمہ طیب یعنی لاالٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ - دوسرے وید مقدس کا جملہ منتخب (ایکو برہم دوتیو ناستی) جسکا عربی ترجمہ لاالٰہ الاّ اللہ ہوتا ہے - یہ ہر دو توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور شاہد ہیں کہ بجز ایک کے دوسرا نہیں ہے -

اس پیاری توحید کے گلے میں اسم ذات کا سمرن پہنایا گیا ہے - جسکے ہر دانہ پر

اللہ کا نام پاک ہے اور اپنے عظمت و جلال کی روشنی پھیلا رہا ہے اور اہل ایمان کے دلوں میں نور کا کافور بکھیر رہا ہے۔ ابھی نام خدا یہ تین مہینہ کا ہے۔ اسکی تیسرے نمبر کے ہفتہ واری روزنامچہ کے اردگرد چند اخباری پرچے نظر آئے۔ ہر ایک کی پیشانی پر ایک جداگانہ عنوان سرنوشت ہوا ہے۔ ازاں جملہ ایک عنوان پر نظر پڑی جسکے ناصیہ پر یہ لکھا ہوا ہے۔ (توحید میں کیسی دوئی) اسکو ہمنے بغور دیکھا اور شوق سے پڑھا

معلوم ہوتا ہے کہ آریہ گزٹ نے ٹوکا ہے اور کلمہ طیب کے دوسرے جز یعنے محمد الرسول اللہ پر اعتراض کیا ہے۔ دلیل اور برہان میں یہ فقرہ دیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دوسرے جز کی شرکت توحید کی شہادت کو ضعیف کردیتی ہے۔ اگرچہ لائق اڈیٹر توحید نے اسکا جواب باصواب نہایت متانت اور سنجیدگی سے دیا ہے جسکے بعد ہم کو بحث کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہم کوئی فریق بننا چاہتے ہیں۔ مگر یہ تفرقہ جو توحید کے اکھاڑے میں پڑنے والا ہے اسکو ہم دیکھنا نہیں چاہتے۔ ایک کا عدد جس طرح سب میں موجود ہے ویسے ہی شیر و شکر ہونیکے بعد پھر دوئی کا ذکر کہاں۔

موحد کی نظر چونکہ مبصر ہوجاتی ہے اسلئے اسکی نظر ہمیشہ جوہری پر پڑتی ہے اور پڑنا چاہئے۔ عرض سے کیا تعلق۔ درحقیقت واحد گفتن آسان ہے لیکن واحد دیدن مشکل ہے اور اسلئے توحید واحد دیدن پر منحصر ہے۔ نہ واحد گفتن پر۔ ما رایت شیئاً الا و رایت اللہ کوئی آسان اور بازی طفلاں نہیں ہے جسکی نظر اس سیر سے محروم ہے۔ اسکی آنکھوں میں دوئی کی تصویر متصور ہوتی ہے۔ آریہ صاحب نے گیتا ضرور پڑھی ہوگی۔ دسویں ادھیائے میں مہاراج سری کرشن آفتاب آسمان توحید توحید کی تعلیم دیتے ہوئے (ارجن) سے فرماتے ہیں "جو دانشمند اور طالب صادق ہیں وہ یہ سمجھ کر کہ میں سب کا مبدا ہوں اور سب کا مجھ سے ظہور ہے میری یاد کرتے ہیں"

پس اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ صفاتی قوتیں جنکے متعلق عالم کا انتظام ہے قدرت سے ظہور پاتی ہیں اور قدرت ذات کا عکس ہے پس ذات کل عالم کا مبدا ہے۔ یہ اسرار وہی جانتے ہیں جو تحقیقات باطنی کا ذوق شوق رکھتے ہیں اور دید درشن کے مزے لیتے ہیں اور ادراک ذات میں مشغول ہوتے ہیں۔

اور ایک جگہ پھر آپ ارجن سے فرماتے ہیں اور توحید کا سبق بہ ارادۂ حق دیتے ہیں "تیز رفتاروں میں ہوا ہوں۔ ہتھیار باندھنے والوں میں رام چندر ہوں۔ دریائی جانوروں میں مگر ہوں۔ دریاؤں میں گنگا ہوں"۔

اگر معترض کو اس قول سے انکار نہیں ہے تو پھر یہ اعتراض کس طرح ماننے کے قابل ہے کہ محمد الرسول ہادی برحق کا نور ظہور غیر اللہ ہے۔

اور ایک جگہ سری کرشن ارجن سے مزید اطمینان اور حجت تمام کرنیکے لئے زبان حق فرماتے ہیں کہ "اے ارجن کل مخلوقات کا تخم میں ہی ہوں کوئی شئے متحرک اور غیر متحرک ذی روح ایسی نہیں ہے جسمیں میں نہیں"۔

بہرحال موحد کی نظر نہایت وسیع اور محیط ہوتی ہے کُل پر۔

ایک صاحبدل نے کسی مولوی صاحب کے ساتھ نماز میں اقتدا کیا۔ جب رکوع کا وقت آیا تو فوراً نماز توڑدی۔

ایک درویش صاحب بصیرت قاب قوسین او ادنیٰ کی سیر کرنیوالے اور مرج البحرین یلتقیان بینھم برزخ لا یبغیان کے میکدے کے متوالے نے سبب نیّت توڑنے کا پوچھا شخص اوّل الذکر نے کہا کہ سائیں مولوی صاحب نے ادھر نیّت باندھی اور اُدھر بال بچّوں کے ساتھ ہوگئے۔ اب میں نماز کسکی پڑھتا۔ درویش باخبر نے تبسم کرکے کہا کہ بابا اگر اُسنے نماز اپنے بچّوں کی پڑھی تھی تو تو نے اُسکے دل کی نماز کیوں پڑھی۔ تو تو خدا کی نماز پڑھتا تھا پس اگر کلمہ کا جزو ثانی بقول معترض کے شرک سمجھا گیا تھا تو اسنے اُس شرک میں اپنے کو شریک کرکے کیوں اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کیا۔

درحقیقت اللہ اللہ اور رام رام رٹنے سے کوئی موحد نہیں بنتا ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ایک موٹی سی مثال ہے کہ زید۔ بکر۔ خالد۔ بحیثیت مجموعی اس کالبد عنصری کا نام ہے جن میں لحم و شحم پوست و استخوان رگ پٹھے اور متفرق اعضا۔ اور جو ارح شریک ہیں۔ ان میں سے صرف کسی ایک شئے کا نام زید۔ بکر ہو نہیں سکتا۔ اور بظاہر فرداً فرداً ہر ایک شئے کا نام اور اُسکی صفت جداگانہ ہے پس اسی طرح سے کل کائنات اور

اُسکے موجودات اور معلومات وحدت الوجود کی شان کے لباس سے مزین اور مشین ہے۔

اُس ایک کے سارے جلوے اور اُسی ایک نور کے سانچے کی ڈھلی ہوئی ساری صورتیں ہیں۔ اسلئے اُسکے نور ظہور کے نام بھی جداگانہ ہیں ؎

مجنوں شدہ گر دیدۂ لیلیٰ شدہ بنمودہ
مجنوں کجا لیلیٰ کجا خود بودہ و خود بودہ

اُسکی ذات اسماء و صفات پر محیط ہے نہ کوئی اسم اس سے جدا ہے نہ کوئی صفت اس سے خالی۔ ذات پاک کی قدرت کے جلوے کثیر اور لا تعد و لا تحصے ہیں۔ کل اجسام نے اس سے نمود پایا ہے۔ پس اگر کوئی موحد اور عارف ہو کر یہ اعتراض کرے کہ خدا کے نام کے ساتھ کوئی دوسرا نام توحید میں خلل ڈالتا ہے سمجھ سے کوسوں دور ہے۔

اسی توحید کا سبق بابا گرو نانک شاہ صاحب آشنائے بحر حقیقت یوں دیتے ہیں ؎

نرانکار آکار آپ نرگن سرگن ایک
ایکو ایک بکھانئے نانک ایک انیک

من فہم فہم۔ من و تو کی تمیز جبتک باقی ہے۔ عارف اور سالک کو حفظ مراتب کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔

گر حفظ مراتب نکند زندیقست

مستی و مدہوشی و بیخودی چیزے دیگر است۔ سونے روپے کی ہزاروں چیزیں بنتی ہیں اور ہر ایک کا نام باعتبار اُسکی صورت کے جدا جدا ہوتا ہے۔ مگر ان اشیاء کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو وہی سونا ہے۔ صورت صورت گر کا عکس ہے ؎

او در دل من است و دل من بدست او
چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ تخم ریزی سے پہلے ثمر مدنظر ہے بعدہٗ ظہور شجر ہے۔ شاخ و برگ۔ بیل پھول۔ یہ سب اُسی اجمال کی تفصیل ہے۔ صورت عابد معنی معبود ظاہر ساجد باطن مسجود شریعت احمد حقیقت احد۔ خود وحی و خود الہام خود سلام

خود پیغمبر و خود پیام۔ خود مرسل وخود مرسل الیہ۔

از من بمن سلام و ہم از من بمن پیام

توحید کیا ہے؟

چیست توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

ایک خفیف سی بات پر بیگانگی کا اظہار۔ دوستی میں شیر و شکر ہونے کی جگہ شکر رنجی کے سامان پیدا کرنا۔ اسی سے سلسلۂ اتحاد ٹوٹ جاتا ہے اور اسی پھوٹ نے ہندوستان کو تباہ کر رکھا ہے۔ صلح کل کے مرکز سے دور ہو کر اپنے مشرب والوں کو جنکا مدعا ایک غرض ایک مقصود اصلی ایک ہے۔ اور اُسی ایک غرض کیواسطے جو توحید کی اشاعت کی طرف رجوع ہو کر قوم پر احسان کر رہا ہے اُسکے دل صفا منزل پر کدورت بھری باتوں سے غبار پیدا کرنا۔ دعوی یکجہتی اور آشنا پرستی کے خلاف ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ

وما علینا الا البلاغ +

توحید کی مے پیتے ہیں مستان مدینہ

از یمین السلطنتہ مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شاد جی۔سی۔ایس۔آئی سابق وزیر اعظم حیدر آباد

بلوائیں مجھے شاد جو سلطان مدینہ جاتے ہی میں ہو جاؤں گا قربان مدینہ
وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوب خدا کا کعبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شان مدینہ
روکینگے نہ دربار میں جانے کیلئے شاد پہچانتے ہیں سب مجھے دربان مدینہ
ہے احمدؐ بے میم کا دربار مقدس جو عرش خدا ہے وہ ہے ایوان مدینہ
ہے تم ہی سے یہ سب عزت و اجلال قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جان مدینہ
لیجاؤں گا میں ساتھ فقط عشق محمدؐ تحفہ ہے مرے پاس یہ شایان مدینہ
دیکھے جو تیرے کو مرے عشق نبی میں سکتے میں رہے نرگس بستان مدینہ

کھولے درِ جنّت کو یہی کہتا ہی رضواں
بےخوف چلے جائیں غلامانِ مدینہ

نشہ ہے وہ اُنکو جو اُترتا ہی نہیں ہے
توحید کی مے پیتے ہیں مستانِ مدینہ

خاکِ رہ یثرب کو بناؤں گا میں سُرمہ
دیکھوں گا ان آنکھوں سے جو میدانِ مدینہ

اللہ دکھا دے تو مجھے روضۂ اقدس
باقی کہیں رہ جائے نہ ارمانِ مدینہ

کیوں میری شفاعت میں بھلا دیر لگیگی
کیا مجھکو نہیں جانتے سلطانِ مدینہ

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اُن کا جو ہیں سلطانِ مدینہ

کیا مجھ سے ثنا ہو سکے اک مور ہوں ادنیٰ
اعلیٰ ہیں وہی ہیں جو سلیمانِ مدینہ

مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شاد
اس رمز سے آگاہ ہیں سلطانِ مدینہ

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

ازجناب مہجور صاحب۔ ٹکسالی دروازہ لاہور

نحیف و بےکس و بےیار مسلم
مریضِ ناتواں بیمار مسلم

قتیلِ خنجرِ کفار مسلم
کھڑا ہے بر سرِ دربار مسلم

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

ہے طوفان اور گرداب بلا ہے
نہ کشتی ہے نہ کوئی ناخدا ہے

عجب آفت کا حضرت سامنا ہے
بچا لو ورنہ مسلم ڈوبتا ہے

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

مراکو اور ٹرکی سیم جاں ہے
ٹریپولی بھی لیتا سسکیاں ہے

کوئی دن کا یہ ایران مہماں ہے
کہ یورپ درپئے آزارِ جاں ہے

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

اُدھر بلقانیوں کی چاریاری
اِدھر اُمت تری بےکس بچاری

ہوئے ہر سمت چشمے خوں کے جاری
رسول اللہ امت کیوں بساری

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

ابھی سے علم و فن کے باب کھولے
نہ پر موتی تھے اس مخزن سے رولے

کہ چلنے لگ گئے توپوں کے گولے پڑے سر اپنا منڈواتے ہی اولے

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

ہوئے بے خانماں لاکھوں مسلماں تڑپ کر سینکڑوں نے رن میں دی جاں
خبر لے اے محمد صلعم ابر یزداں کہ امت پر تری ہے کفر خنداں

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

نہ ہوتی جیب گر مجھ پر خالی مدینے جاتا میں بنکر سوالی
پکڑ کر روضۂ اقدس کی جالی صدا دیتا یہ در پہ میں نرالی

فقم قم یا حبیبی کم تنامی

منقبت جناب امیر علیہ السلام

(از یگانۂ عصر مولنا غلام قادر صاحب بلگرامی شاعر خاص حضور نظام دکن)

زمین و آسماں از اشک و آہم در عذابستے زمیں زد غوطہ در خوں آسماں در اضطرابستے
تلاطمہائے اشکم آں چناں بالا گرفت امشب کہ چرخ نیلگوں مانند نیلو فر در آبستے
در آغوش اثر جا کردہ است آہ سحرگاہم ہما نا تیر آہ من دعا مستجابستے
برات گریہ ہائے بیحسابم را چہ می پرسی نجات دار و گیر فتنۂ یوم الحسابستے
چہ میدانی کہ آہم از چہ راہے بر فلک آرد اسیر بوسۂ خاک مزار بو ترابستے
علی ع آں کعبہ اش مولد علی آں مسجدش مشہد علی الّٰہیاں دانند کیں نکتہ کتابستے
علی را عقل اول طفل مکتبخانۂ دانش علی در مہد طفلی دایہ اش ام الکتابستے
علی و مصطفےٰ ہر دو بہ نسبت یوسی و ہارو سپردندش ولایت کاں نبوت را حجابستے
علی بیدار و احمد سر بزانوئش بخواب آمد تعالی اللہ چہ بیداری تعالی اللہ چہ خوابستے
نمیدانم من از قدر بلندش ایں قدر دانم کہ بر دوش نبی معراج آں عالی جنابستے
خدا خواندش نصیری مجتبا را بندہ می خوانم عجائب مظہرستے انہ شیٔ عجابستے
اگر مشکر بگوید بندہ را چوں خدا خوانی علی را یا علی خوانم جواب لاجوابستے

ہوس را شیشہ بر سنگ افگنم خاک نجف بوسم — چلے در خاک آں لعیوب دیں سر کہ شرا بستے
گرامی ہر دو روزہ زندگی چند ایں ہوس کوشی — مژہ واکن کہ عمر بیوفا نقشے بر آبستے
ہوس پیچیدہ با دُنیای دوں دلبستگی دارد — و لے در چشم معنی آشنا دُنیا حبابستے
گرامی منقبت آورد بارے خواجہ فرماید — کہ پنجاب آسمانستے گرامی آفتابستے
نمیدانم چہ میگویم نمیگویم چہ میخواہم — جواب اندر سوالستے سوال اندر جوابستے

خواجہ نبوت کاملہ کی تصویر تھے

(از شمس العلما مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی)

دُنیا میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کے مظاہر پیدا کئے ہیں - آسمان - زمین - چاند - سورج - تارے سب اسی کے آئینۂ جمال ہیں - بشر - حجر - شجر بھی اسی کے وجود کے اظلال ہیں - حقیقت میں اصل وجود کسی کا بھی نہیں - پھر اس مظاہر کے دو رشتے ہو گئے - ایک وہ کہ ہر پھیر کر اسی دائرۂ محسوسات میں آٹھہرتا ہے - اسکی تکمیل کیلئے حکماء اور فیلسوف برپا ہوئے - اختراعات جدیدہ ریل - بجلی - تار - توپیں - جنگ کے قواعد - روزمرہ کی نت نئی اشیاء - تجارت - عمارت - راحت کے سامان سب کچھ مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون کا جلوہ ہے - اسی کو عالم ناسوت اور محسوسات کے بندے تکمیل نفوس بشریہ خیال کرتے ہیں مگر اُسکا وجود شب کے خواب سے بھی زیادہ دیرپا نہیں - دوسرا رشتہ عالم حقیقت کی طرف اسکے ہادی حضرات انبیا علیہم السلام ہیں - ان حواس خمسہ کے سوا جو مادّیات کے ادراک کے سوا اور کچھ بھی ادراک نہیں کر سکتے - انکے لئے اور بھی قویٰ و آلات ادراک عطا فرمائے ہیں - آخرالامر وہ خود ہی مدرک خود ہی ادراک ہو جاتے ہیں - یہ سلسلہ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پہ قضا و قدر نے تمام کر دیا - کیوں کر دیا - اسکی علت وہ ہی خوب جانتا ہے لیکن اس سلسلہ علیا کے نمونے دُنیا میں ضرور قائم کئے ہیں - اگر نہ قایم ہوتے تو عالم باطل ہو جاتا - اسی سلسلے میں حضرات اولیاء کرام ہیں - ان میں ہر ملک اور ہر جگہ بے شمار افراد پیدا ہوئے اور ہوتے رہینگے لیکن ان میں سے اکثر کے

سرتاج اور ہندوستان جیسے ظلمتکدے کے لئے روشن چراغ بلکہ آفتاب حضرت خواجہ سید معین الدّین اجمیری ہیں قدس اللہ اسرارہم۔ ان کا جو اصلی کمال ہے اُسکو دیکھنا تو اُسی حیثیت سے چاہیے باقی عوام کی نظروں میں جو محک کمال ہے مجھے اس سے کلام نہیں۔ یہ ذاتِ مقدسہ چھٹی صدی ہجری میں ہند پر پرتو فگن ہوئی اور اجمیر ہی تخلیہ کے سبب پسند فرمایا۔ چونکہ علم الٰہی کے اُستاذ کامل تھے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ اور پھر ہر ایک کا چشمۂ فیض بھی صدیوں جاری رہا۔

حضرت خواجہ نبوّت کاملہ کی پوری عکسی تصدیر تھے۔ ظاہری احکام کی پابندی اخلاق و آداب شرعی پر عمل علوم روحانیہ و شرعیہ کا تبحر بیحد تھا اسلئے کبھی دُنیا کی طرف التفات نہ فرمایا اور عمر کا گراں مایہ حصہ اسی مشغولیّت کے ساتھ اس خشک اور گرم پہاڑ میں صرف کر دیا۔ ہرچند آپ خراسان جیسی سرد و شاداب جگہ کے رہنے والے تھے مگر زمانے کی سردی اور گرمی نے آپ کے اعضاء میں کچھ بھی تفاوت پیدا نہ کیا۔ آخر ہوتے ہوتے روح الورٰ جب انوارِ حق کا پورا آئینہ ہوگئی تو ۶۳۳ھ میں جسم عنصری کے ڈھیر کو زمین پر چھوڑکر عالم بالا کو چلے گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

من بداماں معین الدین حسن دستے زدم

(از مولانا غلام قادر صاحب صبا گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن)

راہِ فردا میزند امروز من اے وائے من
غوطہ در گرداب امروزم خورد فردائے من

کلبۂ تاریک من منّت کش خورشید نیست
صبح محشر سایہ پرورد شب یلدائے من

بر درِ حریف آشنایاں سرنمی آرم فرود
کوس معنی زد ادب بر بامِ استغنائے من

حسرت اندر حسرتم زامروز و فردایم مپرس
می تراود خون امروز از رگِ فردائے من

ہاں بجو دو ارفتگاں از جادۂ بیکر دکہ سر
عشق عقل آموز من عقل جنوں فرمائے من

ظاہر و پنہان من آئینۂ ناز و نیاز
دست در آغوش وحدت پیکر جوزائے من

ہستی من مستی منصور دارد در دماغ
می چکد خونِ اناالحق از لبِ گویائے من

نفی اثباتِ مرا اثباتِ نفی من دلیل
معنیِ لا جوش زد از جوہر الّائے من

ذرّہ سر جوشم ولے دارم در آغوش آفتاب　　گردِ خود گردم بود مجنونِ من لیلائے من
حلقۂ زنجیر من آویزۂ گوشِ جنوں　　داستانِ بیخودی افسانۂ سودائے من
من بداماںِ معین الدین حسن رضؓ دستے زدم　　مرشدِ من خضرِ من مہدی من مولائے من
یا معیں می ریزد از ہر موئے درد آویز من　　یا معیں مے جوشد از ہر موجۂ دریائے من
گرم جوشیہائے عشقِ خواجۂ بندہ نواز　　جلوہ ریز آمد در آغوشِ دلِ دانائے من

مدح سر کردم گرامی خواجہ فرماند کہ ہاں
مدح سنج من گرامی شاعرِ یکتائے من

ترانۂ خواجہ

از حضرت مولانا شفق عمادپوری

کدھر ہے مطرب خوش لہجہ ترانۂ چشت　　سُنادے نغمۂ اسرار عارفانۂ چشت
دکھادے میکدۂ بزم صوفیانۂ چشت　　بنادے مست مجھے جام عاشقانۂ چشت

قدم پہ ساقی عالی منش کے سر پہونچے
اُچھلکے فرش سے دستار عرش پر پہونچے

وہ نکلے دل سے صدائے ترانۂ خواجہؒ　　کہ پائے روح غذائے ترانۂ خواجہؒ
کچھ ایسے رنگ جمائے ترانۂ خواجہؒ　　کہ سُنکے شیخ بھی گائے ترانۂ خواجہؒ

زبانِ حال میں انداز قال آجائے
سُنے وہ قال کہ صوفی کو حال آجائے

اُچھالتے ہوئے عرفان کے جام دست بدست　　جو محو رقص ہوں مستان بارگاہ الست
فنا بقا سے بدلجائے ہو کے نیست سے ہست　　شکست نفس کی ہو فتح اور خودی کی شکست

وہ نشہ سر میں ہو اور وہ سرور آنکھوں میں
کہ دل میں اُسکی تجلی ہو نور آنکھوں میں

جو شیشے نخوت و ناموس ونگ کے ٹوٹیں　　تو چوٹ کھائے ہوئے دل کے آبلے پھوٹیں
متاع ہوش کو رہزن قرار کے لوٹیں　　مزا ہو چھلکے جو پانچوں حواس کے چھوٹیں

وجود نفی کی بھی نفی ما سوا ہو جائے

بس اتنا ہے کہ الّا سے لاجُدا ہو جائے

رہے نہ پیکرِ فانی میں کوئی شے باقی — نہ شوقِ جام رہے اور نہ ذوقِ مے باقی
رہے نہ چنگ نہ مطرب نہ نائے باقی — بس ایک دُھن رہے اور ایک اُس کی لے باقی
سوائے تارِ نفس کچھ رہے نہ پھانس لگی
اُسی کی آس پہ چلتی ہو ایک سانس لگی

لگا ہوا ہے جو حبل الورید کا اک تار — بنا ہے کافر و دیندار کے گلے کا ہار
یہ تار سبحہ ہے یا کوئی رشتۂ زنار — مدار جس پہ ہے سانسوں کا اور دموں کا شمار
کوئی جو رب تو کوئی رام رام جپتا ہے
صمد کا کوئی صنم لے کے نام جپتا ہے

حریم کعبہ کہیں دیر برہمن ہے کہیں — چراغ بزم کہیں شمع انجمن ہے کہیں
کہیں ہے برگ ثمن شاخ نارون ہے کہیں — کہیں شگوفہ ہے گل ہے کہیں چمن ہے کہیں
گلوں میں رنگ کہیں بو کہیں وہ رنگ میں ہے
گہر صدف میں کہیں ہے تو لعل سنگ میں ہے

دکھا رہا ہے وہ کثرت میں جلوۂ وحدت — وہی ہے شاہد رعنائے جلوت و خلوت
اُسی کی پھرتی ہے آنکھوں میں موہنی مورت — مگر پڑا ہے نگاہوں پہ پردۂ غفلت
کہیں ہے وہ لب بام اور تہ نقاب کہیں
کہیں وہ نور ہے سایہ کہیں حجاب کہیں

کہیں وہ نار و جناں ہے کہیں ہے حور و قصور — کہیں جلال کہیں ہے جمال اُس کا ظہور
کہیں ہے پردۂ دار و قصاص میں مستور — کہیں ہے سرمدِ بے سر کہیں لب منصور
کہیں شہود کہیں ہے وجود مطلق بھی
صدا اُسی کی انا العبد بھی انا الحق بھی

نہاں سلوک میں اور جذب میں عیاں ہو کر — کلام سالک و مجذوب کی زباں ہو کر
جنید و شبلی و سلطان عارفاں ہو کر — ولی و غوث زماں قطب خواجگاں ہو کر
وہ سرو سبز خیابان اہل چشت بنا
بہشتیوں کے لئے حلۂ بہشت بنا

اُسی کے نور کی تصویر صورت خواجہؒ — اُسی کے حسن کی تنویر طلعت خواجہؒ

زہے وہ آنکھ کرے جو زیارتِ خواجہؒ　　زہے وہ دل کہ ہو جس میں حسرتِ خواجہؒ
کرے جو یاد اُسے ناشاد شاد ہو جائے
جو نامراد ہو وہ بامراد ہو جائے

اُسی کی خاک قدم سُرمۂ اولی الابصار　　دوائے دردِ جگر چارہ سازِ ہر ناچار
طبیبِ ہر مرضِ غم مسیحِ قلبِ فگار　　شفیقِ ملّت و غمخوارِ اُمّتِ بیمار
عطائے خاص شہِ مرسلاں غریب نواز
حضور خواجۂ کون و مکاں غریب نواز

بلند پایہ و رفعت نشاں معین الدیںؒ　　فلک سریر و ملک پاسباں معین الدینؒ
مہ عروج و شہِ عزوشاں معین الدینؒ　　چراغِ روئے زمین و زماں معین الدینؒ
کروں میں کون سے القاب سے صفت تیری
حسینی و حسنی ۔ سنجری و اجمیری

تمہیں ہو طرّۂ دستارِ چشت اہلِ بہشت　　تمہیں ہو رونقِ گلزارِ چشت اہلِ بہشت
تمہیں سے شوکتِ دربارِ چشت اہلِ بہشت　　تمہیں سے عظمتِ سرکارِ چشت اہلِ بہشت
فروغِ سلسلۂ خواجگانِ چشتی ہو
تمہارا نام کشتی جو لے بہشتی ہو

ہے فخر فخریوں کو نسبتِ گرامی پر　　ہے ناز صابریوں کو بھی نام نامی پر
شرف نظامیوں کو آپ کی غلامی پر　　نگاہِ لطف ہو مولیٰ حسن نظامی پر
اُسی کی چھیڑ سے ہوں گرم سوز سازِ سخن
یہ میرا مُنہ تھا کہ ہوں زمزمہ طرازِ سخن

شفقؔ یہ دُھن تھی ترانہ کوئی مرا نہ سُنے　　کوئی یہ نغمہ کوئی لحن خوشنوا نہ سُنے
دلِ شکستہ کی میرے کوئی صدا نہ سُنے　　سوائے خواجۂ اجمیر دوسرا نہ سُنے
قبول کاش ہو سرکار میں میرا ہدیہ
کیا تھا ورنہ سلیماں نے مور کا ہدیہ

غریب پرور حضور خواجہؒ

از مولانا وجاہت حسین صاحب صدیقی جائنٹ ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور

تمہیں ہو ہندوستاں کے سرور غریب پرور حضور خواجہ
غریب و بیکس ہوں میں سراسر کرم ہو مجھ پر حضور خواجہؒ

شریف ہوں میں غریب ہوں میں مگر عجب بدنصیب ہوں میں
شکستہ پر عندلیب ہوں میں چمن میں مضطر حضور خواجہؒ

مجھے تو ہے آسرا تمہارا نگاہِ الطاف ہو خدارا
پھروں نہ اب تو یوں مارا مارا بحال ابتر حضور خواجہؒ

بنائے گردوں نے حال حال کیا دکھائے رنج و ملال کیا کیا
کیا مجھے پائمال کیا کیا دکھائے ہیں چکر حضور خواجہؒ

غضب کا ہے چار سو اندھیرا عجب ظلمت نے مجھ کو گھیرا
کہیں ٹھکانا نہیں ہے میرا جہاں کے اندر حضور خواجہؒ

ہمارے پشت و پناہ تم ہو کہ ہند کے بادشاہ تم ہو
بجا ہے ظل الٰہ تم ہو ہمارے سر پہ حضور خواجہؒ

خدا کے بندے خدا کے پیارے بڑی مصیبت میں دن گزارے
سوا تمہارے کسے پکارے یہ زار و مضطر حضور خواجہؒ

تمام عالم میں پھر پھرا کر تمہارے در پر پڑا ہوں آکر
اٹھوں گا اب تو مراد پا کر یہ در ہے یہ سر حضور خواجہؒ

عجب یہ دربار خسروی ہے یہاں کسی شے کی کیا کمی ہے
میرے لئے دیر کیوں لگی ہے غریب پرور حضور خواجہؒ

ہزار ولیوں کے اک ولی ہو تم آل پیغمبر و علی ہو
بڑے دھنی ہو بڑے بلی ہو مثال حیدر حضور خواجہؒ

معینِ دنیا معینِ دیں ہو کہ نائب ختم مرسلیں ہو
تمہیں ہو سرکار بس تمہیں ہو خدا کے مظہر حضور خواجہؒ

ہوا ہوں بیزار زندگی سے گزرنے والا ہوں اپنے جی سے
یہ راز سربستہ میں کسی سے کہوں تو کیونکر حضور خواجہؒ

دیا ہے آزار آسماں نے نہ چین لینے دیا جہاں نے
غرض ہر اک مہرباں نے چلائے خنجر حضور خواجہؒ

تمہاری سرکار ہے وہ عالی گیا نہ کوئی یہاں سے خالی
بس اپنے دل کی مراد پالی سبھی نے آکر حضور خواجہؒ

اٹھائی ہے ہر جگہ مصیبت تمہارے در پر ملی ہے راحت
بتاؤ جائے کہاں وجاہت یہاں سے اٹھ کر حضور خواجہؒ

دل کے اٹھارہ ٹکڑے

از جناب سید عاشق حسین صاحب سیماب - اکبرآبادی

اے سواد راجپوتانہ یہ تیری شوخیاں
کہہ رہی ہیں آفتاب ذرہ پرور تجھ میں ہے

کوئی مخمور ولا ہے خاک میں تیری نہاں
مصدر وحدت ہے تو توحید کا گھر تجھ میں ہے

تجھ میں اور کعبہ میں ہے اک پھیر وسعت آفریں　　پھیر ایسا منزلوں کا پھیر کہتے ہیں جسے
کعبۂ ارباب باطن ہے مگر وہ سرزمیں　　جنت ہندوستاں اجمیر کہتے ہیں جسے

آہ وہ اجمیر جو ہے مشرق خورشید فیض　　جسکی گلیاں نور کی گلیاں ہیں ریگستان میں
حسرتی سیر ہے ہر چشمِ پُر امیدِ فیض　　چشمۂ کوثر مگر جاری ہے کوہستان میں

مرجع جن و ملک دُنیا میں ہے اُنکا مزار　　جنکی خاکِ پا سے روشن ہے نظامِ خاوری
کون؟ وہ پیغمبرِ پیغمبرِ گردوں وقار　　حضرتِ خواجہ معین الدین چشتی سنجری

وہ نسیمِ باغ سنجر وہ بہارِ باغِ چشت　　ابرِ پُر فیضانِ ہارونؓ خواجہ ہندوستاں
اُنکے دم سے ریگ ریگستاں بنی خاکِ بہشت　　آج اُنکے نام سے اجمیر ہے جنت نشاں

کاش حاصل ہو مجھے دربار میں فخرِ نیاز　　اور خدا دیدے اجازت مجکو عرضِ حال کی
ہو دہن میں وہ زباں جو ہو کلیدِ قفلِ راز　　یوں سُناؤں سرگزشت اپنے دلِ پامال کی

خواجہ صاحب! آپ کو سوتے ہوئے مدت ہوئی　　اپنی چشمِ خواب آگیں کو خدارا کھولئے
کونسی تقصیر ایسی مانع رویت ہوئی　　نرگس ہیگوں نہیں کھُلتی تو مُنہ سے بولئے

گنبدِ ابیض میں سوئیں آپ تو آرام سے　　ملتِ بیضا کی آنکھوں میں زمانہ تار ہو
عارضِ روشن جو نکلے گیسوئے شب فام سے　　طالعِ خوابیدۂ اسلامیاں بیدار ہو

جانبِ ہندوستاں سنجر سے آئے تھے حضور　　ہند سے اب سوئے یورپ کیجئے عزمِ خرام
دیکھئے کسکے ستم سے ہیں مسلماں ناصبور　　پوچھئے کیوں ہو گئے ہیں موردِ بیدادِ عام

یا معین الدینؓ کہاں اب خامشی کا وقت ہے　　بیکسانِ اُمتِ جد کی اعانت کیجئے
دل شکستہ ہے زمانہ، دلدہی کا وقت ہے　　آبروئے اہلِ ایماں کی حفاظت کیجئے

نیّرِ ملت چھپے زیرِ زمیں ایسا نہو — کشتئ اسلام ڈوبے ورطۂ گرداب میں
آپ سوتے ہی رہیں خواجہ۔ کہیں ایسا نہو — ڈوب جائے نام اپنا موجۂ اسباب میں

سرورِ عالم کو طیبہ میں جگا آیا ہوں میں — چونک اُٹھے وہ بھی میرے نالۂ پرسوز سے
اب جگانے آپ کو سیدھا چلا آیا ہوں میں — آپ بھی چادر اُلٹ دیں روئے مہر افروز سے

مطلعِ توحید پر خورشید بنکر آئیے — اور چمکا دیجئے بختِ سیاہِ آرزو
شامِ غم میں نورِ صبحِ عید بنکر آئیے — بجلیوں کی منتظر ہے جلوہ گاہِ آرزو

دیکھئے گستاخیِ چشمِ تمنا دیکھئے — بیدھڑک حاضر ہوں مرقد پر۔ جگانے کیلئے
لائیے تشریف حجرے سے۔ تماشا دیکھئے — دل کے ٹکڑے ڈھونڈلایا ہوں چڑھانے کیلئے

ہیں انہیں ٹکڑوں میں خونِ آرزو کی چھٹکیاں — رہ گئی ہیں جم جما کر سوزشِ فریاد سے
درد نے کچھ ایسی بیدردی سے لی ہیں چٹکیاں — بھر گئی حسرت لہو ہو کر دلِ ناشاد سے

دیجئے دل کی دوا ممنونِ درماں کیجئے — ہے مرادِ دستِ طلب پھیلا ہوا۔ کیا دیر ہے
گل بداماں کیا مجھے گلشن بداماں کیجئے — ورنہ میں ہوں، جوششِ وحشت ہے اور اجمیر ہے

شہنشاہوں کی پیشانیاں اجمیری چوکھٹ پر

ازمولانا سعید احمد صاحب مارہروی

۷۷۰ برس چھ ماہ کا زمانہ گزرا کہ دسویں محرم ۵۶۱ھ کو ظلمات راجپوتانہ میں آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ یعنے حضرت خواجۂ خواجگاں معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز نے اجمیر میں رونق افروز ہوکر اُسے اشاعت اسلام کا مرکز اور خیر و برکت کا شہر بنادیا۔ جسے ابتک نہ صرف مسلمان بلکہ کروڑوں ہندو بھی اجمیر شریف کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور

ہندوستان کا سب سے بڑا مقدس شہر سمجھتے ہیں۔

خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کے وقت اجمیر میں راجہ پرتھی راج راٹھورہ کی عملداری تھی۔ حضور کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے چند ہی مدت بعد یعنے ۵۸۸ھ میں شمالی ہندوستان اور اجمیر شریف میں توحید کی پھریرا اُڑنے لگا۔ روز تشریف آوری سے ۴۳ سال تک حضور کی ذات بابرکات سے فیض صوری و معنوی جاری رہا۔ ۶ رجب ۶۳۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ اُسوقت سے ابتک مزار مبارک مرجع خاص و عام چلا آتا ہے۔

ابتدائی اسلامی زمانہ میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ غلام۔ خلجی تغلق۔ سیّد۔ پٹھان خاندان تھوڑی تھوڑی مدت حکمرانی کرتے رہے۔ اُس زمانہ میں اجمیر شریف میں زیادہ تر راجپوتوں کا زور رہا۔ اُس عہد کے تاریخی حالات ہماری لاعلمی کے پردہ میں ہیں۔ سب سے اوّل ۸۵۹ھ میں مالوہ کے سب سے مشہور اور بہادر سلطان محمود خلجی کو ایک عرضداشت سے معلوم ہوا کہ ممالک ہندوستان میں آفتاب اسلام اجمیر شریف سے طلوع ہوا تھا۔ اور جناب خواجۂ بزرگوار اُسی مقدس شہر میں آسودہ ہیں۔ لیکن اس بابرکت مقام پر مدّت سے راجپوتوں کا قبضہ ہے اسلام کا نشان باقی نہیں رہا۔ یہ حال سُنتے ہی بادشاہ بیتاب ہوگیا اور اُسی دن مع فوج کے دارالسلطنت مانڈو سے اجمیر شریف کی طرف کوچ کر دیا۔ اور متواتر کوچ کرتا ہوا اجمیر شریف آپہنچا۔ اور آستانۂ عالی پر حاضر ہوکر روح پُر فتوح خواجۂ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے امداد کا طالب ہوا۔ ہندوستان میں غالباً یہ پہلا بادشاہ تھا۔ جو شہنشاہ اجمیری کے دربار میں حاضر ہوا۔ گجادھر قلعہ دار اجمیر نے سلطان کا مقابلہ کیا جو لڑائی میں مارا گیا۔ اور قلعہ اور شہر پر مدت کے بعد اسلام کا قبضہ ہوا۔ سلطان محمود خلجی مانڈوی فتح کے بعد دوبارہ مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ اور بعد طواف فاتحہ خادمان و مستحقین درگاہ شریف کو مالا مال کر دیا۔ اور مزار کے قریب مسجد جواب صندل خانہ کے نام سے موسوم ہے اور بلند دروازہ وغیرہ چند عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اسکے بعد سلاطین مانڈو (مالوہ) برابر درگاہ کی عمارت میں اضافہ کرتے رہے۔ سلطان محمود خلجی اور اُسکے بیٹے سلطان غیاث الدین کو جناب خواجہ بزرگوار

کے مزار مبارک اور اولاد سے خاص عقیدت رہی۔ چنانچہ سلطان محمود نے شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ابن خواجہ معین الدین حسن رح ابن شیخ حسام الدین سوختہ رح ابن خواجہ فخر الدین محمد رح فرزند کلاں خواجہ بزرگوار رح کو جو اجمیر شریف سے مانڈو تشریف لے گئے تھے زمانۂ شباب ہی میں بارہ ہزار سواروں کا افسر مقرر کر کے خطاب چشت خوانی سے مفتخر کیا۔ آپ کے بعد جب شیخ بایزید بزرگ رح ابن شیخ قیام الدین رح ابن شیخ حسام الدین سوختہ رح جو کمالات باطنی کے ساتھ علوم ظاہری سے بھی موصوف تھے تشریف لائے تو آپ کو بھی چشت خوانی خطاب سے مفتخر کر کے اجمیر شریف کی حکومت مرحمت فرمائی۔

اکبر کو قوالی سُنکر عقیدت پیدا ہوئی

مغلیہ عہد میں سب اوّل شہنشاہ اکبر کو خواجۂ بزرگوار سے عقیدت پیدا ہوئی شہنشاہ موصوف کی عقیدت کے حالات اسقدر مشہور ہیں کہ اس مختصر مضمون میں نہ اُنکے بیان کی گنجائش ہے نہ ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ صرف اس عقیدت کے پیدا ہونے کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔ ابتدائی زمانۂ سلطنت میں ایک دن اکبر گھوڑے پر سوار موضع مڈھاکر (آگرہ اور فتحپور سیکری کے درمیان لب سڑک ایک موضع ہے) سے گزر رہے تھے راستہ میں قوال خواجہ غریب نواز رح کے مناقب گا رہے تھے۔ بادشاہ نے گھوڑا کھڑا کرلیا۔ دیر تک قوالی سُنتے رہے۔ اُسی وقت دریائے عقیدت نے جوش مارا اور اجمیر شریف روانہ ہو گئے۔ اُسدن سے برابر عقیدت بڑھتی گئی۔ بیسیوں مرتبہ دربار عالی میں حاضر ہوئے۔ آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ سفر کئے۔ ہر منزل پر مینار۔ چاہ اور محلات تعمیر کرائے۔ باغات لگوائے۔ اجمیر شریف کو چند ہی مدت میں عالیشان شہر بنا دیا۔ درگاہ شریف میں رفیع الشان عمارتیں تعمیر کراتیں۔ فتح چتوڑ کی یادگار میں دیگ کلاں چڑھائی۔ ہر وقت یا ہادی یا معین کا وظیفہ ورد زباں رہنے لگا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جسدن سے عقیدہ پیدا ہوا فتوحات کا دائرہ برابر وسیع ہوتا گیا۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ عقیدت میں زیادتی ہوتی گئی۔

جہانگیر خواجہ کا گوڑیا غلام بنا

جہانگیر بادشاہ کو جناب خواجہؒ کے روضۂ اقدس سے خاص اعتقاد تھا۔ اپنی تُوزک میں بواقعات ۳ جلوس بوقت روانگی اجمیر شریف لکھا ہے "دریں عزیمت دو چیز منظورِ خاطر بود اول زیارت روضۂ منورہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کہ از برکاتِ رُوح پُرفتوح کشائشہائے بزرگ پایۂ دوماں والا رسید و بعد از جلوس زیارت مرقد بزرگوار ایشاں میسر نگشتہ بود . . . . . ." جب اجمیر شریف ایک کوس رہا بادشاہ پاپیادہ ہو گئے۔ اور وہیں سے فقرا کو خیرات تقسیم کراتے ہوئے روضہ منورہ پر حاضر ہوئے اور بعد طواف و زیارت دولت خانہ پر تشریف لائے تاکہ ہر ایک کو حسب حال نذر و نیاز اور انعام و اکرام سے خوشنود کیا جائے۔ پانچ دن کم تین برس تک اجمیر شریف میں بادشاہ کا قیام رہا۔ اس عرصہ میں نو مرتبہ روضۂ منورہ کی زیارت کی۔ آگرہ میں جو دیگ تیار کرائی تھی وہ چڑھائی اور اُس میں فقرا اور مساکین کیواسطے کھانا پکوا کر اپنے روبرو کھلوایا۔ پانچہزار آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ بعد فراغ طعام بادشاہ نے ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے زر نقد دیکر رخصت کیا۔ انہی ایام قیام میں ایک مرتبہ بادشاہ کی طبیعت ناساز ہوئی اور بعد صحت حلقہ بگوشی کی دلچسپ منّت ادا کی گئی جسکا مختصر بیان خود جہانگیر کی زبان میں تحریر کیا جاتا ہے "در بیماری بخاطر گزرانیدہ بودم کہ چوں صحتِ کامل روزی گردد چنانچہ در باطن از حلقہ بگوشان و معتقدان خواجہ بزرگوارم و توجہ ایشاں را سبب وجود خود میدانم ظاہرا نیز گوشِ خود را سوراخ نمودہ در ہر گوشے یک دانۂ مروارید آبدار درکشیدم۔ چوں ایں معنی مشاہدۂ بندگانِ درگاہ و مخلصان ہوا خواہ گشت چہ جمعے کہ در حضور و بر خے کہ در سرحدہا بودند۔ ہمہ بتلاش و مبالغہ گوشہائے خود را بدر ولا لے کہ در جواہر خانۂ خاص بود و بدیشاں مرحمت می شد زینت بخشِ حسن اخلاص گشتند تا آنکہ رفتہ رفتہ سرایت باحد و سائر مردم نمود۔" جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کے صرف سے ایک طلائی مجحر تیار کرا کر مزار مبارک پر نصب کرایا تھا۔ جو اب باقی نہیں رہا۔

شاہجہاں کا پیدل چلنا

شاہجہاں بادشاہ قبل جلوس اور بعد جلوس کئی مرتبہ آستانۂ عالی پر پیادہ پا حاضر ہوا اور ہر مرتبہ خیرات و مبرات اور نذر و نیاز سے مستحقین کو مالا مال کر دیا اور روضۂ منورہ کے پاس سنگ مرمر کی عالیشان و خوشنما جامع مسجد تعمیر کرائی جو سب سے پہلی شاہجہانی تعمیر اور درگاہ شریف کی بہترین نورانی عمارت ہے۔

عالمگیر کی پیادہ پائی

اورنگ زیب (عالمگیر) بھی اپنے ایام سلطنت میں تین چار مرتبہ پیادہ پا مزار مبارک خواجہ بزرگوارؒ پر حاضر ہوا۔ ۲۹ شعبان سنہ ۱۰۹۰ھ کو زیارت روضۂ مقدسہ کے بعد پانچہزار روپیہ نذر گزرانا۔

جہاں آرا بیگم نے پلکوں سے جھاڑو دی

خواتین مغلیہ میں شاہزادی جہاں آرا بیگم بنت کلاں شاہجہاں بادشاہ کو خواجہ بزرگوارؒ سے ازحد عقیدت تھی۔ اُنھوں نے اپنی کتاب مونس الارواح کے آخر میں جو خواجگان چشت اہل بہشت کے حال میں ہے اپنے سفر اجمیر شریف کا مختصر حال قلمبند کیا ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ ۱۸ شعبان سنہ ۵۳ھ کو والد بزرگوار کے ساتھ اکبر آباد سے اجمیر شریف روانہ ہوئی اور ۷ رمضان سنہ ۱۰۵۳ھ کو وہاں پہنچی۔ اس عرصہ میں معمول رہا کہ ہر منزل پر روزانہ دو رکعت نماز نفل ادا کر کے سورۂ یٰسین اور سورہ فاتحہ کمال اخلاص و عقیدتمندی سے پڑھ کر ثواب اُسکا خواجہ بزرگوار کی روح کو پہنچاتی رہی۔ چند روز تک عمارت لب تال آنا ساگر پر قیام رہا۔ اس عرصہ میں ادب و تعظیم کے خیال سے پلنگ پر نہیں سوئی۔ نہ روزۂ متبرکہ کی طرف پاؤں دراز کئے نہ پُشت کی۔ آنحضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے اثر فیض سے خاص ذوق پیدا ہوا۔ جمعرات کے دن بہار رمضان کو زیارت مرقد منورہ حضرت پیر دستگیر کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک پہر دن باقی رہا تھا کہ روضۂ منورہ میں حاضر ہو کر گنبد شریف میں داخل ہوئی۔ سات مرتبہ مزار مبارک کا

طواف کیا - اپنی پلکوں سے جھاڑو دی - مزار کی خاک پاک خوشبو دار توتیائے چشم بنایا - اُسوقت ایسی حالت اور ذوق پیدا ہوا کہ تحریر میں نہیں آسکتا - الیا شوق وذوق طاری تھا کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں - آخر کار مزار مبارک پر اپنے ہاتھ سے عطر مل کر پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی ڈالی - اسکے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والد بزرگوار نے دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرف سے تعمیر کرائی ہے نماز ادا کی اور پھر داخل گنبد ہو کر سورۃ یٰسین اور سورہ فاتحہ پڑھی اور مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہ کر چھارہ کے پانی سے روزہ افطار کیا - اگرچہ اس مقام متبرک اور پُر فیض سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا مگر مجبور تھی - اگر خود مختار ہوتی ہمیشہ روضۂ منورہ میں کہ عجب گوشۂ عافیت ہے اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں بسر کرتی اور ہمیشہ سعادت طواف سے مشرف ہوتی - مگر کیا کروں مجبور ہوں - بادل بریاں وچشم گریاں درگاہ سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر آئی - تمام رات بے قراری میں گزری - صبح کو کہ جمعہ کا دن تھا - والد بزرگوار کے ساتھ اکبر آباد کو کوچ کیا "

مزار مبارک کے نقرئی محجر اور خوشنما بیگی دالان شاہزادی جہاں آرا بیگم کے حسن عقیدت کی یادگار ہے - درگاہ شریف کے جملہ خدام - حافظ - خطیب - مولود خواں فراش - باورچی وغیرہ سب شاہزادی جہاں آرا بیگم کے ملازمین کی اولاد میں ہیں جو نسلاً بعد نسل اُسی وقت سے اپنے اپنے کار خدمت پر مامور چلے آتے ہیں -

ہندو راجاؤں کی عقیدت

راجپوتانہ کے تمام ہندو راجہ مہاراجہ اور مرہٹہ سردار مسلمانوں سے زیادہ اس درگاہ عالی کی وقعت کرتے رہے اور اب تک نہایت ادب وتعظیم سے حاضر ہوتے ہیں - مرہٹوں کی عملداری میں شہر کی تمام طوائفوں کو حکم تھا کہ جمعرات کے دن بلا ناغہ درگاہ میں حاضر ہو کر مجرا کیا کریں -

عرس کے موجودہ جماؤ کو علی العموم ریل کی موجودگی اور سفر کی آسانیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے - اسکے متعلق اکبر و جہانگیر کے عہد کا ایک مورخ لکھتا ہے

۶ رجب ۶۳۳ھ کو شنبہ کے دن آپ نے (خواجہ بزرگوار رح) عالمِ آخرت کی طرف کوچ فرمایا۔ اجمیر میں خوابگاہ تیار ہوئی۔ آج اُسکی عمارت نہایت عالیشان ہے اور ہر سال گروہ کے گروہ ہر ایک ملک سے آکر جمع ہوتے ہیں۔ اور جسقدر مشائخ چشت ہند میں مدفون ہیں سب اپنی خلافت کے سلسلہ کو حضرت خواجہ تک منتہی کرتے تھے قدس اسرارہم۔

خواجہ کا روحانی پیام

ایک ایم۔ اے پاس پروفیسر کے قلم سے

مسلم ذلت پسند اے ہستیٔ غفلت شعار — اے تجاہل کیش ایماں سوز۔ دُنیا پرستار
اے جفا پرور۔ وفاکش۔ اے فنائے انتظار — اے حریفِ بختِ طاغوت۔ اے فدائے افتخار
اے رہینِ منتِ باطل کہ دادت روزگار
شہرتِ گمنام معنی۔ عزتِ ذلت مدار
تھا زا جب کار فرمایانِ عالم میں شمار — جب تری کاوش کی قیمت تھا فقط انجامِ کار
تھا مئے یثرب کا جبتک تیری آنکھوں میں خمار — رونقِ ہستی نہ تھا جبتک خمارِ مستعار
کیا اسی صورت پہ رہتا تھا ترا صبر و قرار؟
تھا یہی دستور یہ شیوہ یہی تیرا وقار؟
شرحِ تالیفِ فساد و معنیٔ عالم تھا تو — روحِ گیتی۔ جانِ تکویں۔ عشوۂ انجم تھا تو
غایت آموزِ محبت پاسدارِ غم تھا تو — "حق" سے یہ جہاں تھا گر تو اسکا دم تھا تو
حاصلِ درد و ذبیح و سوزِ ابراہیم تھا
ہستیٔ آدم کا یعنی تو سرِ تسلیم تھا
پاسبانِ بیکسی۔ ماوائے بے دستی تھا تو — تھا زمانہ پست علو آموزِ ہر پستی تھا تو
قالبِ کون و مکاں میں جوہرِ ہستی تھا تو — سازِ ہیجانِ بقا کا نغمۂ مستی تھا تو
رونق آموزِ جہاں۔ آئین تری محفل کا تھا
ایک دُنیا میں اُجالا تیری شمعِ دل کا تھا

تھا جہاں ذلت پسند اور پیکرِ عزت تھا تو   حریت کی جاں تھا اور ہیکلِ عظمت تھا تو
میلِ استر کا ز عدواں کے لئے ہیبت تھا تو   انکشافِ رازِ فطرت کیلئے قدرت تھا تو

گوشمالِ دہر تیرا رات دن کا کام تھا
رستم و ہر قتل سے بڑھ کر عام تیرا نام تھا

عرصۂ عالم تری ہمت کی جولانگاہ تھا   تھا قدم رکتا نہ تیرے توسنِ تدبیر کا
پاسبانِ ننگ ہستی یعنی پیمانِ وفا   تخت و تختہ پر تھا دائم مایۂ نازش ترا

قیصر و کسریٰ کی گردن تیرا پا انداز تھی
تو فروغِ حق تھا ہمت تیری سامان ساز تھی

تھے غلط کار انس و جاں اور تو ادب آموز تھا   چارہ سازِ دردِ عالم ایک تیرا بس سوز تھا
تیرا مرنا تیرے ایماں کا حیات افروز تھا   اپنے ظاہر کے فنا سے تو بقا اندوز تھا

تو سراپا درد تھا اور درد کا درماں تھا درد
تھا فنائے عشق تو اور عشق کا فرماں تھا درد

آج حاصل تیری رسوائی کا سب برباد ہے   تجھکو اس پر بھی نہیں غیرت کہ دشمن شاد ہے
رسمِ الفت کی بھی پابندی تجھے کچھ یاد ہے   آج ننگِ عشق تیرے ہاتھ سے برباد ہے

ایکہ سودائے محبت د البر انداختی
بو العجب چوں امتحاں آمد سپر انداختی

ایکہ صرفِ کفر و عدوان است ننگ و نام تو   خندہ ہائے بغی و طغیان است بر اسلام تو
تو بخواب و کار رفت از دست حسرت کام تو   عار آغاز تو دارد از چنیں انجام تو

ایں ہمہ خمخانہ برباد است مستاں را چہ شد
مایۂ آرام جاں سوز و حریفاں را چہ شد

فتنۂ طاغوت سے کیوں اسقدر مرعوب ہے   زندگی کی دلفریبی کیوں تجھے مطلوب ہے
اسکا جینا خاک جسکو زندگی مرغوب ہے   زندگی ہے موت قبل الموت گر محبوب ہے

شمع کشتہ رونقِ محفل شبِ دیگر شود
وآنکہ ناکشتہ است نقدِ جاں را ضائع کند

خود فروش۔ ای حق فراموش اپنی اصلیت کو دیکھ   بخت برگشتہ کو دیکھ اور دل کی کیفیت کو دیکھ

لطفہائے دردِ دیرینہ کی نوعیت کو دیکھ اپنی اس معمورۂ عالم میں حیثیت کو دیکھ
جلوۂ ہستی تراپا بند آب و گل نہیں
حسنِ لیلیٰ کچھ رہینِ منت محمل نہیں

خواجہ کی سرکار میں عرضِ حال

(از مولانا مولوی سید نواب علی صاحب ایم۔ اے پروفیسر بڑودہ کالج)

زندہ قوموں کے مُردے بھی زندہ رہتے ہیں۔ اُن کی سالانہ یادگار کے جلسے ایسے مفید اور سود مند طریقے سے ہوتے ہیں جنسے ان کی ترقی کی روح تازہ رہتی ہے لیکن ایک ہم ہیں جنھوں نے اپنے زندۂ جاوید بزرگوں کو بھی مُردہ بنا رکھا ہے۔

عرس کیا ہے؟ کسی بزرگ کی سالانہ یادگار کی محفل جس میں اُسکے متبعین اُسکے اوصاف کی حالی یا قالی مذکور سے متاثر ہوکر کسبِ فیض کر سکیں۔ لیکن جن طریقوں سے یہ مقدس یادگار قائم رکھی جاتی ہے اُن سے یہ مفید نتیجہ نکلنا کیا معنی خود اس بزرگ کی توہین ہوتی ہے۔ ہندوستان میں سب سے بڑا عرس حضرت خواجہ اجمیری کا ہوتا ہے جس میں مختلف طریقوں کے ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے کتنے نفوس ہیں جنھوں نے آپ کی سیرت کے نمایاں اوصاف پر کبھی بھولے سے بھی غور کیا ہوگا۔ عرس کے اختتام پر جب لوگوں سے سُنا تو یہی سُنا کہ "آہے وا" کی بزم آرائیاں اور منت کی دیگوں کی گرمجوشیاں مزے لے لیکر بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ خود فراموش اصل حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہوں نہ سہی۔ خواجہ! آپ کیوں خاموش ہیں؟ فرمائیے آپ نے اپنے وطن سیستان کو خیرباد کہکر غربت کیوں اختیار فرمائی۔ بلادِ اسلامیہ کے امن و سکون پر کفرستان کے مصائب اور خطرات کو کیوں ترجیح دی پنجاب کے پُر فضا مقامات کے عوض اجمیر کی خشک پہاڑیوں کو کیوں پسند کیا۔

رائے پتھورا نے آپ کو کوئی جاگیر تو دی نہ تھی کہ چپکے بیٹھ کر یادِ خدا میں مصروف رہیے۔ سلطان محمد غوری نے آجکل کے مغربی طریقۂ حصولِ سلطنت کے طور پر آپ کو مشنری بنا کر تو بھیجا نہ تھا۔ پھر فرمائیے کہ آخر یہ معاملہ کیا تھا۔ کیا تبلیغ دین کا

یہی طریقہ ہے اور کیا " جہاد اکبر" یوں ہی ہوتا ہے؟ مگر نہیں اس زمانہ میں تو ہم پہلے اخباروں میں چھپوا دیتے ہیں تب کہیں جاپان یا یورپ جانے کا نام لیتے ہیں اور وہ بھی " جنت نگاہ" اور " فردوس گوش" کی تمنا میں اور اگر اسقدر ہمت نہوئی تو پھر یہیں سے بیٹھے بیٹھے دھواں دھار تقریریں اور لمبے چوڑے مضامین لکھ لکھ کر اخباروں اور رسالوں کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر دیتے ہیں۔ یا پھر یہ کرتے ہیں کہ کپڑے رنگے ہوئے ہو حق کے نعرے لگاتے ہوئے اور شیخ وقت بنے ہوئے کبھی دکن کبھی گجرات غرضکہ جہاں موقع ملا مرہٹوں کی طرح چوتھ یعنی درویشی ٹکس وصول کرتے پھرتے ہیں مگر ؎

نرسم کہ حرفۂ نبرد روزمار خواست
نان حلال شیخ بر آبِ حرام ما

سلطان الہند! اب آپ سے ہماری یہ التجا ہے کہ اپنے آستانہ کے زائرین کو تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سچے جوش کا روحانی فیض عطا فرمایئے اور سجادہ نشینوں اور مشائخین کو سمجھایئے کہ وہ اپنے قدح کی خیر کبتک منائینگے۔ اُٹھیں اور آپ کے نقش قدم پر چلکر خالصاً لوجہ اللہ خدمت دین کے واسطے کمربستہ ہو جائیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا میکرد

خود را فروختیم چہ ارزاں فروختیم

(از مولانا غلام قادر صاحب گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن)

ماخویش را بہ نیم نظر ہاں فروختیم
خود را فروختیم چہ ارزاں فروختیم

ما سبحۂ ز رشتۂ زنار ساختیم
ایماں بہ کفر کفر بہ ایماں فروختیم

دیوانگی نبود بلا سنج استیانہ
داماں بہ جیب و جیب بداماں فروختیم

قانون عقل نسخۂ ایماں کتاب ہوش
در امتحانِ چشم سخنداں فروختیم

مار البشہر مرگ تپیدست بر سنج
مابے کسی بگور غریباں فروختیم

شورے رسد زگور زلیخا کہ اے عزیز
ما زندگی بگوشۂ زنداں فروختیم

ہر پردہائے اشک چہ دریا نہفتہ ایم — طوفاں بقطرہ قطرہ بطوفاں فروختیم
گل گرد نوبہار و جنوں پردہ بردرید — چاک جگر بچاک گریباں فروختیم
شورِ ہوس نداشت گرامی دماغ فقر
دستے بجیب و پائے بداماں فروختیم

کیکر کے پھول

ازمولانا شفق عمادپوری

کل توحید کا نمبر مورخہ ۱۹ شعبان ملا - آج آپ کی ایک نثر سے کچھ مضمون مستعار لئے اور کچھ اپنی طرف سے ملاکر ایک برائے نام نظم لکھ لی جو ملفوف ہذا ہے توحید کے گلدستۂ نظم میں پھولوں کے ساتھ یہ کانٹے بھی رہیں -

اے سنہرے نرم نازک پیارے پیارے زرد پھول — چین آیا کس طرح کانٹوں کے بستر پر تمہیں
ہلکے ہلکے زعفرانی رنگ سارے زرد پھول — نازنیں ایسے تھے سب دیتے جگہ سر پر تمہیں
موتیا بیلا ہزارا کامنی جوہی گلاب
سب سے تم رنگ طلائی میں ہو اپنے لاجواب
جتنے گل ہیں اُن سے ہے صحنِ گلستاں کی بہار — تم پہ فیضانِ صبا ہی کچھ نہ احسانِ چمن
دشت کی ہے تم سے آرائش بیاباں کی بہار — تم نہیں منت کشِ جوئے خیابانِ چمن
حضرتِ انساں کے ناقص دستکاری سے بری
تم میں دستِ صانعِ مطلق کی ہے صنعت گری
اور ہیں وہ گل جو وقفِ دستِ گلچیں ہیں یہاں — تم وہ ہو رکھتا نہیں تم پر اجارا باغباں
اور ہیں وہ گل سجی جاتی ہیں جنسے ڈالیاں — نخل بندِ گلشنِ عالم تمہارا باغباں
تم نے پیدا بن میں بھی سامانِ تزئیں کر دیا
دامنِ کہسار کو بھی فرشِ زرّیں کر دیا
پھول جتنے ہیں وہ مرجھاتے ہیں اکثر دھوپ میں — تم کو دامن میں لئے رہتا ہے دن بھر آفتاب
سوکھ کر ہو جاتے ہیں کانٹا گلِ تر دھوپ میں — بنتی ہے بسترِ زمینِ گرم جا در آفتاب
فرق اس پر بھی نہیں آتا بسنتی روپ میں

اور گرما کر نکھرتے ہو لہکتی دھوپ میں

لیک سے اک حسن کی رنگت کا ہر گل میں ظہور — یاد آجاتا ہے نقشہ عاشقِ بیمار کا

زرد چہروں پر تمہارے عشق کا چھایا ہی نور — کھینچ دیتے ہو مرقع عشق کے آزار کا

لالۂ و نسرین و گل سب کے ہیں جسمانی لباس

تم ہوئے بن باس پہنے بن دیں روحانی لباس

بیان اکبر

(از خان بہادر مولانا مولوی سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آبادی)

اک زمانہ تھا کہ مجھکو اپنے دل پر ناز تھا — ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا

بزم ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاک — گو حوادث کے لیئے اک فرشِ پا انداز تھا

میرے ہر اندیشۂ مضطر کا تھا وہ غم گسار — ہر نفس میرے لیئے وہ گوش بر آواز تھا

انقلاب دہر سے بے اعتنائی تھی اُسے — اسمیں حسرت آفرینی تھی تو وہ طناز تھا

پیش آیا ناگہاں اک وہ فراقِ روح سوز

برقِ بیتابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا

اب وہی آرام جاں اک زخمِ پہلو ہوگیا — کیا یہی وہ دل ہے اکبر مجکو جسپر ناز تھا

ہاں وہی دل ہے۔ کہیگا تجھسے اک دن ناز سے

تیرا صدمہ خوبی انجام کا آغاز تھا

جو تپش فرقت میں ہے یہ بھی ہے حکم خدا — جس سے فرقت ہوگئی وہ بھی خدا کا راز تھا

ایک یہ غم کہ دل زار کو آرام نہیں

اُسپہ یہ غم کہ سوا غم کے کوئی کام نہیں

اثر اسکا ہے کہ ہم بادۂ وحدت کے مستوں پر — عدو نے فتح پائی ہے تو تم سے بُت پرستوں پر

خدا کی ہستی کو یاد رکھنا اور اپنی ہستی کو بھول جانا — اسی سے مطلب ہے اور باتوں کو مینے بالکل فضول جانا

جہان فانی کی انجمن میں یہی تسلسل ہمیشہ دیکھا — امید کے ساتھ شاد آنا اٹھا کے صدمے ملول جانا

جو چاہتا ہے زمیں کو لالہ زار کرے — برائے سعی وہ موسم کا انتظار کرے

چند مومن بھی اسیرِ زلفِ دُنیا ہو گئے — چاندنی تو ہے مگر لپٹی ہوئی ہے ابر میں

ہاتا پائی شاہِ مغرب سے ہم کرتے نہیں — بابو دن ہی کو مزا ہے بوسۂ بالجبر میں
بڑی رغبت سے ہم تقلید کے پھندوں میں پھنستے ہیں — فرشتے منہ چھپاتے ہیں تو صاحب لوگ ہنستے ہیں

جوتے کا سفر

از جناب سید یوسف حسین صاحب نظامی عرف شہزادہ قدسی نظامی

گو ظاہر میں سفر آدمی کرتا ہے لیکن درحقیقت غور کرو تو ایک چیز ہے جس پر انسان کے سفر کا دار مدار ہے اور وہ اُسکی جوتی ہے - یہاں جوتی کا لفظ اگر کم حیثیت معلوم ہو تو جوتا کہہ دیجیے بوٹ کہہ دیجیے - اگر آپ ولایت کے بنے ہوئے ایک بوٹ پر غور کریں - جسکو آپ نے ہندوستان میں خریدا تھا اور اب پہن کر یورپ کے سفر کو جا رہے ہیں تو آپ کو اپنے جوتے کی مسافرت پر رشک آنے لگے - کیونکہ اس ولایتی بوٹ نے آپ کے پاؤں میں آنے سے پہلے بڑے بڑے سفر کئے ہیں - ایک وقت میں یہ بوٹ کسی ہندوستانی جانور کی پیٹھ پر سوار تھا یا اُسکے جسم کا حصہ تھا وہ جانور روز صبح کو جنگل جاتا اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دن بھر سفر کی گردش میں مصروف رہتا تھا - اگر اُسکی تمام زندگی کی روزانہ گردشوں کا حساب لگایا جائے تو آپ کے سفر یورپ سے دُگنی مسافت اُسکے حصہ میں آئے گی - جب یہ جانور مر گیا یا مار ڈالا گیا تو اُسکا چمڑا ریل میں سوار ہو کر بمبئی - کراچی یا کلکتہ پہنچایا گیا اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر سمندروں کو طے کرتا ہوا یورپ میں داخل ہوا - وہاں اس بیچارے کو مختلف امتحانات دینے پڑے - جوش دیا گیا - کھینچا گیا - رنگائی ہوئی - کاٹ چھانٹ اور ترشائی ہوئی - مشینوں کی سوئیوں نے اسکو سیا اور پالش سے آراستہ کر کے بکس میں بند کیا اور پھر ہندوستان واپس گیا - گویا آپ کا بوٹ چمڑے کی شکل میں ولایت گیا اور معقول خوشنما صورت میں ہندوستان واپس آیا - یہاں آ کر بمبئی - کلکتہ - دہلی - لاہور - بھوپال حیدرآباد غرض جہاں جہاں اُسکی قسمت میں جانا لکھا تھا سفر کرتا رہا - اسکے بعد آج آپ نے خریدا اور اپنے پاؤں میں پہنا اور اب یہ پھر آپ کے ساتھ یورپ کے سفر کو جاتا ہے - اور آپ سے کہتا ہے کہ یاد رکھو کہ میں چمڑا تھا - ولایت جا کر بوٹ بن گیا آپ

دیسی ہیں ولایت جاکر آپ کو بھی ولایتی آدمی بن جانا چاہئے تاکہ سفر کا کچھ نتیجہ نکلے۔

خیر یہ تو استعارات کے اشارے ہیں ظاہری حالات پر نظر توجہ ڈالیں تو ہمارے وہ تمام سفر جنکو وسیلۃ الظفر کا خطاب دیا جاتا ہے ہمارے جوتے پر منحصر ہیں۔ جس زمانہ میں اہل عرب نے فتوحات کے سفر کے لئے کوچ کیا ہے اُنکے پیروں میں سالم جوتیاں تک نہ تھیں مگر اللہ تعالےٰ نے سفر کی کوششوں کی برکت سے اُن کو زرّیں نعلینیں عنایت فرمائیں۔ اگلے زمانہ میں جبکہ ریل جہاز موٹر ٹرام گاڑیاں نہ تھیں اور نہ سڑکوں کا کچھ اچھا انتظام تھا۔ اُسوقت کی مسافرت میں جوتے کو بہت بڑا دخل تھا۔ ابتو جُوتہ آدمی کا شریک فیشن ہے سارے جہان میں سفر کر آئیے مگر تلے میں چار ذرّے خاک کے نہ لگنے پائینگے۔ کیونکہ وہ ریل۔ جہاز۔ موٹر۔ بائیسکل۔ ٹرام کی گردن پر سوار رہتا ہے۔ گویا اس زمانے میں مسافروں کا جُوتہ یہ بوٹ نہیں ہے بلکہ مذکورہ سواریاں ہیں۔

انسان خود اپنے وجود کو دیکھے تو معلوم ہوگا کہ وہ مسافر روح کا چرمی بُوٹ ہے۔ روح مقامات اعلیٰ سے سیر و سیاحت کرتی ہوئی دُنیا میں آئی۔ اور یہاں اُسنے آدمی کے جسم کا چرمی بُوٹ پہن لیا۔

کچھ دن اسکو پہنکر چمن دہر کی گلگشت میں مصروف رہی۔ جب من بھر گیا تو اس جوتی کو اُتار پھر مقام بالا کے سفر کو سدھار گئی۔ جناب انسان اپنی ہستی کا خیال کریں۔ ناحق اکڑتے ہیں۔ غرور کرتے ہیں۔ انکی حیثیت معمولی چمڑے کی نعلین سے زیادہ نہیں ہے۔

اللہ میاں کے نام خط

(از شہزادہ قدسی صاحب نظامی)

سردی کا موسم رات کے دس بجے۔ لئیق جسکی عمر آٹھ سال کی ہوگی اپنی ماں کے پاس پلنگ پر لحاف اوڑھے ہوئے لیٹا تھا۔ لئیق کے والد کا انتقال ہوئے ایک سال سے زائد عرصہ گزرا ہوگا۔

لئیق۔ اماں ابا جان کہاں گئے۔

ماں۔ اللہ میاں کے یہاں گئے ہیں۔

لئیق :- اللہ میاں کہاں رہتے ہیں -
ماں :- آسمان پر رہتے ہیں -
لئیق :- ابّا جان بھی آسمان پر گئے ہونگے -
ماں - ہاں وہ بھی آسمان پر گئے ہیں - جنّت میں رہتے ہیں -
لئیق - دیکھو اماں - جب سے ابّا میاں گئے ہیں - مجھے چائے نہیں ملی - ابّا جان روز چائے بسکٹ کھلاتے پلاتے تھے - اب میں کتنا دُبلا ہوگیا ہوں -
ماں - (ٹھنڈا سانس بھر کر) بیٹا میں کیا کروں مجبور ہوں - کپڑے سی سی کر گزارہ کرتی ہوں - اللہ میاں سے دعا کرو کہ وہ تمہیں پڑھا لکھا کر ہوشیار کرے - تم بڑے ہو کر کہیں نوکر چاکر ہو جاؤ - تمہاری شادی کر دوں - ننھی مُنّی سی دُلہن لاؤں پھر میں آرام سے بیٹھوں اور تمہیں خوش حال دیکھ کر خوش ہوں -
لئیق :- اچھا اماں - کل اللہ میاں کو خط لکھوں گا -
لئیق پڑھنے لکھنے کا بڑا شوقین ہے - ذہین بھی ہے - صبح اُٹھ کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر لئیق نے اللہ میاں کو ایک خط لکھا - جسکا مضمون یہ تھا -

خط

جناب قبلہ و کعبہ اللہ میاں صاحب دام ظلکم - بعد سلام مسنون آنکہ جب سے آپنے میرے ابّا میاں کو بُلا لیا ہے - مجھے بہت تکلیف ہے - ابّا میاں مجھے روز چائے اور دودھ پلاتے تھے - بسکٹ کھلاتے تھے - آپ میرے ابّا میاں کو بھیج دیجئے یا میری چاء بسکٹ کا انتظام فرما دیجئے - اور آپ مجھے جلدی سے بڑا کر دیجئے تاکہ میں نوکر ہو کر اپنی اماں کی خدمت کروں - اُنہیں آجکل بڑی تکلیف ہے - روز مزدوری کے کپڑے سیتی ہیں - جس سے اُنکی اُنگلیاں زخمی ہوگئی ہیں - مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا - جواب سے بہت جلدی اطلاع دیجئے گا - زیادہ حد ادب -

آپکا خادم لئیق

لئیق نے مذکورہ مضمون ایک کارڈ پر لکھا اور اللہ میاں کا پتہ لکھ کر لیٹر بکس میں ڈالنے چلا گیا - لیٹر بکس چونکہ اونچا تھا - اسلئے ہاتھ اُسکے مُنہ تک نہ پہنچ سکا - اتفاق سے کوئی شریف اور رحمدل شخص اُدھر سے گزرا - اُسنے دیکھا کہ بچّے کا ہاتھ نہیں پہنچتا لئیق

سے کہا لاؤ یہ خط میں ڈالدوں۔ اُس شریف شخص نے جوں ہی خط ہاتھ میں لیکر دیکھا تو اُسپر پتہ لکھا تھا۔ بمقام آسمان بخدمت شریف جناب اللہ میاں صاحب دام ظلکم اُس شخص نے خط کو چپکے سے جیب میں رکھ لیا اور لئیق سے کہا میاں میں نے تمہارا خط لیٹر بکس میں ڈالدیا۔ اور لئیق سے اُسکے مکان کا پتہ پوچھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد گھر سے ہوکر لئیق کے مکان پر پہنچا اور اُسکی ماں کو پچیس روپئے دیکر کہا کہ اس بچّے کے لئے چا، اور بسکٹ کا اچھّی طرح انتظام کرنا اور جب یہ روپیہ خرچ ہو جائیں تو مجھ سے اور منگا لینا۔ اگر یہ پوچھے کہ یہ روپیہ کہاں سے آئے تو یہ کہدینا کہ اللہ میاں نے تمہارے خط کے جواب میں بھیجے ہیں۔

زندگی

(از جناب ابوالآزاد صاحب - خلیقی - دہلوی)

کافر عشقم مسلمانی مرادر کار نیست　　　　ہر رگ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

مضمون لفظی ترجمہ سے تو سمجھ لیا۔ مگر شرعی شرح تفہیم نے پیچیدگیاں پیدا کردیں۔ اے رگِ جاں سے قریب تر رہنے والے۔ تو ہی اس پُر از سوز و گداز نغمۂ وحدت کو سُنتا ہی سُن! ترنم ریز وحدت و حقیقت روح ساز ہستی پر خوش نوائی و خوش ادائی سے چھکنی، چھک!۔

پنجۂ نفس ذکر نشاط مخصوص سے حلقہ زن ہوتا ہے ہو۔ ہو تارہ! تارِ ہوا و حرص تارِ عنکبوت بن جائیں۔ اور زندگی کا ماخوذ اک اطہر ذات اک نورِ سیال شے ہو جائے تو اُس میں گُم وہ تجھ میں گم!!

ہر وہ مضمون اچھا جو مولا کی یاد پیدا کردے۔ ہر وہ سمجھ اچھی جو میں کون ہوں؟ سمجھنے کی حس عطا کردے۔ اسب سے بہتر مضمون اپنے آپ پر غور اور اوراقِ حیات کا مطالعہ کرنا ہے!!

بادی النظر میں سلسلہ حیات و ممات خلایق۔ اور انجام زیست و موت ایک پنج حرفی معمولی سا لفظ ہے مگر ذرا آنکھیں بند کرکے عقل دوربین سے دیکھا جائے تو

یہی حصول نیکی دارین ہے۔ اور یہی سبب ملامت و لعنت دُنیا ہے۔ یہی شہرت عام کا منبع اور یہی بدنامی دوام کا مرجع ہے۔ اگر انسان چشم بصیرت سے اوراق فلسفۂ حیات انسانی پر مطالعہ کرے تو وہ قدرت کی وہ حقیقی منشا جو ہماری آفرینش میں مضمر ہے بخوبی معلوم کر سکتا ہے۔ بمضمون خسرو علیہ الرحمۃ جو ہماری تحریر کا عنوان صدر ہے شاعر نے اُسی مقام سے لکھا ہے جہاں قیود زوائد ظاہری کا نام نہیں اہل رمز کو صلائے عام ہے!

زندگی

آہ اے حیات انسانی اور شعبدوں سے مملو زندگانی۔ اگر بہ نگاہِ عمق دیکھا تو تجھے ہزار ناپائدار خیالات کا فوٹو اور لاکھ نیرنگیوں کا نقشہ پایا!۔

آہ اے غفلت کی تاریکی میں بسر ہو جانیوالی زیست۔ آج کے عیش و طرب میں خوش اور کل کی مصیبت و انجام سے بے خبر عمر رفتہ مزید غور و خوض کے بعد اگر پایا تو تجھے اک تماشائے دگرگوں اور طلسم بوقلموں پایا!!

آہ اے نتیجہ سے بے خبر اور انجام سے مدہوش انسان دوران زمانہ حیات میں کیا کچھ بے غم ہو کے کارہائے نیک و بد کرتا رہا۔ حیات خضری سے وابستہ خیالات اور نخلِ طوبیٰ جیسے بلند ارادے جیتے جی دامنگیر رہے!!!

آہ اے گزرگاہ عمل نیک و بد اور اے منظر واقعاتِ رشک و حسد مجسم سہو و خطا سراپا نسیاں و عصیاں۔ تو اک گردشِ چشم۔ اک حباب آسا۔ اک عہد لغو۔ اک حرفِ غلط۔ اک گفتہ سخن۔ جیسی عمر پائے۔ مگر تصورات وہمی۔ اور تخیلات ذہنی کا مقراس دنیائے دوں میں وہ بلند ارفع بنائے کہ بلندی چرخ ہفتمیں بھی دو مٹھی نیچا رہے ہیچ است ہیچ۔ وہ بے ثبات شے جسپر ہماری تمام آرزوؤں و امیدوں کا کبھی نہ مٹنے والی سمجھ کر انحصار ہے۔ وہ زندگی کتنی ہے۔

خوش آغاز خیال اور ہمیشہ جینے والی امید انجام زندگی کچھ بھی نہیں۔ ناپاک جسد خاکی۔ ہزاروں اللہ آمینیوں کے سائۂ عاطفت میں ہوا۔ پلا۔ بڑھا۔ عہدِ طفلی کی بہار گلفشانی اُسکا خاتمہ۔ جوانی دیوانی شیطانی وسوسے۔ ختم شباب ضعیفی۔ انحطاط

قوار رخصتی کا پیام - اللہ اللہ - بھولے بھالے رہے - جبتک سبھی نے پیار کیا - معصومیت کی تصویر بنے رہے - کچھ بڑھے کسی خمارِ ابدی مست ایسے زمانے میں قدم دھرا - ہزاروں منہیات و معصیات کے پالے پڑے - نہ مرے - اگر کچھ اور جئے تو تجربہ اور واقفیت کا چولا بدلا - فرشتہ سیرتی پیدا ہو سوجھنے لگی - موت! دلفروشی جانستانی - گویا نیچے سے لیکر اوپر تک آرام معصومیت - حرص و آز - زہد و تقوے سب کچھ پورا ہوگیا - دُنیا کی بھلائی یا بُرائی - عاقبت کی نیکی یا روسیاہی - اپنوں میں ہر دلعزیزی یا ملال خاطری - غیروں سے سلوک و اتحاد یا بدظنی و عناد - سب کچھ کر گئے اسکا نام زندگی ہے؟

انجام سے غافل اور نتیجہ سے بیہوش دلخراش کہانی تیرا چھوٹا سا نام زندگانی ہے لیکن ہزاروں دفتر ختم ہوں پر تیری ہستی - تیری کیفیت - تیرے اسرار - تیرے راز احاطۂ تحریر میں آئے ہیں اور نہ آئینگے!

مگر اے بادۂ حقیقت سے مدہوش اور مست رہنے والے دل! تو آ - اور دیکھ ذرا آبادی شہر سے نکل اور دُنیا کی بڑی آبادی جو تیری آبادی سے ملی جلی ہے اُسکو نظر غور و فکر سے آ اور دیکھ - کہ آبادی سے ملا جُلا

قبرستان

قبرستان نہیں ہے! قدرت نے نیرنگیِ عالم کے جلوے دکھانے کے لئے یہ ایک انجمن موسومہ بہ بزمِ عبرت قایم کر رکھی ہے - یہ خدائی کاموں کے مقدس محاسب اور جائزہ لینے والے بیکار نہیں - دیکھ یہاں جو لوگ دُنیا میں مفوضہ خدمات خوش اسلوبی سے انجام دیکر آتے ہیں - اُنکے لئے یہ عالم ارواح کے مکین اپنی شاندار مجلس میں شکریہ کے ووٹ پاس کرتے ہیں -

اور انسان نما شیطان اخلاق شکن آدمی جو گمراہ ہو کر اپنے اصلی وطن واپس جاتے ہیں تو یہی مجلس نفرت و حقارت کی اُنکے واسطے ریزولیوشن منظور کرتی ہے -

آ اے دل رازِ حقیقت کی تفہیم دل میں اور اسرار انجام ہستی کی دیکھنے والی بصارت آنکھ میں لیکر آ - اور دیکھ کہ یہ گورستان کا حسرتناک منظر زبان حال سے دنیائے ناپائدار کی بلند صدائیں لگا رہا ہے - یہ سنگ مرمر کے اُجلے اُجلے سپید مزار حیاتِ انسانی

کی بے ثباتی کا نوحہ گا رہے ہیں - یہ کچی پکی قبروں کے بسانیوالے جو اپنے گھروں سے مُنہ موڑ - اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ بے خبر غفلت کے عالم میں پڑے ہیں - مگر عبرت حاصل کرنیوالی نگاہوں کو متوجہ کر رہے ہیں کہ اے ان فنا ہو جانیوالی زیست پر شادان رہنے والو! اس بے بُنیاد کی اصلیت ہم ہیں دیکھو اور عبرت پکڑو - خاکی جسم کے استقبال کو دستِ اجل ہر دم دراز ہے - اور اُس کبھی نہ فنا ہونیوالی دُنیا کے دروازے کھُلے ہوئے ہیں وہاں کے بسنے والے ہم سے بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ آؤ آؤ میاں - آکے تم بھی بسو - بسو!!

بدی شیوۂ انسان

ان خاک نشین مٹ جانیوالی صورتوں میں بہت سے ایسے تھے جو عمر بھر اپنی ہوس کے غلام اور اپنی غرض کے بندے رہے - نہ فاتحہ نہ درود - جیئے تو فضول اور مرے تو مردود - تن پروری کو مقصود حیات اور خودغرضی کو اصول زندگی سمجھ کر عمر کے دن ختم کر گئے اور بے بہا وقت کو گزار گئے!

آہ اے جسم ناپائدار کی چھوٹی سچی اور ٹوٹی پھوٹی نشانیو - آج دیکھو - کوئی اتنا بھی نہیں جو تمہارے بکھرے ہوئے مٹی کے ڈھیر کو درست کر دے - عبرت مونس تنہائی ہے اور حسرت دو پھول یاس مرجھائے ہاتھ لئے کھڑی ہے - اللہ!

کل تک تمہیں کچھ احتیاج نہ تھی مگر آج تم محتاج ہو - تمہارے ارادے جو خلوص سے خالی تھے - تمہارے نام کے ساتھ مٹ گئے - تمہاری فنا ہو جانیوالی جان کے ساتھ تمہارے کام بھی جو ایثار نفسی سے معرا تھے ختم ہو چکے! اب ایک صرف ہمیشہ کیلئے بدنامئ دوام کا چھپر تمہاری قبروں پر چھایا رہیگا - اور جو تمہارے خود مطلب مشیر و صلاح کار تھے وہ اب تمہاری بیوقوفی و خودغرضی و دل آزاری پر بزم دُنیا میں قہقہے لگاتے رہینگے - آہ - اللہ بس باقی ہوس -

مرد نیکوکار

اے اینٹ پتھروں کے ساتھ اور سنگ سُرخ و سپید کی بڑی بڑی سلوں سے ڈھک جانیوالی صورتو - تم مر چکے - تم مٹ چُکے - مگر تمہاری مٹی ہوئی صورت کی خاک - اور اُس متبرک

خاک کا اک ذرّہ گوہرِ آبدار اور لعل شب چراغ کی طرح زمانے میں دمک رہا ہے اور دمکتا رہیگا ۔

آہ کارخانۂ قدرت کے سچّے اور پکّے اصول تمہاری حیات کے سلسلے کو منقطع کر چکے ۔ مگر تمہاری نیکیوں سے بھرے مبارک نام اس چمنستان دہر میں خوشرنگ اور شاداب پھول کی طرح مہکتے رہینگے عالم امکان کے معطر اور خلوص و صداقت کے میٹھے چشمے ان بارآور پودوں کو قیامت تک سیراب کرتے رہینگے ۔

اے منزل مقصود پر پہنچ جانیوالو! تم اس دنیائے ناپائدار سے رخصت ہو چکے تمہارے نام صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ۔ تمہاری ہڈیاں خاک ہو گئیں ۔ مگر آہ خیر و برکت بھرے اور نیکیوں سے پُر مٹ جانیوالو ۔ تمہارے ابدی رنگ سے روشن کام قیامت تک تمہارے نام کو قوس و قزح کی طرح چمکاتے رہینگے ۔

آہ اے پردیس میں جابسنے والے مسافرو! تمہارا زمانہ قیام نعمت و برکت تھا تمہاری زندگی گلہائے رنگارنگ سے آراستہ تھی ۔ اگرچہ چمن حیاتِ جسمانی پر دورِ خزانِ ملک الموت چل گیا ۔ مگر تمہیں حقیقت بیں نظروں میں تمہارے کارناموں کے گلشن تمہارے نام اور تمہاری روحانی حیات کا پھولا پھلا ثبوت پیش کر رہے ہیں ۔ اور قیامت تک پیش کرتے رہینگے ۔

آہ تم وہ تھے کہ گلستان قدرت میں گل خوشرنگ ہو کر کھلے اور بارآور شجر کیطرح پھلے ۔ اس عالم سے رخصت ہوئے تو اس بقا کی دنیا میں بقائے جاوید حاصل کی سچ ہے ۔

نام رہتا نہیں دُنیا میں رہتا ہے نشاں
ذکر جم باقی رہا ۔ نام سلیماں رہ گیا

اس مختصر فلسفۂ حیات کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ دُنیا بالکل ایک تھکے ہوئے مسافر کی دم لینے کی جگہ اور عارضی منزل ہے ۔

حقیقی قیام کے طالب جلد جلد قدم اُٹھا رہے ہیں ۔ بہت سے چلے گئے ہم بھی چلے ۔ بہت سے پہونچ لئے ۔ شعر

سکندر رہے نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے
یہ بیت المال ملک بے وفا بے وارثا گھر ہے

بقول حکیم سقراط جسکو یہ معلوم ہو جائے کہ "دُنیا فانی ہے۔ اگر اُسپر بھی دنیا میں پھنسے اور غیر فانی (آخرت) عالم کو بھول جائے تو سخت حیرت ہے"۔ حقیقت میں ہمپر کچھ فرض آدمیت بھی ہے۔ ہماری آفرینش میں کچھ مرضی اللہ بھی مضمر ہے۔ ہم کو معلوم ہوتا ہے ہم دُنیا میں کچھ کرنے کو آئے ہیں!

ہم کیا کریں؟

(۱) سب سے پہلے اور مقدم کام اپنے مولا کا جسنے کہا ہے کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر واسطے عبادت کے۔

(۲) پھر حاکم وقت کا کہ نظام دُنیا درست نہیں رہ سکتا بلا سلسلے کے۔

(۳) پھر منفعت عامۂ اپنی مدد آپ۔ ایسا کیجئے کہ ہمدردی نوع ثابت ہو سکے۔

(۴) کچھ اپنے لئے بھی۔ سیلف سٹڈی۔ نہ کیا یہ تو کیا معلوم کہ خدا کی عطا کسقدر کارآمد ہے۔

اگر ایک انسان ان چار اصولوں پر کاربند ہو جائے اور زندگی کا دستور العمل بنا لے تو اُسکی تمام زندگی کا ماخوذ کیا ہو؟

"نیکی اور نام"

اگر ہم زندگی کو ایک فانی شے سمجھ لیں۔ اگر ہم صوفیت کے رنگ میں رنگ جائیں تو اہل رمز میں داخل ہو کر یہی کہیں ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

اے وہ توجو ہمارے ہر موئے تن میں نفوذ ہے۔ اے وہ توجو تو بھی ہے اور میں بھی ہوں۔ اپنی محبّت دے۔ پردہ اُٹھا۔ یہ طلسم توڑ اپنا کر۔ خود ہو جا۔

باپ کی گود میں زخمی بچّوں کا مرنا

دردانہ سلیمہ صاحبہ بمبئی سے لکھتی ہیں:۔ خواجہ میاں توحید میں مہنسی خوشی کی باتیں لکھئے

عنوں نے پہلے ہی کلیجہ پھونک رکھا ہے۔ اسکی تاب کہاں کہ مرتے کے سین دیکھیں خیر آپ کے حکم کی تعمیل اس کنیز پر واجب تھی۔ کچھ لکھتی ہوں۔

مینے کبھی کسی مرتے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھا۔ مس کین مجکو پڑھانے آتیں۔ تو حضرت مسیحؑ کی صلیب کا قصہ سُنایا کرتی تھیں۔ مجھ پر نیک پیغمبر کی مصیبتوں کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ ایک دن مینے اپنے مولوی صاحب سے جو مجکو اُردو فارسی اور عربی پڑھایا کرتے تھے پوچھا۔ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے بہت ستایا۔ وہ بڑے بے رحم تھے آخر انکا ایسا کیا قصور تھا کہ سولی دیدی۔

مولوی صاحب نے کہا یہ غلط ہے کہ انکو سولی دی گئی۔ وہ زندہ آسمان پر اُٹھالئے گئے۔ لیکن تم ظالموں کی بے رحمی پر تعجب نہ کرو۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں میں تم سے آج کہتا ہوں کہ میں دہلی کا شہزادہ ہوں۔ مجھ پر اور میرے بچّوں پر حضرت عیسےٰؑ سے زیادہ وقت پڑ چکا ہے۔ مگر میں نے اسکو بھلادیا یہانتک کہ تم سے آجتک اپنا حال نہ کہا۔

میں بہادر شاہ دہلی کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ میری عمر غدر میں بیس برس کی تھی۔ میری ایک لڑکی چار برس کی اور ایک لڑکا سال بھر کا تھا۔

جب غدر کی بھاگڑ پڑی۔ بادشاہ قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے تو میں بھی اپنی حاملہ بیوی اور دونوں بچّوں کو لیکر ایک بیلگاڑی میں سوار ہوا۔ اور شہر سے نکلا۔ ہم دروازے سے کوئی سو قدم باہر پہنچے ہونگے کہ سامنے سے فوج آتی ہوئی ملی۔ ہماری گاڑی والے نے سڑک چھوڑ دی اور جنگل کی طرف ہولیا۔ مگر گورؤں نے ہمارا پیچھا کیا اور تھوڑی دیر میں ہم کو گھیر لیا۔ پردے گاڑی کے پھینکدئے۔ میری بیوی نے سب زیور اُتار کر پٹاری میں رکھ لیا تھا۔ مگر گلے میں ایک طلائی تعویذ پڑا ہوا تھا۔ جسپر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ یہ تعویذ برکت و حفاظت کے خیال سے ڈال رکھا تھا۔ ایک سپاہی نے بڑھکر اس تعویذ پر ہاتھ ڈالا۔ مینے اُسکو دھکا دیا۔ اور روکنا چاہا۔ دو شخصوں نے مجکو پکڑلیا۔ گاڑیبان یہ دیکھکر بھاگ گیا۔ چھوٹا بچّہ ماں کی گود میں تھا۔ اور لڑکی میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ جب انہوں نے مجکو گاڑی سے نیچے کھینچا تو ایسی بیدردی سے کھینچا کہ میں مُنہ کے بل اوندھا گر پڑا۔ اور لڑکی بھی ساتھ ہی گری۔ ایک نے میری پیٹھ پر پاؤں رکھ کر دبالیا۔ میرا

مُنہ اور گھٹنے چھل گئے تھے۔ اور میں بے بس دبا ہوا پڑا تھا۔ اور میری چار سالہ لڑکی کھڑی رو رہی تھی۔ اسوقت ہمارا کوئی حمایتی نہ تھا۔ میری بیوی کی حرمت اور آبرو بچانیوالا کہیں نظر نہ آتا تھا۔ فوجی سامان لوٹ رہے تھے۔ اور عورت کے بدن کو ٹٹول رہے تھے۔ وہ بیچاری حیا کے مارے مُنہ ڈھکے ہوئے اور بچّہ کو کلیجہ سے لگائے ہوئے چیخیں مار رہی تھی۔ اسی اثنا میں گوروں کا افسر آگیا۔ اسنے انکو انگریزی میں منع کیا جس سے انھوں نے عورت کو چھوڑ دیا اور مجھکو بھی رہائی دی اور چلدئے۔

جب وہ چلے گئے تو جھپو ٹے بچّے کو دیکھا کہ وہ دم توڑ رہا ہے۔ کیونکہ تعویذ کی چھینا جھپٹی میں وہ بہت زخمی ہو گیا تھا۔ اسکی دائیں پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

مینے بچّہ کو گود میں لے لیا۔ بیوی کو گاڑی سے اُتارا۔ اور سامنے ایک درخت کے سایہ میں جاکر بیٹھے۔ حیران تھے کہ اس زخمی معصوم کا کیا علاج کریں۔ اتنے میں لڑکی نے اُبکائی لی اور خون کی قے کی۔ گاڑی سے گرنے میں خبر نہیں اسکے کہاں ضرب آئی تھی کہ خون ڈالنا شروع کیا۔ یہ دیکھکر ہم دونوں کے اوسان باختہ ہو گئے۔

میں درخت کے نیچے خاک پر بیٹھا ہوا تھا۔ بچّہ میری گود میں کراہ رہا تھا اور دم توڑ رہا تھا۔ اسکی ماں زار و قطار رو رہی تھی اور رومال جھل رہی تھی۔ لڑکی کو بھی دوسرے [illegible] لیا۔

لڑکی کے چہرے پر پسینہ چلا آتا تھا۔ پیاس کے مارے زبان نکل پڑی تھی۔ بیوی نے کہا کہیں سے پانی لاؤ۔ میں اپنی لاڈلی کا مُنہ دُھلاؤں۔ اور دو قطرے حلق میں ٹپکاؤں۔

مینے بچّے کو اسکی ماں کی گود میں دینا چاہا۔ ماں نے گود پھیلائی۔ ہاتھوں سے اسکا سر پکڑ رہی تھا کہ زخمی نے ایک سسکی لی اور ختم ہو گیا۔ ماں نے زخمی کی لاش کو سینے سے چمٹا لیا۔ اور آنکھوں کو چومنے لگی۔ اور بولی۔

میرے دولھا میرے لال۔ تو پردیس سدھارا۔ ہمیں کسپر چھوڑا۔ بتا تو سہی تیرے کہاں چوٹ لگی۔ آنکھیں کھولو میرے دلبر۔ اماں تمپر واری۔ دکھیا ماں کفن کہاں سے لائیگی۔ زمین دشمن ہے۔ قبر کا گڑھا بھی نصیب نہیں۔

میں بیوی کے نوحہ سے بیتاب ہو گیا۔ دلاسا دینے لگا۔ مگر وہ وقت صبر کا نہ تھا۔ یکایک لڑکی نے پھر قے کی اور اسکے خون کے بڑے بڑے جمے ہوئے تھلے نکلے۔ یہ قے ہوتے ہی لڑکی کی بھی آنکھیں پتھرا گئیں اور موت کی بیچینی ہونے لگی۔ میں نے اُسکو

گود میں اُٹھالیا۔ بیوی کی نالہ و فریاد جاری تھی۔ اُسکو لڑکی کا ہوش نہ تھا۔ یہانتک کہ لڑکی نے بھی جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مار کر مرگئی۔

اُسوقت جو مصیبت ہمپر تھی حضرت عیسےٰ پر نہ گزری ہوگی۔ سامنے سے کچھ آدمی آتے دکھائی دئے۔ یہ سکھ اور پنجابی سپاہی تھے۔ انہوں نے قریب آکر ہماری حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ مسلمان پنجابیوں نے زخمیوں کی گاڑی میں۔ جو پیچھے سے آرہی تھی ہمکو اور اُن لاشوں کو ڈلوایا اور پہاڑی پر لے گئے۔ وہاں جاکر ان لاشوں کو دفن کیا۔

اُن سپاہیوں نے مجکو اپنے کمان افسر کے سامنے پیش کیا۔ کمان افسر بہت نرم دل انگریز تھا اُسنے قصّہ سُنا تو بہت افسوس کیا۔ اور میری جاں بخشی کا حکم دیا۔

کچھ دن تو ہم فوج کے ساتھ رہے اسکے بعد جب دہلی میں امن ہوگیا تو وہاں آگئے میں نے پڑھانے کی نوکری کرلی۔ چند سال کے بعد میری بیوی کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور میں دہلی سے نکل کر جگہ جگہ مارا مارا پھرا۔ اور اب اس بڑھاپے میں یہاں بمبئی میں سکونت اختیار کرلی۔

مرشد پیارے میرا دل تو اس قصّے کو سُنکر پاش پاش ہوگیا۔ ان سچّے قصّوں میں کیسی عبرت ہے۔ ہم لوگ عیش آرام میں مصیبت کی گھڑی کو بھول جاتے ہیں۔ مگر میرا جی تو سہما جاتا ہے۔ للّٰہ ہمیشہ ایسے قصّے نہ لکھا کیجئے۔

چھوڑ

(از جناب سید عزیز الدین صاحب آزاد نظامی۔ چرخاولی)

اے مقید روح! خاکی عناصر کے قفس میں محبوس روح!! چھوڑ اس وجود خاکی کو۔ اس ایمان کے بربادکن ڈھانچے اور ہوا و ہوس کی تنضیم سے نشو و نما پانے والے قالب کو چھوڑ چھوڑ۔ اور عجلت سے چھوڑ! دُنیا کی آلائشوں سے نکل اور فرضی محبت کے بندورسن کو توڑ! خویش و اقارب کو تج۔ اور اعزّا احبّا کے لغو اور نمائشی تعلقات سے مُنہ موڑ! دوست آشنا کے خیال اور زن و فرزند کے وبال کو خیرباد کہو! دُنیا کی لُوٹ کھسوٹ اور زمانے کے مطیع و منقاد بنانے والے تخیّل سے درگزر! جاہ طلبی سے ہاتھ اُٹھا

دُنیوی عزّت اور نام و نمود کے پیچھے مت پڑ! جہان فانی کی زندہ تصویروں اور چلتی پھرتی کٹھ پتلیوں کے حسن ظاہری پر نہ جا! دیکھ دیکھ اور حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھ دُنیا وبال ہے اور دُنیا والے جنجال ہیں۔ بزم عالم عالم خیال اور اسکی زندہ دلانہ سرگرمیاں محض پریشان کُن خواب ہیں!

سنبھل اے مقید روح سنبھل! خدا کے لئے سنبھل!! اپنے ازلی وعدہ کو یاد کر جو تو نے حقیقی معبود سے کیا تھا اور اُسکے پورا کرنے کی کوشش کر! فرضی چمک نے تجھے بے بصارت کر دیا۔ حقیقی نور تجھے نظر نہیں آتا۔ خودغرضی نے کھویا۔ نفس پرستی نے ڈبو دیا۔ یہ تیری بے پروائی کب تک۔ لے اب ہوشیار ہو۔ بیدار ہو۔ اپنا الٰہی فرض ادا کر۔ اپنے رسول پر قربان ہو جا۔ چل! اے روح چل!! کسی بزرگ کے پاس چل!!! تاکہ وہ تیرے رنگ کو تیرے سیاہ باطن کو صیقل کرکے صاف شفاف بنا دے۔ ٹھیک کر دے۔ اور تو اس قابل ہو جائے کہ مولا کے دربار میں اُس احکم الحاکمین کے دربار میں باریاب ہونے کی عزت حاصل کر سکے۔ تو اگر اُسکی محبت میں خالص رضا میں اپنے آپ کو کھو کر برباد کر دے تو یقیناً تو اُسکو پالے گا۔ حاصل کر لیگا۔ اور جب وہ تیرا ہے تو سب کچھ تیرا ہو جائے گا۔

نئی روشنی کا دلدادہ

(از جناب منشی مہدی حسن صاحب کرائے پرسرائے ضلع پٹنہ)

ماں باپ کا اکلوتا بیٹا۔ حامد۔ نازوں میں پلا۔ منتوں میں بڑھا۔ آرام آسائش کے سب سامان موجود۔ اللہ کی دین سے کس بات کی کمی تھی۔ ہزاروں روپئے کی تحصیل۔ خاندانی ریاست۔ عزت۔ حامد کو دُنیا کے نشیب و فراز کی کیا خبر۔ اور نہ بچارے کو اسکا موقع دیا گیا کہ سمجھے۔ مصیبت کیا ہے۔ رنج والم کسے کہتے ہیں۔ اُس غریب کو کیا معلوم۔

خدا خدا کرکے آٹھ برس کا ہوا۔ مکتب کی رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ فطرت نے ذہن اور سمجھ کچھ ایسے عطا کئے تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اچھا خاصا تعلیم یافتہ ہو گیا۔ انٹرینس پاس کیا۔ اور ہوتا کیوں نہیں۔ اوّل تو خود ہی بلا کا ذہین۔ اُسپر تعلیم کا انتظام اچھا۔ شروع ہی سے ایک اُستاد گھر پر نوکر تھا۔

کالج میں قدم رکھتے ہی اپنے کو ایک نئی دُنیا میں پایا۔ حوصلوں اور امنگوں میں طوفان آیا۔ اگلی باتیں نفرت انگیز ہوگئیں۔ اچکن پائجامہ قابل توہین چیزیں قرار دی گئیں۔ بوٹ سوٹ۔ ٹائی کالر کے سامنے بھلا ان چیزوں کی کیا قدر و منزلت ہوتی۔ روپئے کا انبار سامنے تھا۔ جو چاہا بنایا اور جس چیز کی خواہش ہوئی فوراً موجود ہوئی۔ انگریزیت اتنی چرائی کہ اب تو ماشاء اللہ اصول سلام بھی مشکوک نظر آنے لگے۔ نرع کی تکلیف یا قبر کی مصیبت یہ سب داستان بے بُنیاد تھی۔ عذاب و ثواب کیا ہیں۔ اور نکیرین کون بلا ہیں۔ توبہ اسکا سوچ ہی کیا تھا۔ کیوں ان لغویات کے پیچھے وقت برباد کیا جائے۔ یہ چیزیں کب اس قابل ہیں کہ ان پر دماغ ریزی ہو۔ مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ ہے کس درد کی دوا۔ بے مصرف۔ بے فائدہ۔ بھلا اتنی سختیاں کس سے اُٹھائی جائیں۔ شراب مت پیو۔ حسینوں کے جلسے سے پرہیز کرو۔ عورتوں کو پردہ کی قید میں ڈالدو۔

نئی روشنی کا دلدادہ حامد۔ اپنے خیالات میں سرشار۔ دُنیا کی گردشی رفتار سے بیخبر اپنی زندگی۔ لطف و خوشی میں بسر کرتا رہا۔ کمی کس بات کی تھی۔ خزانہ تھا معمور۔ جوڑی۔ گاڑی۔ فٹن گھوڑے موجود۔ مکان عالیشان۔ ڈرائینگ روم۔ سائینگ روم۔ باتھ روم اسٹڈی روم۔ بھاری بھاری کرسیاں۔ بڑی بڑی میزیں۔ کوچ۔ مسہری۔ تصویر کے چوکھٹے۔ کونسی چیز تھی جو اسکے یہاں موجود نہو۔

لڑکے کی فضول خرچیاں بڑھیں تو باپ کی آنکھ کھُلی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ موسم بدل گیا تھا۔ صاحبزادے کی بیماری لاعلاج ہو چکی تھی۔ بہت سمجھایا۔ سر کھپایا۔ مگر یورپ کا جن ایسا نہ تھا جو جھاڑ پھونک سے اُتر جاتا۔ مجبوری سخت و سست کہنا پڑا۔ دھمکی دی گئی کہ اپنی عادتوں سے باز آؤ ورنہ مکان چھوڑ دو۔ نازک طبع حامد کو اس بات کے سُننے کی کب تاب تھی۔ فوراً کپڑے کتاب سنبھال گھر سے باہر نکل کھڑا ہوا۔ کہاں جائیں گے اور کیا کرینگے اسکی کچھ خبر نہیں۔ ریلوے اسٹیشن پہنچ پٹنہ کا ٹکٹ لیا۔ چار گھنٹہ میں بانکے پور داخل۔ اب فکر یہ پڑی کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ عیش پسند۔ آرام طلب حامد کو کیا خبر تھی کہ سفر میں ایسی بپتا پڑتی ہے۔ قدم دھرنے کو ٹھکانا نظر نہ آتا تھا۔ بالآخر یہ بات سمجھ میں آئی کہ دھرم سالہ میں اسباب رکھ شہر میں نوکری تلاش کریں۔ خدا کی شان رزاقی۔ چند لڑکوں کے پڑھانے کی نوکری مل گئی اور دس روپیہ مہینہ کا سہارا

ہوگیا۔ مگر اس سے کیا ہوتا۔ جسکو سو دو سو خرچ کرنے کی عادت ہو اُسکو دس روپئے کیا چیز ہیں۔ غربت۔ مسافرت اور اسپر تنگدستی کا سامنا ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں غریب حامد گھُل گھُل کر آدھا رہ گیا۔ اور ہڈی سے چمڑا لگ گیا۔

۶ مئی دوشنبہ کا دن۔ گرمی کا موسم۔ تند و تیز ہوا۔ حامد بخار میں پڑا ہے۔ کون ہے جو خدمت کرے اور دوا پلائے۔ دو ایک دوست جنہیں اللہ نے رحم و محبت کا مادہ عنایت کیا تھا پاس بیٹھے تیمارداری میں مشغول تھے۔ مگر گھر کی سی وہ بات کہاں۔ ابھی تک یہ ایک راز ہی تھا کہ حامد کہاں کا رہنے والا ہے۔ جب حالت مخدوش نظر آنے لگی تو بکس ڈھونڈا گیا۔ اتفاق وقت حامد کے باپ کا خط نکل آیا۔ فوراً ایک تار بھیجا گیا اور دوسرے ہی روز حامد کے باپ آن پہنچے۔

علاج کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا گیا تھا مگر قسمت کا علاج کس حکیم کے پاس ہے۔ بوڑھے باپ کی پریشانی کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ دُنیا آنکھوں میں اندھیری تھی۔ گھر کا چراغ۔ بوڑھاپے کا سہارا۔ ماں کا پیارا۔ باپ کا دولارا۔ یوں چھُٹ رہا ہے۔ بیکسی اور بیکسی کے سوا کون یار و مددگار رہتا۔ روئیے پیٹیے۔ ہزار سر پٹکا مگر ہوا وہی جو ہونا تھا۔ دعا۔ دوا اسوقت سب بیکار تھے۔

جاں لب حامد کو تیسرے روز ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں تو سرہانے باپ کو پایا ٹوٹے ہوئے دل میں ایک ٹھیس لگی۔ اور بے قرار ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور سسکتا ہوا حامد روتے ہوئے باپ سے کہنے لگا۔ ابّا۔ ابّا۔ کس مُنہ سے کہوں کہ میرا قصور معاف کیجئے۔ میں گنہگار ہوں۔ روسیاہ ہوں۔ خدا کے لئے میری خطاؤں کو بخشدیجئے۔ میرے لئے رونا بیکار ہے۔ اب قبر کے گھر کی تیاری ہے اتنا کہنا تھا کہ کمزور حامد کو رقّت طاری ہوگئی۔ رویا اور پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ غشی پھر طاری ہوگئی۔ باپ کو کب تاب تھی۔ گلے سے لپٹایا۔ ماتھا چوما۔ مُنہ چوما۔ اور بے اختیار ہوکر رونے لگا۔ ہچکی بندھ گئی۔ آخر وہ وقت جس سے سب ڈرتے ہیں لیکن اسکے لئے سامان بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ حامد کے سر پر آن پہنچا۔ آنکھیں چھت سے لگ گئیں۔ اور متحرک جسم بے حس و حرکت ہونے لگا۔ حامد پر ایک عالم طاری تھا جسکا سمجھنا آسان نہیں۔ لیکن چہرے کی رنگت اور مایوسی کا نقشہ

مُنہ سے بول رہا ہے کہ غریب حامد کے دل میں پُرالم جذبات و خیالات کا ہجوم ہے۔
"واقعی کیا میں مر رہا ہوں۔ کیا یہ ساز و سامان۔ یہ زمین و آسمان مجھ سے چھوٹ جائینگے۔ کیا مجھے چمکتے ہوئے تارے اور روشن ماہتاب پھر نظر نہ آئیگا۔ ہائے کیا عیش و عشرت کے دن پھر میسّر نہ آئینگے۔ اور کیا یہ دولت و امارت اسوقت میرے کچھ کام نہیں آسکتی۔ کیا میرے دوست و احباب جو ہر گھڑی وفاکار اگ الاپتے تھی اور کیا وہ محب و مخلص جنکو میری جدائی شاق تھی۔ میرے اس آڑے وقت کام نہ آئینگے"۔

افسوس آنکھ کھُلی تو کب۔ جب تدبیر کا موقع نہ رہا۔ ہائے میں خدا کے سامنے کیا مُنہ دکھاؤنگا۔ جینے کو کونسا اچھا کام کیا۔ جسکے عوض میں آرام کی امید رکھوں۔ افسوس میں نزع کی تکالیف کا قائل نہ تھا۔ بلکہ خود خدا ہی کے وجود میں شک تھا۔ اب کیا کروں کہ مجھے ایک لحظہ آرام نصیب ہو۔ اے موت! خدارا مجھے دو ہفتوں کی اور مہلت دے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں۔ اے خدا میں تجکو مانتا ہوں۔ اے معبود میں عذاب و ثواب پر ایمان رکھتا ہوں"۔ الٰہی میں بھُول میں تھا۔ خداوندا میں نے غلطی کی جو آجکے دن کو یاد نہ کیا۔

اسی اثنا میں حامد کا رنگ زرد ہونے لگا۔ اور پاؤں کانپنے لگے۔ چہرے سے کچھ ایسے آثار تکالیف نمودار تھے کہ الاماں۔ الحفیظ! ہاتھ کو بار بار پٹکنا اور کھینچنا آخر آنکھوں کی پُتلیاں سفید ہونے لگیں۔ چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ سارا بدن عرق عرق ہوگیا۔ پاؤں سے سینے تک سرد پڑگیا۔ سانس اُکھڑا۔ سینے پر گھونگرو بولنے لگا اُسوقت آنکھوں سے حسرت اور مایوسی ٹپکی پڑتی تھی۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے۔ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا تھا۔ اور لمحہ بھر کی دیر تھی کہ اچھے خاصے حامد کو ایک جسم بیجان بنا دے۔ بار بار مایوس نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھتا اور اپنے دوستوں پر نظر ڈالتا۔ گویا زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو کس مصیبت میں ہوں۔ کس حسرت سے دُنیا چھوڑ رہا ہوں۔ یہی ہاتھ پاؤں جو ایک وقت میں میرے کام کے تھے۔ اب بیکار ہیں۔ پیر اُٹھانا چاہتا ہوں تو نہیں اُٹھتا۔ ہاتھ ہلانا چاہتا ہوں تو نہیں ہلتا۔ سننا چاہتا ہوں۔ سُن نہیں سکتا۔ بولنا

چاہتا ہوں مگر زبان بند ہے"۔ یہیں تک تکلیفوں کا خاتمہ نہ تھا۔ رگ رگ ٹوٹ رہی تھی۔ سمجھتا تھا کہ مر رہا ہے مگر کچھ نہیں کر سکتا۔ جانتا تھا کہ دُنیا ہمیشہ کے لئے چھوٹتی ہے مگر کچھ علاج نہ تھا۔ یقین تھا کہ اب گئے ہمیشہ کیلئے گئے مگر چارہ کیا تھا باپ کو ایک افسردہ نگاہ سے دیکھا اور دو چار قطرے آنسو کے ٹپک پڑے۔ پھر کیا تھا۔ نازوں کا پالا حامد فٹن پر سیر کرنیوالا حامد محلوں میں رہنے والا حامد ماں کا جگر تو باپ کا دل۔ زینت مجلس تو رونق محفل۔ سب کو چھوڑ چھاڑ حسرتوں اور ارمانوں بھرا دل لئے ہوئے چار گز کپڑے اور ایک گوشہ زمین کی تلاش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

فرانسیسی ڈیوک کا اکلوتا لاڈلا

(از جناب منشی یوسف حسن صاحب لائل پوری)

پرنس میکلا بستر مرگ پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا اور اُسکا خوبصورت سُرخ و سپید چہرہ حدت بخار سے سیاہی پکڑتا جاتا تھا۔ ارد گرد فرانس بھر کے مشہور و معروف حکیم و ڈاکٹر دم توڑنے والے مریض کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ بوڑھا ڈیوک اپنے بیٹے کے سرہانے جُھکا ہوا اُسکے رنگ بدلتے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اور اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ مسہری پر بیہوش شہزادہ ڈیوک کی تمام عمر بھر کی کمائی اور اُسکی زندگی کا سہارا۔ تمام خاندان کی آخری نشانی بےحس و حرکت بنا پڑا تھا۔

ڈاکٹروں نے چند منٹ باہم مشورہ کرنے کے بعد بدبخت باپ کو اس فیصلے سے مطلع کر دیا کہ "چونکہ آٹھ دن سے بخار کم ہو جانے کی بجائے ہر لحظہ تیز ہوتا چلا جاتا ہے اسلئے آپ کا بیٹا زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے تک اور زندہ رہ سکتا ہے"۔

اس بات کو سُنکر بوڑھے ڈیوک کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ داڑھیں مارتا ہوا دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔

پرنس میکلا نے اپنی سیاہی مائل زبان باہر نکال کر کئی بار ہونٹوں پر پھیری۔ ایک

انگڑائی لی - اور سُرخ سُرخ آنکھیں جنسے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے کھولدیں - اُسکے کانوں کی سماعت حد درجہ کی تیز تھی - اُسنے ڈاکٹروں کے فقرائے موت کے آخری الفاظ سُن لئے تھے -

جس طرح سے ایک بجھتا ہوا چراغ گُل ہونے سے پیشتر ایک بار زور شور سے چمک کر اپنی زندگی کا ثبوت دیتا ہے اسی طرح شہزادہ بھی اپنی موت کا حکمنامہ سُننے کے بعد بالکل تندرست اور تنومند انسان کی مانند ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا - اس اچانک حرکت کو ڈاکٹروں نے دیوانگی کے دورے پر محمول کرتے ہوئے کمرے سے باہر بھاگ جانے میں ہی عافیت دیکھی -

پرنس میکلا نے اندر سے دروازہ بند کرلیا اور چلا کر کہا "میں ابھی نوجوان اور میری زندگی صرف تین گھنٹے - تھوڑی دیر آرام کرکے بولا - اُف افسوس وہ دیوانے ڈاکٹر اور سائنسداں میرے ہاتھ سے زندہ بچکر نکل گئے - ورنہ یہ سب دوائیاں جو میرے اردگرد میزوں پر بکھری پڑی ہیں اُن کو جبراً پلا دیتا - بیشک میں کبھی نہ مرتا - مگر مادہ پرست ڈاکٹروں نے مجھے پیدا کرنے والے آسمانی باپ کا نام نہیں لینے دیا اور ایسی ادویات پلاتے رہے جنسے میرا دماغ جل رہا ہے"

وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا - اور ایک بڑے لٹھ کے ساتھ تمام شیشیوں اور دوسری ضروری اشیا کو بھاری ضربوں سے چکنا چور کر رہا تھا - ٹھیک اُسی وقت مقابل کے کمرے سے اُسکی نئی بیاہی ہوئی بیوی شیشے میں سے اپنے خاوند کی مجنونانہ حرکات کو دیکھکر زار و قطار رو رہی تھی - اُسکی آواز کو سُنکر پرنس میکلا نے غصے سے دروازے پر ایک لات رسید کی جس سے وہ چوپٹ کھُل گیا - اسکی بیوی فوراً اسکے پاؤں پر گر کر لوٹنے لگی - وہ دہائی دیتی تھی کہ کوئی طاقت ایسی ہے جو میرے خاوند کو موت کے پنجہ سے بچالے -

شہزادہ نے اُسکو زمین سے اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرط محبت سے اُسکے ہاتھوں اور پیشانی پر بوسے دیئے مگر کچھ سوچنے کے بعد اُسنے اپنی بیوی کو پرے دھکیل کر کہا "ہٹ جا جس روز گرجا گھر میں پادری نے میرا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیا تھا تو نے قسم کھائی تھی کہ تو میرے رنج و راحت میں ہر وقت شریک ہوگی

مگر افسوس تو نے اپنے قول پر عمل نہیں کیا۔ تو دیکھ رہی ہے کہ موت کے قریب جا رہا ہوں اور موت میری طرف بڑھی آرہی ہے۔ مگر میرے والدین مجھکو بے یار و مددگار چھوڑ کر دوسرے کمروں میں چلے گئے ہیں اور میرا منہ تک بھی دیکھنے کے روادار نہیں۔ حیکہ ابھی تھوڑے دنوں پہلے وہ میری صورت دیکھنے کے مشتاق تھے اور تو بھی انکے ساتھ مجھ سے کنارہ کش ہوگئی۔ یہ کہکر روتی ہوئی بیوی کو زمین پر پھینک کر اگلے کمرہ میں چلا گیا۔

اس کمرہ میں اسکے والد کی ضروری اشیا تھیں۔ وہ سب پر ایک حسرت کی نظر ڈال رہا تھا کہ اتفاقاً اُسکی نگاہ اشرفیوں کے صندوق پر جا پڑی۔ اُسنے صندوق کو بزور کھولا اور اشرفیوں کی چمکتی ہوئی صورت دیکھکر دیوانوں کی طرح کمرہ میں زور زور سے ٹہلنے اور واہیات بکنے لگا۔ اُسنے کہا یہ باپ ہے۔ یہ خون ہے۔ یہ جہنم کی آگ ہے۔ میں بیوقوف تھا۔ صرف ان اشرفیوں کے بل پر دوستوں اور احبابوں میں مونچھوں کو بل دیتا۔ مکلف قالینوں پر پاؤں ٹیک کر کھڑا ہوتا۔ وہ جھلا کر جھپٹا اور صندوق میں منہ ڈال کر کہا "اے اشرفیو اب مجھے موت کے پنجہ سے بچاؤ۔ ملک الموت سے چھڑاؤ"

مگر جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو بولا "افسوس تم میرے کام نہیں آسکتیں۔ تم ناکارہ ہو۔ میں تم پر تھوکر مارتا ہوں"

اب شہزادہ کے لئے اس کمرہ میں ٹھہرنا محال ہوگیا۔ اور وہ ایک برآمدے سے گزرتا ہوا ایک پرانی وضع کی کوٹھری میں جا پہنچا۔ اس میں اُسکے اباؤ اجداد اور مُردہ رشتہ داروں کی تصویریں بطور یادگار لٹک رہی تھیں جو مجسم شیطان اور ملک الموت بنکر اُسکو کاٹ کھانے کو دوڑیں۔ منہ کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے ہوئے اور شور و غل مچاتا ہوا وہ جلدی سے اسکو قطع کر کے اپنے پرائیوٹ کمرہ میں جا پہنچا۔

پرنس میکلا نے تمام عمر پورانے زمانہ کے سکے جمع کرنیکے شوق میں بسر کی تھی۔ الماریوں کو کھول کر اپنی تمام عمر کی جمع شدہ محنت کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا یہانتک کہ ہچکی بندھ گئی۔ وہ ہر ایک الماری کے پاس جاتا اور کہتا کہ کیا کسی سکہ کسی ایسے نیک انسان کا نام کندہ ہے جو مجھکو موت کے منہ سے بچا سکے۔

یکایک ہاتف غیب کی آواز کان میں آئی۔ کہ جن لوگوں کا نام ان روپیوں اور اشرفیوں پر کندہ ہوا اور اُنکے نام کا سکہ رواں ہوا۔ جب وہ نہ رہے تو تو کب رہے گا۔

وہ عبرت۔ عبرت۔ عبرت پکارنے لگا۔

اُسکے ہوش وحواس پراں ہونے لگے۔ کھونٹی پر سے اپنی تلوار اُتاری اور تپنچہ کمر میں لگایا۔ اور چلّا کر کہا کہ "میں موت کے فرشتہ سے مقابلہ کرونگا اور لڑونگا"۔

پھر ایک بار دلیرانہ تصویروں کے کمرہ میں گیا۔ اور ملک کے تازہ اخبارات کا مطالعہ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اخبارات میں بہت سے واقعات لکھے ہوئے تھے۔ جن میں ایک خبر یہ بھی درج تھی کہ مشہور معروف پرنس میکلا جو کروڑوں روپیہ کی جائداد کا مالک بننے والا تھا موت کے منہ میں جارہا ہے اور ڈاکٹروں نے اُسکی زندگی صرف تین گھنٹے اور بتلائی ہے۔ اخبار کے جس حرف پر وہ نگاہ ڈالتا تھا اُسپر یہی لکھا تھا۔

ان اخباروں کو دیکھ کر اسکی امید بالکل ٹوٹ گئی۔ اسنے ایک آہ کا نعرہ مارا اسنے کہا افسوس دُنیا کی کوئی چیز آج مجھکو موت سے نہیں بچا سکتی۔ پیاری بیوی کی محبت۔ ماں باپ کی ممتا۔ نوکر چاکر کی اطاعت۔ اخباروں کی مدح سرائی سب جیتے جی تھا۔ سب کا تعلق دم کے ساتھ تھا۔

دم کے ہیں سب دمدمے جب دم نہیں تو کچھ نہیں
ساری دُنیا ہیچ ہے۔ جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

آخر وقت مقرر آن پہنچا۔ موت کا چکر سر پر سوار ہوا۔ غشی طاری ہونے لگی۔ ہاتھ پاؤں بے قابو ہو گئے اور لاچار میکلا خدا کو پکارتا ہوا دُنیا سے چل بسا۔

جانکنی کا وقت

(از جناب بنت سلطان حسین خانصاحب مرحوم)

آہ میں یہ دیکھتا ہوں کیسی کیسی صورتیں کیسی ہیبتناک اور کیسی ڈراونی صورتیں

بھوت ہی بھوت آج میرے گھر میں آکر بھر گئے — کیا ہوئے گھر والے کیا سب اک سرے سے مر گئے
آہ یہ بھوت۔ آہ یہ ۔ یہ تو وہی مظلوم ہے — دس برس پہلے ہوا جو قتل میرے ہاتھ سے
ہاں میرے ہاتھوں سے ضرر اسکو پہنچا تھا ضرور — لیکن او کمبخت میرے سامنے سے تو ہو دور
میں نہ دیکھونگا نہ دیکھونگا یہ شکل پُر گزند — لو میں اپنے ہاتھ سے آنکھیں کئے لیتا ہوں بند
بند ہیں آنکھیں مگر پھر بھی نظر آتا ہے یہ — میری آنکھوں میرے دیدوں میں گھسا جاتا ہے یہ
ہائے پنجوں سے گلا یہ تو دباتا ہے مرا — پیٹ میں گھُسکر کلیجہ کھائے جاتا ہے مرا
یوں نہ مرتا لیکن اب تو واقعی مر جاؤں گا — مر کے کیا ہونگا کہاں جاؤنگا کیونکر جاؤنگا
قبر میں افسوس اُسی کالی اندھیری قبر میں — آہ ان بھوتوں پریتوں کی ڈرونی قبر میں
ہائے پھر دوزخ میں سانپوں بچھوؤں کے غار میں — آگ کے شعلوں میں لوگوں میں عذاب النار میں
آہ ایسی موت مرنا آہ ایسی سخت موت — چھوڑ دے اُف چھوڑ دے او موت او کمبخت موت
کسقدر بے وقت ہے افسوس میرا انتقال — اے اجل رہنے دے جینے دے مجھے دو چار سال
ایک ہی سال اک مہینہ چند ہفتے جینے دے — چند ہفتے چند دن بس چند گھنٹے جینے دے
اُف جلن اُف آگ اُف سینے کی سوزش اُف پیاس — پانی ٹھنڈا پانی ٹھنڈا پانی شربت کا گلاس
او اجل او موت بس او موت بس او مت بس — ہائے دُنیا ہائے دُنیا ہائے دُنیا کی ہوس
پھر ذرا دم لیکے اُسنے آہ کی اور کچھ نہ تھا — اک بھیانک چیخ کی آواز تھی اور کچھ نہ تھا

ناظرین توحید آپ نے اس بُڈھے گنہگار کی آخری جانکنی دیکھی جو اپنے بستر مرگ پر پڑا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا۔ جسکے بُرے اعمال پیش نظر تھے دُنیا کی محبت کسی طرح یہاں سے جانے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اپنی زندگی میں اسنے کبھی بھولے سے بھی اس شدنی اور اٹل فرمان الٰہی کلآ اذا بلغت التراقی ۝ وقیل من سکتہ راقٍ ۝ وّظن انّہ الفراقُ ۝ والتفّتِ الساق بالسّاق ۝ الٰی ربّک یومئذٍ المساق ۝ پر نظر نہیں کی اور افسوس کار خیر کا خیال آیا بھی تو اسوقت جبکہ موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اللہ پاک اپنے حبیب کے طفیل ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

انقلاب کی ضرورت دل میں

(از جناب حافظ فیاض احمد صاحب مخلص نکتہ چیں پانی پتی)

دل کیا ہے۔ اسکی ماہیت سمجھنا عقل انسانی کا کام نہیں۔ یونتو ہر چیز کا علم خدائے لایزال کو ہوتا ہے لیکن انسان کے جسم میں دل۔ دماغ اور روح صرف تین چیزیں ایسی ہیں جیسے قرآن شریف میں حروف مقطعات کہ اگرچہ اُنکا اصلی مفہوم خدا ہی کو معلوم ہے لیکن مفسرین اپنی اپنی رائے ضرور دیتے ہیں۔

(۱) دل انسان کے بدن کا اسقدر ضروری حصہ ہے کہ اسکے بغیر باقی سب عضو بالکل ہی بیکار ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیں عجمی کے نام سے پکارنے والوں نے قالب اور قلب میں صرف الف کا فرق رکھا ہے۔ اس سے معلوم کر لیجئے کہ قالب کے لئے قلب کسقدر ضروری ہے۔

(۲) سائنس والے اس طرح سمجھیں کہ انسان ایک گھڑی ہے اور اسکی عمر گھڑی کا صحیح وقت بتلاتی ہے۔ دل اس گھڑی کا ایک لنگر ہے۔ لنگر کی حرکت سے گھڑی چلتی ہے اور دل کی حرکت سے انسان زندہ رہتا ہے۔ (اس موقع پر روح کو بال کمانی سے تشبیہ دیکر اسکا دل سے تعلق ظاہر کیا جاتا ہے)۔

(۳) اوپر کی بات بھی دل کو نہیں لگی تو اس طرح سُنئے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور انسان خلیفۃ اللہ ہے۔ چنانچہ اُس حکمت والے رب نے یہ امر بعید سمجھا کہ اپنے نائب کو دُنیا و مافیہا کے اسرار اور عجیب عجیب رازوں سے بے خبر رکھتا۔ اُسنے اسکے وجود میں ہی ایک ایسی اقلیم پیدا کر دی جو بیرونی سامانوں کے بالکل مشابہ تھی جو معاملات پیش آنے والے تھے اور جو واقعات معرض ظہور میں آنیوالے تھے وہ سب اس اقلیم میں جمع کر دئے گئے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس رمز الٰہی کو سمجھا اُنکا بیڑا پار ہو گیا ہے۔ اور اُنہوں نے حق خلافت خوب ادا کیا۔ لیکن جن لوگوں نے اس فانی دُنیا کو زندگی کا اصل مقصد قرار دیا۔ اُنکی حالت جو ہے ظاہر ہے۔

انسان کو جن دو (ظاہر و باطنی) اقلیموں کا مالک کیا ہے انکا باہمی ذکر کرنا مناسب نہوگا۔ چنانچہ دُنیا میں جس طرح مختلف موسم جاڑا۔ گرمی۔ خزاں۔ بہار۔

برسات آتے ہیں۔

اسی طرح دل میں بھی انقلابات واقع ہوتے ہیں۔ کبھی دل خوش ہوتا ہے۔ کبھی مغموم۔ کبھی دل سرد پڑ جاتا ہے۔ کبھی گرما کر جوش میں آجاتا ہے۔

دُنیا میں باد و باراں کے طوفان آتے ہیں۔ آتش زدگی کے حادثات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح دل کی بھی حالت ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں میرا جی (دل) جل گیا۔ غم کا طوفان اُمڈا چلا آتا ہے وغیرہ۔ دُنیا کے روزمرہ کے حالات کی طرح ہمارے دل میں بھی اس قسم کے واقعات عمل میں آتے رہتے ہیں۔ اکثر یہ سُنا ہوگا۔ کہ ”دل پتھر ہوگیا“۔ ”فلاں شخص بہت سنگدل ہے“ ”میرا دل پاش پاش ہوگیا۔ فلاں آدمی بہت نرم دل ہے۔ کسی کا دل میلا کرنا۔ دل کی لگی۔ مُردہ دلی۔ زندہ دلی۔ یا اور بیسیوں الفاظ اور محاورے ہیں۔

یہ قیاس کرلینا کہ دل ایک ٹھوس چیز ہے غلط ہے۔ ایک حالت میں یہ مائع بھی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ دل کی بیقراری کو سیماب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یا دل موم ہوجانا یا دل کا پسیجنا وغیرہ محاورات استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دل کی حالت گیاس کے مانند بھی ہوجاتی ہے۔

دل ایک ایسی چیز ہے جسمیں نیک انقلاب کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ دُنیا میں جتنی کوششیں ہو رہی ہیں اور جتنی انجمنیں قائم ہو رہی ہیں ان میں اگر ”صفائی قلب“ کا خیال نہ رکھا گیا تو ترقی محال ہے۔ فلاح کا مقصد حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اور منشأ قادرِ مطلق کے مطابق دُنیا کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ پس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد رکھو اور سردارِ دو جہاں کے نام پر درود و صلوٰۃ بھیجو اور اپنے اندرونی اقلیم کی صفائی کرکے انقلاب پیدا کرو۔ اسی سے کل کام انجام پائینگے۔

مسلم کے دل کی شورش

(از جناب مولوی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی)

اے قوم یاد کرلے گزرا ہوا فسانا — اقبالمندیوں کی اسلام کا زمانا
تغلق کے دور دورے مغلوں کی حکمرانی — اہل عرب کا چڑھکر ہندوستان میں آنا

تیرا وہ عزم و ہمت اب تک زبان پر ہے   ہسپانیہ میں جا کر شمشیر آزمانا
اسپارٹا میں تیرے جھنڈے گڑے ہوئے تھے   چھایا تھا ابر رحمت بن بن کے شامیانا
آرام گاہ تیری سارا جہاں بنا تھا   ہر شہر میں تھا مسکن ہر ملک میں ٹھکانا
فارس میں سلطنت تھی رشیہ پہ دبدبہ تھا   قبضہ میں ملک تیرے تھا مصر کا پرانا
بیفکریاں تھیں تجکو موجیں اُڑا رہی تھی   گاتا تھا بچہ بچہ عشرت بھرا ترانا
جاپان و چین تیرا سب حکم مانتے تھے   سب پر کھلا ہوا تھا انصاف کا خزانا
جب خوف تھا خدا کا پابندِ شرع تو تھی   سب ہاتھ میں تھا تیرے قدرت کا کارخانا

بدلا ہے اب زمانہ بدکاریوں نے مارا
یونانیوں نے لوٹا ملغاریوں نے مالا

گردش میں ہے نصیبہ دشمن کھٹک رہے ہیں   ہمدرد بھی ہمارے ہم سے کھسک رہے ہیں
ماں باپ ہیں نہ بھائی کس سے کریں دوہائی   نانِ جویں کو اپنے بچے بلک رہے ہیں
آنکھوں میں جان آئی دم ہے لبوں کے اوپر   اب موت کے فرشتے منہ تیرا تک رہے ہیں
ابتک ہیں زخم تازے لے لے چھری نکلے دم   ظالم لگا نہ چیر کے انگور پک رہے ہیں
سینے کی بھٹیوں میں ارمان شعلہ زن ہیں   آتش لگی ہوئی ہے اُپلے دہک رہے ہیں
شمشاد ہے نہ قمری گلزار ہے نہ بلبل   رہ رہ کے خار حسرت دل میں کھٹک رہے ہیں
اوروں سے بیخبر ہیں بدمست اہل یورپ   مدہوش ہیں نشہ میں شیشہ ڈھلک رہے ہیں
کہنے کی کچھ دل کے پرواہ نہیں ہے ہمکو   انصاف سے پرے ہیں بیہودہ بک رہے ہیں
یورپ کی ساری قومیں سرسبز ہیں جہاں میں   تیری ستم کشی کو ہم اے فلک رہے ہیں

گزرے ہوئے زمانے آتے ہیں یاد ہمکو
اگلوں کی یاد کیا کیا کرتی ہے شاد ہمکو

ہمدرد بن رہا تھا جب آسماں ہمارا   سارے جہاں میں ہم تھے سارا جہاں ہمارا
دُنیا کی ساری قومیں سرتاج جانتی تھیں   تھا نقش دل کے اوپر نام و نشاں ہمارا
ہر ملک نے بنایا اپنا عزیز ہمکو   یوسف کو ساتھ لایا ہر کارواں ہمارا
توحید نے مٹائی نیرنگیوں کی کثرت   ہستی میں جلوہ فرما تھا لامکاں ہمارا
کرتا تھا جاں نثاری قومی شہید بنکر   اسلام پہ فدا تھا ہر نوجواں ہمارا
ہر روز عید کی تھیں خوشیاں ہمیں میسر   جھنڈا ہلال کا تھا قومی نشاں ہمارا

اسلام کے پیارو ہمّت نہ ہار دینا | اللہ کی طرف سے ہے امتحاں ہمارا
اٹلی کو بل دکھا کر لینگے طرابلس کو | ظالم کبھی تو ہوگا خنجر رواں ہمارا
جرمن کو کیا خبر ہے ترکوں کی پالسی کی | کیا روس جانتا ہے سود و زیاں ہمارا
اسلامی دائرے کا نقطہ یہیں رہیگا | سارے جہاں کا مرکز ہے آستاں ہمارا
آنو رسے باغباں سے بلبل نہاں ہونگے | ہوگا اُسی چمن میں پھر آشیاں ہمارا
ہوگا ہمیں میسر وہ دور کامرانی | اب تک جہاں نہیں ہے وہم و گماں ہمارا
رشیہ کی بھبکیوں کا کس کو خلیق ڈر ہے | اب شاہ جارج پنجم ہے مہرباں ہمارا

ہوجائیگا جہاں میں اسلام کا اوجالا
اقبال کی ترقی دولت کا بول بالا

صدائے عارف

از جناب عارف میرٹھی

تہذیب نو کا مشرق دیوانہ ہو رہا ہے | اب اقتدار مغرب کو دانہ ہو رہا ہے
توحید کی جگہ پر تثلیث بڑھ چلی ہے | کوثر کی جا پہ قایم میخانہ ہو رہا ہے
واں زندگی نئی ہے اور جوش مے کشی ہے | لبریز زیست کا یاں پیمانہ ہو رہا ہے
عشرت کدے ہمارے برباد ہو رہے ہیں | آراستہ کسی کا کاشانہ ہو رہا ہے
ہے اتحادِ ملّت مشرق میں آج عنقا | جوش ملّی میں مغرب مستانہ ہو رہا ہے
ملّت پہ اپنی تو بھی ہو اس طرح سے قرباں | جیسے فدا شمع پہ پروانہ ہو رہا ہے
اس درد کی صدا کو عارف کی کب سُنے وہ | جو نشہ خودی میں دیوانہ ہو رہا ہے

ہلال رمضان کا خیر مقدم

(از مولانا شفق - عمادپوری)

اے ہلال رمضاں! گنج سعادت کی کلید | مرحبا! دن بھی مبارک! تیری راتیں بھی سعید
بدلے اک ماہ کے حاصل ہو جو عیش جاوید | عید ہو بندۂ مومن کے لیے نعمت دید

کسکو یہ گوشۂ ابرو سے تو کرتا ہے سلام
کسکا بھیجا ہوا تو لایا ہے جنّت کا پیام

اے ہلال رمضاں! مظہر انوار ہے تو — روزہ داروں کے لئے مژدۂ دیدار ہے تو
کرم نامتناہی کا سزاوار ہے تو — باعثِ مغفرتِ جرمِ گنہگار ہے تو
نور آنکھوں کا ہے تو دل کا اُجالا تو ہے
رحمتِ خاص خداوندِ تعالےٰ تو ہے

اے ہلال رمضاں! فاقہ کشوں کے غمخوار — سیکڑوں بھائی مسلمان ہیں ایسے نادار
کہ میسّر نہیں جنکو سحری و افطار — دانے دانے کے ہیں محتاج جو ہر لیل و نہار
غربا سے امرا کو ہے علاقہ کیسا؟
روزہ رکھتے نہیں کیا جانیں کہ فاقہ کیسا؟

اے ہلال رمضاں! توڑ غریبوں کی نہ آس — بھوکے پیاسوں کی بجھاتا نہیں کوئی بھوک پیاس
نہ غذائیں نہ ردائیں ہیں نہ کھانے نہ لباس — سر ہیں بیواؤں کے کھلے چہرے یتیموں کے اُداس
قوم ہی قوم کا غل سنتے ہیں خالی خالی
کوئی وارث نہ کسی کا نہ مربی والی

اے ہلال رمضاں! آہ ہلالی وہ نشاں — جسکے سایہ میں پلے تُرک سے شہزور جواں
اب نشاں وہ ہے نہ دم خم ہے نہ وہ تاب و تواں — نامور تھے جو نمودار ہوئے ننگِ جہاں
پیر میں ہے کوئی ہمّت نہ جواں میں باقی
تیر میں نوک نہ کس بل ہے کماں میں باقی

اتحاد اُن میں اِدھر گرم ہے بازار نفاق — اتفاق اُن میں اِدھر ہم ہیں خریدارِ نفاق
مبتلائے مرضِ نکبت و بیمارِ فراق — نوبتِ جاں بلبی دورۂ آزارِ فراق
اے ہلال رمضاں درد کا درماں کردے
تو ہی فاقوں سے علاجِ تپِ عصیاں کردے

طبع رواں کی عید

(از مولوی عبد الخالق صاحب خلیق دہلوی)

تو ہے خوشی جہاں کی بیشک ہلال عید — تیرے جمال سے نظر آیا جمال عید

رہتا تھا رات دن جو دلوں میں خیال عید   رویت کو تیری کیوں نہ کہیں نیک فال عید
زاہد دعائیں مانگ رہے ہیں اُٹھا کے ہاتھ
ہوتی ہے روزہ دار کی عزت خدا کے ہاتھ

کپڑے بدل بدل کے چلے عیدگاہ میں   آپس میں مل رہے ہیں گلے عید گاہ میں
بنجاتے ہیں بُرے بھی بھلے عیدگاہ میں   بیکس گدا غریب چلے عید گاہ میں
دستِ کرم دراز کریموں نے کر دیا
مفلس کو مالدار رحیموں نے کر دیا

پیسہ کسی کا مُفت میں کھونے کیواسطے   بچہ مچل رہا ہے کھلونے کیواسطے
طیار ہے دوکان پہ رونے کیواسطے   بازار میں مٹھائی کے ہونے کیواسطے
مشکل ہے خانہ دار کی تہوار کیا کرے
بیوی سے بات بات پہ تکرار کیا کرے

بیفکریوں کے ساتھ ہوئی اہلِ زر کی عید   عشرت کدہ میں بنتی ہے آٹھوں پہر کی عید
تر نعمتیں اُڑاتی ہے شام و سحر کی عید   لونڈی بنی ہوئی ہے مگر ان کے گھر کی عید
پوشاک کا خیال نہیں عید کے لئے
دل میں ذرا خیال نہیں عید کے لئے

مشتاق دید۔دید کی طیاریوں میں ہیں   کپڑے بہت سے عید کی طیاریوں میں ہیں
کیا جانے کس امید کی طیاریوں میں ہیں   خوش ہیں کسی نوید کی طیاریوں میں ہیں
آئی بہار زخم کُہن پھر ہرے ہوئے
ارمان وصل یار ہیں دل میں بھرے ہوئے

کہتے ہیں واہیات ہے سوشل ریفارمر   کیسے فضول کام میں کرتے ہیں صرف زر
اسلام کا خیال نہ تعلیم پہ نظر   اپنے بُرے بھلے کی نہیں قوم کو خبر
بہتر ہے اس سے عید کو چندہ ہوا کرے
رسم و رواج سب کا پُلندہ ہوا کرے

فیشن کی عید ہوتی ہے پتلون کوٹ میں   وسکی کے پیگ اُڑاتے ہیں سایہ کی اوٹ میں
رم اور شام لائے ہیں بھر بھر کے بوٹ میں   مسٹر کا کیا بگڑتا ہے دو چار نوٹ میں
سگرٹ سگار چاہئیں پینے کے واسطے

لیڈی بھی ساتھ ساتھ ہو جینے کیواسطے

مستانہ وار کہتے ہیں ساقی سے بادہ خوار ہے ساتھ ساتھ عید کے برسات کی بہار
چھا جائے ابر۔ ابر میں پڑتی رہے پھوار ایسی پلا شراب کا اُترے نہیں خمار
بھادوں کے بعد مجلس ساغر ہوئی تو کیا
رندوں کی عید پیچھے اگر ٹر ہوئی تو کیا

ہے نشاد مانیوں سے بھری نوجوان کی عید زندہ دلی سے ہوتی ہے بانکے کی بانکی عید
بیمار کی ہے عید نہ کچھ نیچا ں کی عید سب سے خلیق اچھی ہے طبع روانی کی عید
پڑھتے ہیں نظم دیکھ کے قومی ہلال کو
ہم عید جانتے ہیں اچھوتے خیال کو

مارواڑی عید

(ازجناب مولوی سید حسن الدین صاحب خاموش سب پوسٹماسٹر کھاریچی راجپوتانہ)

اب سے دس سال پہلے میری عید راجپوتانہ کے اُس حصہ میں ہوئی جسے لوگ بلحاظ ریگستان ہند کا صحرائے افریقہ کہتے ہیں۔ اُس علاقہ کا فرمانروا تیسرے درجہ کا چھوٹا سا راجپوت راجہ تھا۔ قصبہ بڑا تھا اور دس ہزار نفوس کی آبادی میں سے دو ہزار کے قریب مسلمان تھے تلاش سے پتہ لگا کہ یہاں رمضان شریف بارہ مہینے ہی رہتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کو اتنا میسّر ہی نہیں کہ دونوں وقت سیر ہو کر کھاویں کل مسلمان سپاہی کہلاتے ہیں۔ راج سے تین روپیہ ماہوار سکّہ خام جو انگریزی ڈھائی روپیہ کے برابر ہیں سپاہیوں کو ملتے ہیں اسی میں وہ اور اُنکا کنبہ اور عید اور محرم۔ مگر عیدین کی نماز ضرور ہوتی ہے۔ اور ایک شاہی زمانہ کے قاضی صاحب ہیں وہ نماز پڑھاتے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب کو بلوایا اور ان سے باتیں ہوئیں۔ معلوم کہ قاضی صاحب اُس خاندان میں سے ہیں جو ریاست کے مسلمان باشندوں کی مذہبی نگرانی کے لئے تخت مغلیہ کی طرف سے وظیفے اور جاگیر پاتا تھا۔ اب جاگیر و وظائف تو خاندان کے علم و فضل کو ساتھ لئے ہوئے رخصت ہو گئے البتہ قاضی کا لقب کاروان رفتہ کے نقش پا کی طرح مٹا سا نشان باقی ہے۔ قاضی صاحب

شُد بُد حرف شناس تھے اور غلط سلط خطبہ اور نماز پڑھا دیتے تھے۔ مینے غنیمت جانا اور عید کی صبح کو کپڑے بدلکر ایک شخص کی رہنمائی سے آبادی سے دور ریت کے ٹیلوں کے درمیان پہنچا معلوم ہوا کہ یہ لق و دق میدان ہی مسلمانوں کی عیدگاہ ہے کیونکہ نہ تو مسلمانوں کے پاس پیسہ ہے اور نہ راج سے اجازت ہے کہ مسجد بنا سکیں بلکہ سخت حکم ہے کہ کوئی اذان باآواز بلند نہ پکارے یہی وجہ ہے کہ شہر سے اتنی دور نماز کے لئے آنا پڑتا ہے۔ نماز کا وقت ہوتے ہوتے آفتاب تم تما گیا۔ بالو کا میدان شعلے چھوڑنے لگا (کیونکہ مئی جون کا مہینہ تھا) پاؤں جھلسنے لگے نہ کوئی فرش تھا نہ جائے نماز لوگوں نے بدن کے کپڑے اُتار کر پیروں کے نیچے ڈالے مجھے بھی یہی کرنا پڑا۔

قاضی صاحب ہنوز تشریف نہ لائے تھے اور بے صبری کے ساتھ اُنکا انتظار ہو رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا مسلمانوں قاضی صاحب روٹھے بیٹھے ہیں تم لوگ جبتک اُن کی ٹٹو کے پیچھے پیچھے جلوس میں نہ چلو گے وہ نہ آوینگے لوگ ہانپتے کانپتے بھاگے ہوئے گئے اور قاضی صاحب کو اُنکے پیچھے ایک چھوٹا سا ڈھول کوٹتے ہوئے بھیڑ بھاڑ میں لائے۔ قاضی صاحب نے دوگانہ پڑھایا اور گھوڑیا کے پالان کا منبر بناکر کھڑے ہو گئے۔ اور خطبہ پڑھا۔ ماشاء اللہ خطبہ وہ پڑھا گیا جو شہنشاہ اکبر کے وقت لکھا گیا تھا کیونکہ اکبر شاہ کی اُس میں تعریف تھی اور بار بار **خلد اللہ ملکہ** کا جملہ آتا تھا۔ قاضی صاحب لوگوں کو بار بار ڈانٹتے تھے کہ خطبہ سُنو مگر لوگ پریشان تھے کہ کب ختم کریں اور وہ بھاگیں۔ میں نے کھڑے ہوکر مسلمانوں کے مجمع پر نگاہ ڈالی تو افلاس و نکبت کی مجسم تصویر نظر آئی۔ کسی کے بدن پر ثابت کپڑا نہ تھا۔ سر پر اگر نیا صافہ ہے تو پاجامہ میں پیوند ہے اگر پاجامہ صاف ہے تو کُرتہ گریبان سے نکلا ہوا ہے جُوتہ اگر ہے تو کسی کی تلی ندارد ہی تو کسی کی نوک نہیں۔ اسپر بھی ان غریبوں کو قاضی صاحب کا ٹیکس تو ادا کرنا ہی پڑا۔ اور چند پگڑیاں قاضی صاحب کے سر پر لپیٹی گئیں اور چند روپیہ کے پیسے جمع ہو گئے۔ اب مجھے اطلاع ہوئی کہ یہ سارا مجمع مع قاضی صاحب کے جلوس کے قصبہ کے ٹھاکر صاحب کے محل کے نیچے جائیگا۔ اور وہاں سب ایک ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر حلقہ بناکر ناچیں گے جب ٹھاکر صاحب دس سیر گڑ اور دس سیر چانول بطور انعام جلسے کو اور ایک پگڑی سوا روپیہ والی قاضی کو دیکر رخصت کرینگے۔ میں اس آنیوالی ذلت کے برداشت کی طاقت خود میں نہ پاکر اُس بُرادہ جماعت کو چھوڑ کر شہر سے باہر باہر ڈاک خانہ میں آگیا۔ شام

سے پہلے قاضی صاحب عید کا مصافحہ کرنے کی غرض سے ڈاکخانہ تشریف لائے
اور نہائت خفگی کے ساتھ فرمایا۔

"پوسٹ ماسٹر صاحب آپ جلوس کے ساتھ عیدگاہ سے نہ آئے۔ مردِ خدا شوکت اسلام کا لحاظ کیا ہوتا"۔

اسکے جواب میں میرے لبوں پر تبسم اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہنسی قاضی صاحب کی سادہ لوحی پر آئی اور رونا انقلاب پر تھا کیونکہ اس علاقہ کی قریباً ساری آبادی قائم خانی مسلمانوں کی تھی جو کامل چار سو سال تک اسی علاقہ میں پُرشوکت سلطنت کر چکے ہیں اور اب یہ حالت ہے کہ ذلت کو شوکت مانے ہوئے ہیں جو انتہائی ذلت کی نشانی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ناظرین توحید تمہیں انصاف کرو کہ جو آنکھیں ایسے نظارے رات دن دیکھتی ہوں انہیں عید کے دن خوشی کی جھلک کہاں سے آوے! تعلیم کے بغیر مارواڑ کے مسلمانوں کی حالت اس سے بدرجہا نیچے گر چکی ہے۔ وہ عید محرم بھی بھول گئے ہیں اور ہولیوں میں ناچتے ہیں اگر قوم کے کام کرنیوالوں نے اس طرف توجہ جلد نکی تو خدا جانے اور کیا ہونا ہے۔

اہا ہا ہا اہو ہو ہو

از خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب الٰہ آبادی

سنو یہ نغمۂ بلبل اہا ہا اہو ہو ہو — لیا پھر اڈریا نوپل اہا ہا اہو ہو ہو
گری پھر برق ترکی سازش و ترکیب مغرب پر — ہوئی شمع مظالم گل اہا ہا اہو ہو ہو
بھلا انور کے آگے کیا ٹھہرتا جنرل بلگر — کجا پونی کجا دُلدُل اہا ہا اہو ہو ہو
پڑی بلگیریا پہ مار آخر ربِ کعبہ کی — گیا ٹوٹ اسکا بل بالکل اہا ہا اہو ہو ہو
خدا جانے کہ آگے چلکے کیا ہونا ہے کیا ہوگا
مگر اسدم نہ رُک اور غُل اہا ہا اہو ہو ہو

خون ناحق

یورپین اقوام اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ دہر سے مٹانیکے لئے دوستی کے پردہ میں خفیہ سازشیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس سربستہ راز کا پورا پورا انکشاف چاہتے ہوں تو کتاب خون ناحق کا مطالعہ کیجئے جسمیں سواحل طرابلس پر اٹلی کے خونی کارناموں کو ایسی دل ہلا دینے والی صورت میں پیش کیا گیا ہے جسے ایک نظر دیکھتے ہی یورپین چالوں کی کھُول کھلیاں میں پہنچکر انسان محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔ خان بہادر لسان العصر مولانا سید **اکبر حسین صاحب** جج الہ آبادی مدظلہ فرماتے ہیں "خون ناحق بہت عمدہ مجموعہ مضامین کا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا میں اس جنگ کی نسبت کیا خیالات تھے۔ اور مسلمانوں کے دلوں پر کیا گزرتی تھی۔ نہ یہ زمانہ رہ جائیگا نہ یہ لوگ رہ جائینگے لیکن ہسٹری کے ورق حالات گزشتہ کا آئینہ رہینگے" اور بہت سے بزرگوں اور سیکڑوں اخباروں نے تعریفیں کی ہیں۔ لکھائی چھپائی بقول فاضل اڈیٹر **الہلال** "آجکل کی بہتر سے بہتر مطبوعات بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتیں"۔ تقطیع ۲۰×۳۰ کلاں ضخامت ۱۲۸ صفحے۔

قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے۔ **غیر مجلد** ایک روپیہ۔

ستر ہویں نامہ

نہایت دلچسپ کتاب ہے جسمیں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر کیفیت زندگی۔ شاعری۔ موسیقی اور تصانیف کا مفصل تذکرہ ہے اور اُنکے دلچسپ لطیفے۔ پہیلیاں اور ہندی فارسی اشعار کا انتخاب ہے حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے راز و نیاز کا تذکرہ ہے اور درگاہ کی عمارتوں کے تاریخی حالات ہیں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ **قیمت** ۳ر

ملنے کا پتہ: محمد انوار ہاشمی قادری مہتمم مکتبہ قادریہ لال کورتی میرٹھ

آئینۂ قیامت

اس رسالہ میں واقعات کربلا کو جدید اُسلوب میں نہایت خوبی سے لکھا ہے تنقید روایات کے ساتھ پیرایۂ بیان نہایت مؤثر و دلکش اختیار کیا ہے۔ واقعات شہادت کو اخلاقی رنگ میں رنگ کر تصوف کے اعلیٰ نکات کو ظاہر کیا ہے اہل ملک نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ مغربی تعلیم یافتہ اصحاب نے بہت ہی پسند کیا۔ اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت ہی خوشخط چھپا ہے۔ قیمت قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر قسم سوم ۴ر

مضامین حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

آجتک مختلف اخباروں اور رسالوں میں حضرت خواجہ صاحب کے جسقدر مضامین شائع ہوئے ہیں اُن کا انتخاب درد سوز اور کیف کی نہریں۔ بڑی تقطیع لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ

شیخ سنوسی وکتاب الامر

حضرت امام آخرالزماں کے ظہور اور تاجدار انگریزی کے مسلمان ہوجانے کی پیشنگوئیاں۔ زرتشتی۔ ہندو عیسائی موسائی وغیرہ مذاہب کی کتب سے ثبوت امام مہدی، شاہ کابل کا عروج وخروج۔ شیخ سنوسی کی بتائی ہوئی وہ آیات قرآنی جن میں سائنس کی آئندہ ایجادوں کا ذکر ہے۔ مصنفہ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب۔

قیمت حصہ اول ۴ر حصہ دوم ۴ر

اسلام کا انجام

دیار مصر کے شیخ المشائخ کی شہرۂ آفاق کتاب مستقبل الاسلام کا اُردو ترجمہ فلسفیانہ استدلال سے اسلام کے نیک انجام کا ثبوت قیمت ۴ر

اسرار

بابی فرقہ کے بانی بہاء اللہ آفندی کی وہ زبردست کتاب جسمیں رموز تصوف کو حیرت خیز طریقہ سے بیان کیا ہے اور جو مصنف کے فرزند نے خواجہ صاحب کو بطور یادگار دی تھی قیمت ۴ر

روزنامچہ خواجہ حسن نظامی ۱۹۰۶ء

اس روزنامچہ میں بمبئی کے قابل دید نظارے بندر سومناتھ کی سیر۔ اولیاء کرام کے مزارات۔ آغاخانی و امام شاہی مخفی تحریکوں کے تذکرے۔ جن لوگوں نے حضرت خواجہ صاحب کا روزنامہ سفر حجاز پڑھا ہے وہ اسکی معنی خیز روش کو خود ہی سمجھ جائینگے۔ قیمت

جاماسپ نامہ

حکیم جاماسپ کی اُس نایاب کتاب کا ترجمہ جسمیں موجودہ اور آئندہ زمانہ کی نسبت چونکا دینے والی پیشینگوئیاں ہیں۔ قیمت ۳ر

تحقیق الحق فی الوجود المطلق

اگر آپ مسئلہ وحدت الوجود کی حقیقت و حقیت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ قیمت ۶ر

ملنے کا پتہ۔ محمد انوار ہاشمی مدیر مکتبۂ قادریہ لال کرتی میرٹھ

قرآن مجید مترجم بترجمتین محشی بتفسیرین

صرف یہی ایک قرآن مجید ہے جسکا ظاہر اگر ایسا شاندار و دلفریب ہے جسے ایک
نظر دیکھتے ہی گزشتہ اسلامی شوکت و عروج کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے تو
ساتھ ہی باطن بھی ایسا پُر مغز و معنی خیز ہے جو کلام اللہ کے تفہیم و تفہم کو حد درجہ
آسان کر دیتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ حال کی اہم اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کا
اسی نے بیڑا اُٹھایا ہے اور زیادہ تعریف کرنیکی بجائے یہاں اس قرآن شریف
کی صرف چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں چونکہ ان میں مبالغہ کو دخل نہیں ہے
اسلئے ناظرین کرام اُسکی خوبیوں کا خود صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں۔

نمبر ۱ $\frac{۲۶ \times ۲۱}{۴}$ تقطیع یعنی صفحہ کا طول ۱۳ انچ اور عرض ۱۰ انچ۔ ضخامت ۱۲۴۰ صفحہ۔ وزن غیر مجلد
۹ سیر۔ کاغذ چکنا نمبر ۲۔ عربی متن نہایت جلی۔ خوشخطی میں بے نظیر۔ پورے صفحے پر کل ۹ سطریں
سر نامہ پر چار مشہور مزارات کے نقشے۔ پارے سب علیحدہ علیحدہ۔ نمبر ۳ بین السطور میں ترجمے
فارسی ترجمہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ اور اُردو ترجمہ مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب تفسیر
حقانی کا نمبر ۴۔ حاشیہ کے دو حصے۔ بڑے حصے میں تفسیر حقانی و تفسیر حسینی۔ چھوٹے حصے میں اختلاف قرأت
شان نزول و رسم خط۔ ہدیہ غیر مجلد ۴۸ ۔ مجلد ۵ روپے محصول ڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: محمد انوار ہاشمی مدیر مکتبہ قادریہ لالکوتی میرٹھ

طلسمات فرعون

روزنامہ سفر مصر و شام و حجاز با تصویریں جو مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے مستانہ طرز تحریر کا بے مثل نمونہ ہے اور جو ابھی حال میں تیار ہوا ہے اور جسکی قیمت با تصویرین روپیہ اور بلا تصویر ڈیڑھ روپیہ ہے۔ فرعون کی لاش کا فوٹو دیا گیا ہے اور اسکے چشم دید حالات خواجہ صاحب نے لکھے ہیں جو عجیب و غریب ہیں۔ اسی تذکرے میں خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ یورپ والے جو کہتے ہیں کہ یہ لاشیں کسی مسالہ کے سبب آجتک سلامت ہیں غلط ہے بلکہ یہ اعمال سحر کی تاثیر ہے۔ جو فرعون کے زمانہ میں رائج تھا۔

اسکے ثبوت میں حضرت خواجہ صاحب نے ایک کتاب طلسمات فرعون کے نام سے علیحدہ لکھی ہے جسمیں فرعون کے زمانہ کے دجسپ عقاید اور اعمال سحر کی حقیقت بیان کی ہے اور ان اعمال کو خاص اس زمانہ کے حروف میں نقل کیا ہے اور اسکے مطالب لکھے ہیں نیز ان طلسمات کو آجکل کیلئے قابل عمل بنا دیا ہے اور ہر شخص کو موقع دیا ہے کہ ان طلسمات کے ذریعہ اپنی آئندہ حالت معلوم کرے اور عجیب و غریب فائدے اٹھائے۔

قیمت باعتبار مضامین ہے نہ باعتبار ضخامت یعنی آٹھ آنے۔

کارکن حلقہ المشائخ دہلی سے منگائیے

حجازی

اخبار توحید کا قایم مقام اخبار

حجاز مرکز توحید ہے۔ اور توحید باعث نمود حجاز۔ پس شہید اخبار توحید کی جگہ تجویز ہوا کہ دہلی سے ایک اخبار حجازی نامی نکالا جائے۔ حجازی اخبار توحید کا ہو بہو برنج ہوگا۔ حجازی ان تمام سیاسی۔ تمدنی۔ اقتصادی ضرورتوں کو پورا کریگا جنکی ملک میں مانگ ہے۔ حجازی کیلئے اعلیٰ درجہ کا ایڈیٹوریل اسٹاف مہیا کیا جائیگا۔ حجازی مشینوں پر چھپیگا۔ حجازی میں ایک عربی حصہ بھی شائع ہوا کریگا۔ حجازی دہلی دارالحکومت کی شان کے مطابق آن بان سے نکلیگا۔

حجازی قومی اخبار ہوگا

اسی لئے قومی سرمایہ سے نکالنے کا سامان ہو رہا ہے۔ یعنی قوم اسکے لئے قرض حسنہ کا انتظام کر رہی ہے اور پانچ روپیہ حصہ مقرر ہوا ہے۔ جسکی واپسی و ادائگی کا نہایت معتبر اور قابل اطمینان طریقہ رکھا گیا ہے۔ جسکی تفصیل علیحدہ مطبوعہ کاغذات منگانے سے معلوم ہو سکتی ہے آپ کا فرض ہے کہ اس دینی۔ قومی۔ ملکی اخبار کی مدد کیجئے۔ اور سرمایہ قرض حسنہ میں حصہ لیجئے۔ ایسے نیک کام میں شریک ہونا دارین کے ثواب کا موجب ہے۔

کہاں ہیں حجاز کے نام پر جان مال قربان کرنے والے۔ آئیں اور اپنے اخبار حجازی کی مدد کریں :۔

محمد انوار ہاشمی منیجر اخبار توحید شہید لال کوٹی میرٹھ